[illegible]

بہر یاد رفتگان قوم باید یادگار

تا بماند بعد مردن نام تو اندر جہاں

تاریخ مسلم یادو بنسی راجپوت

المعروف خانزادہ

موسومہ بہ

مرقع میوات

مؤلفہ

خانزادہ شرف الدین احمد شرف سابق ہیڈ ماسٹر

متوطن موضع سانٹھاواڑی تحصیل فیروزپور جھرکہ

ضلع گوڑگانوہ

ایڈیشن اوّل ۱۹۲۵ طباعت: جلال الدین جلد ساز، فیروز پور جھرکہ.

قیمت فی جلد دو…

تاریخ مسلم خانزادہ یعنی راجپوت و مرقع میوات ،
طبع اول : ۱۹۳۵ء جلال الدین جلد ساز ، فیروز پور جھرکہ گوڑگانواں
مرقع میوات (میوات کا اتہاس) ترجمہ اردو سے ہندی
انیل جوشی الور ، نوشوم پرکاشن ۱۹۸۹ء۔



SARFARAZ KHANZADA RAJPUT
MEWATI
Assistant Professor
Govt: S.N.M.S Degree College
Tharushah D'tt Naushahro Feroze

شکریہ

میں اپنی قوم کے جملہ ممبران انجمن قوم خانزادہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے دلی شوق کے ساتھ اس قومی تاریخ کے لکھنے کے لئے ہمت و حوصلہ دلایا جس کی وجہ سے میرے لئے یہ کام آسان ہو گیا۔ لہذا اب میں اس نادر تحفہ کو جملہ بزرگان و نوجوانان قوم کے علاوہ تمام شائقین علم تاریخ کی خدمت میں پیش کرنے کی جرات کرتا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف ؎

اگر ایں پیشکش منظور گردد مرا ایں سعی ہم مشکور گردد

خانزادہ شرف الدین احمد مصنف تاریخ ہذا و نیز مصنف رسالہ جات شہادت امام حسین، تحقیق اقوام ہند، رسالہ صلح کل، انسانی تقدیر، گفتگو، گلشن ہند، مسلم اتفاق، دیہاتی مدرس کی مشکلات وغیرہ۔ متوطن موضع سانتھا واڑی تحصیل فیروزپور جھرکہ ضلع گوڑگانوہ۔

فہرست مضامین تاریخ ہذا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب متفرقات

التماس

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست۔
آخر آمد زپس پردہ تقدیر پدید۔

جمیع ناظرین تاریخ ہذا کی خدمت میں التماس ہے کہ مدت سے خاکسار کے دل میں مسلم یا
ہندو نسبی راجپوت المخاطب بہ خانزادہ قوم کی ایک ایسی صحیح اور مکمل تاریخ لکھنے کی آرزو تھی جس
میں اس قوم کے واقعات گذشتہ و حال اور سلسلہ انساب از ابتدا تا انتہا درج کئے جائیں۔ تاکہ یہ
قوم اپنے حسب و نسب اور قومی کارناموں سے بخوبی واقف ہو جائے۔ اور یہ تاریخ قوم کے لئے ایک
سند متصور ہوئے۔

اگرچہ اس قوم کے اندر بڑے بڑے نامور اور مشہور عالم مشاہیر گذرے ہیں جن کے نام آسمان
تاریخ کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکنے کے مستحق ہیں۔ لیکن آج تک جس قدر یادو نسبیوں کی تاریخیں
میرے مطالعہ سے گذری ہیں ان میں کسی کے اندر بھی اس قوم کے مفصل حالات درج نہیں ہوئے
ہیں۔ قوم کے پاس خاطر سے نہایت محنت اور کوشش جستجو اور صرف زر کثیر سے مستند و معتبر
تاریخوں۔ قلمی نسخوں۔ پرانے کتب خانوں اور جدید لائبریریوں کی مدد سے مشرح حالات لکھے گئے
ہیں۔ اور اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ جاگاؤں یا کبیشروں وغیرہ کے اقوال غیر مدیات
کو حتی الامکان شامل نہیں کیا گیا ہے۔ جن میں قدرے مبالغہ کا شبہ پیدا ہو سکتا ہے اگرچہ
جاگاؤں کا قاعدہ ہندوستان کے سوا دنیا بھر کا کوئی ملک پیش نہیں کرسکتا۔

چونکہ مجھے اپنے قومی حالات معلوم کرنے کا ابتدا ہی سے شوق رہا ہے اسلئے مختلف اوقات

میں مختلف مضامین جس جگہ سے حاصل ہوسکے وہ جمع کرتا رہا۔ لیکن مکمل تاریخ کے لئے یہ مضامین ناکافی تھے۔ لہذا ماہ جنوری ۱۹۳۲ء کو ہیڈ ماسٹری سے ریٹائر ہونے کے بعد میں نے اپنا تمام وقت اسی کام کے لئے وقف کر دیا۔ میرے عزیز شاگرد چوہدری عبدالستار خاں صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی نے اس کام میں میری کافی مدد کی ہے۔ وہ اپنے ضروری کاموں کو چھوڑ کر بھی ایام تعطیل میں میرے ہمراہ ہمیشہ رہے۔ منشی یعقوب خاں صاحب پٹواری نے بھی مجھے وقتاً فوقتاً مفید مشوروں سے مستفید فرمایا۔ جمعدار احمد خاں صاحب نے بھی مجھے رام پور کا کتب خانہ مطالعہ کرانے میں پوری مدد کی۔ ورنہ رام پور کا کتب خانہ دیکھنا ہرگز نصیب نہ ہوتا کیونکہ دس روز تو اس کے مطالعہ کی امیدواری میں ہی گذر گئے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ صاحبان میری امداد نہ فرماتے تو یہ کام میرے لئے زیادہ دشوار ہو جاتا۔ اسلئے مندرجہ بالا صاحبان کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر واجب ہے۔

تاریخی مصالح حاصل کرنے کے لئے میں دہلی۔ علی گڑھ۔ بھرت پور۔ آگرہ۔ لکھنو۔ اندور تجارہ۔ الور۔ بلند شہر۔ قرولی۔ جے پور۔ رام پور۔ اور اٹاوہ تک پہنچا۔ اور کافی مصالح جمع کیا اس قومی تاریخ کے لکھنے کا خیال مجھے یوں پیدا ہوا کہ فیروزپور جھرکہ میں اصلاح رسومات کی تقریب پر قوم کے چیدہ جوان و بزرگ جمع ہوئے تھے۔ اثنائے گفتگو میں تعلیم یافتہ نوجوانوں سے میں نے دریافت کیا۔ کہ عزیزو بھلا تو بتاؤ تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔ کہاں سے آئے ہو اور کب مسلمان ہوئے۔ کس نے اور کس طرح مسلمان بنایا۔ پہلے تمہاری قدر و منزلت کیسی تھی۔ اور اب وہ کیوں جاتی رہی۔ غیر قوموں کا تمہارے متعلق کیا خیال ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان سوالوں کے جوابوں سے سب نے لاعلمی ظاہر کی۔ یہ سنکر مجھے سخت افسوس ہوا کہ موجودہ روشنی کے زمانہ میں ہمارے نوجوان تعلیم یافتوں کے لئے اپنی قوم و خاندان اور گھر کے حالات سے ناواقفیت سخت افسوسناک امر ہے۔

تو بر رو چرخ فلک چہ دانی چیست　　چوں ندانی کہ در سرائے کیست

آخر یہ خیال ہوا کہ اپنے بزرگوں کی بزرگی و شرافت۔ ترقی و تنزل اور ماہ رفتہ کے حالات بہم نہ پہنچانا ایک قومی گناہ ہے۔ لہذا اگر جلد ہی قومی تاریخ تیار نہ کی گئی تو پھر اسلاف کا نام لیوا کوئی نظر نہ آئیگا۔ اور اگر آج اغیار کے حملوں کا دنداں شکن جواب نہ دیا گیا۔ تو کچھ عرصے بعد ناقصوں کی بھی یکہ اس ناواقفوں کے لئے سند بن جائیگی۔ نیز اپنے بزرگوں کی

شاندار کارناموں کی واقفیت بہم پہنچانا اور اُن کو یاد رکھنا قوم کے ہر چھوٹے بڑے کا فرض ہے۔ خصوصاً ہندوستان جیسے ملک میں جہاں خاندانی اور قومی امتیاز و خصوصیت ہماری مجلسی زندگی پر بہت بڑا اثر ڈالا کرتی ہے حالات کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

اس تاریخ کی تصنیف سے راقم کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے۔ جس کے صلے میں کسی جاگیر یا انعام کی امید ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی مبالغہ آمیز کلام ہمیشہ دنیا میں یادگار نہیں رہ سکتا اور نہ مقبول ہو سکتا ہے اسلئے اس کے اندر نہ کوئی فریب و حیلہ ہے نہ کمائی کا وسیلہ ہے۔ صرف قومی یادگار قائم رکھنے کے لئے یہ کھیل کھیلا ہے۔ امید ہے کہ میری قوم اس تحفہ کو قدردانی کی نگاہ سے ملاحظہ فرمائے گی۔

چونکہ خانزادہ قوم کی کوئی علیحدہ تاریخ آج تک نہیں لکھی گئی بلکہ اس کے تمام حالات شاہان دہلی کے حالات کے ضمن میں ہی لکھے گئے ہیں۔ اس وجہ سے اس قوم کی تاریخ لکھنے والے کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ درپیش ہوتی ہے کہ جب تک وہ ہندوستان کی بہت سی مختلف تاریخوں کا مطالعہ نہ کرے تب تک اُسے اس قوم کے حالات سے مطلق واقفیت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اسی مشکل نے مجھے بھی پریشان کیا ہے۔ باوجود اس مشکل کے دوسری طرف میرے دوستوں اور عالم شائقین نے مجھے مجبور کیا۔ کہ جہاں تک ہو سکے جلد از جلد پہلا ایڈیشن نکال دیا جائے۔ کیونکہ عمر ناپائدار کا کیا اعتبار ہے۔ ایسا نہ ہو یہ جمع شدہ مصالح بیکار پڑا رہ جائے اور شائقین تاریخ۔ محروم رہ جائیں۔ لہٰذا دوستوں کے اصرار اور قوم کے پاس خاطر سے یہ پہلا ایڈیشن بہت عجلت کی حالت میں نکالا جاتا ہے جس میں کارآمد مضامین مختصر طور پر درج کر دئے گئے ہیں۔ البتہ مفصل حالات و شجرہ جات کل دیہات خانزادگان انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں درج کر دئے جائیں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال ہے کہ میری کم علمی کی وجہ سے جو مضامین رہ گئے ہونگے اُن کو پورا کرنے کے لئے بہت ممکن ہے قوم میں سے دوسرے اصحاب بھی آمادہ ہو جائیں کیونکہ مکمل واقفیت کے لئے بیڑا اُٹھانا کامیاب ہونا دشوار ہے۔

چونکہ میں انسان ہوں اور انسان سہو و خطا سے خالی نہیں ہو سکتا۔ الانسان مرکب من الخطاء والنسیان مشہور ہے۔ لہٰذا تمام شائقین علم تاریخ سے عموماً اور مورخ صاحبان سے خصوصاً التماس ہے کہ اگر وہ کسی تاریخی حوالے کے ذریعہ نہ کہ خانہ ساز روایت سے اس تاریخ کے اندر کہیں سہو پائیں۔ تو بزرگانہ دستار کے ساتھ اطلاع دیکر ممنون فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن

میں ترمیم کر دی جائے۔ ہٹ دھرمی اہل انصاف کا کام نہیں۔ وما علینا الا البلاغ ؎

غرض نقشے است کز ما باز ماند　　کہ ہستی را نمی بینم بقائے۔
مگر صاحبدلے روزے برحمت　　کند در کار این مسکین دعائے۔

تمہید

؎ برا حال دنیا میں اس قوم کا ہے۔　　بھنور میں جہاز آکے جس کا گھرا ہے
کنارہ ہے دور اور طوفان بپا ہے　　یہ ہر دم خطر ہے کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہل کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کشتی

تعجب قوم میں اپنی غفلت وہی ہے　　تنزل پہ اپنی قناعت وہی ہے۔
ملی خاک میں پر رعونت وہی ہے　　ہوئی صبح اور خواب غفلت وہی ہے۔
نہ افسوس اپنی ہی ذلت پہ ہے کچھ
نہ رشک اور قوموں کی عزت پہ ہے کچھ

صاحبان یہ ترقی کا زمانہ ہے اس میں ہر ایک قوم اپنے تئیں دوسری سے افضل اور اشرف بننے کی دعویدار ہے حتےٰ کہ آج میراسی بھی قریشی شیخ ہونے کا دعوے کر رہے ہیں۔ یہ گورنمنٹ انگریزی کا طفیل ہے جس کی آزادی سے کوئی سید بنتا ہے کوئی قریشی شیخ۔ کوئی برہمن بننے کا دعویدار ہے اور کوئی خالص چھتری ہونے کا۔

البتہ یہ فخر صرف اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اس میں اعلےٰ اور ادنےٰ ذات کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ اس کے اندر جو آگیا وہ کھوٹے سے کھرا اور رذیل سے شریف بن گیا۔ یہ اکسیر جس تانبے پر ڈال دی گئی اس کو خالص کندن بنا دیا۔ یہاں آقا و غلام۔ امیر و ماتحت رذیل و شریف اور پنچ ذات اونچ نیچ ذات وغیرہ کے تمام تفرقوں کو ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کے حکم نے بیخ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکا ہے ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز　　نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
صاحب و بندہ و محتاج و غنی ایک ہوئے۔　　تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

یہاں بلال حبشی جو بُت پرستوں کا ایک زرخرید غلام تھا وہ قریش پر فوقیت رکھتا تھا۔ جس کو حضرت عمر جیسی جن کی سطوت و ہیبت سے قیصر و کسریٰ بھی لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ سیدی سیدی امیرنا یعنی آقا کہکر پکارتے تھے۔ سچ ہے فردا بروز قیامت خواہند پرسید کہ حسرت بیست، نخواہند پرسید از پدرت کیست۔ غرض اسلام کے اندر صرف عمل کو ہی معیار شرافت و رذالت قرار دیا گیا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے ہندوستانی بھائی کیوں اپنی اصلیت کو چھوڑ کر اور اپنے آباؤ اجداد سے منہ موڑ کر دوسروں کا بیٹا بننے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ تاریخوں کے اندر بغیر کسی کمی و بیشی کے اصلی اور صحیح واقعات کا نہایت ایمانداری کے ساتھ اندراج کرنا کچھ گناہ میں داخل نہیں ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے۔ تو آئندہ آنے والی نسلیں تمام تاریخی فائدوں سے محروم رہ جاتی ہیں۔ قرآن شریف اور احادیث میں بھی بہت سے تاریخی واقعات درج ہیں۔ البتہ بیجا فخر۔ مبالغہ اور غلط نویسی سے قطعی پرہیز کیا جائے۔

موجودہ زمانہ میں ایک قوم دوسری کمزور قوم کو مٹانے کی فکر میں بھی لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ میوات کے اندر جن قوموں نے دو سو سال تک ہمارے زیر سایہ اپنی زندگی نہایت امن و چین سے بسر کی تھی آج وہ ہی قومیں ہمیں مٹانے کی فکر میں لگی ہوئی ہیں۔ واقعی نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد کے مطابق اب ہماری حالت ایسی ہی کمزور اور قابل رحم بن گئی ہے۔ کہ جو چاہتا ہے دو ٹھوکریں لگا جاتا ہے۔ ؎

آگے تھے ابتدائے عشق میں ہم ۔ خاک ہیں آج انتہا یہ ہے۔

لیکن یہ یاد رہے گردش زمانہ ہمارے مٹانے والوں کو بھی ایک دن ضرور مٹا دیگی ؎

اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے ۔ ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے

آج ہمارے سابقہ شاندار کارناموں کی یادگاریں صرف صفحات تاریخ پر یا ہمارے تعمیر کردہ قلعوں۔ گنبدوں۔ مسجدوں۔ عیدگاہوں۔ مقبروں۔ سڑکوں اور آباد کردہ قصبوں اور شہروں وغیرہ کے کھنڈرات پر ہی باقی رہ گئی ہیں جن کی یاد ہر وقت ہمیں خون کے آنسو رلاتی ہے۔ یوں تو تمام کھنڈرات کا مشاہدہ ہر عقلمند آدمی کے لئے مجسم عبرت ہے۔ لیکن اُن کھنڈرات کا نظارہ جو کبھی معزز بستیوں کا مسکن رہ چکے ہیں۔ اور اب زمانہ کی سرد مہری اُن کے نام لیواؤں کو بھی صفحہ ہستی سے مٹانے کا مکمل تہیہ کر چکی ہو وہ سب سے زیادہ دل خراش منظر ہے۔

خانزادوں کی تعمیرات کی ایک ایک اینٹ ہر زائر کی نگاہ میں اس دنیائے ناپائیدار کی بے ثباتی کا مرقع پیش کرتی ہے۔

اندور۔کوٹلہ۔گھرولی۔تجارہ۔ملک پور۔سرہٹہ۔دمدمہ۔دوراله بشاہ آباد۔سندھا الور۔بہادر پور۔مبارک پور۔جھجر۔نرلواڑی۔فیروز پور جھرکا۔جھاوٹ۔جسمنہ۔تاوڑو۔بھونڈسی۔نارنول۔بہروز۔گھساولی عرف ٹلی نگر پہاڑی وغیرہ مقامات میں انہیں کی تعمیر کردہ عمارات نہایت کس مپرسی کی حالت میں کھڑی ہوئی ہیں۔جب ہم ان عمارات کو یا انکے کھنڈرات کو دیکھتے ہیں تو اپنا سینہ مسوس کر رہ جاتے ہیں۔یا دو چار آنسو گرا کر دل کی بھڑاس نکالنے پر مجبور ہوتے ہیں۔یہی کھنڈرات دنیا کے سامنے اپنی پرانی عظمت کی بے بسی اور بے کسی کی تصویریں پیش کرکے بتلا رہے ہیں کہ وہ سب کی سب خانزادوں ہی کے کارناموں کی شکستہ یادگاریں ہیں۔مگر ان کی موجودگی ابھی تک دیکھنے والوں کے دلوں پر حسرت و شوق پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔لیکن افسوس زمانہ کی دست برد ان شکستہ یادگاروں کے مٹانے کی فکر میں بھی لگی ہوئی ہے۔تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں۔

آج حالات بالکل متغیر ہوگئے ہیں۔دنیا جدید روشنی سے منور ہے۔جنہیں ہم اپنا غلام اور خادم جانتے تھے انہوں نے اپنی پست حالی اور رسوائی کو محسوس کرلیا۔آخر قسمت نے بھی ان کی مدد کی۔جس کی بدولت وہ جدید علوم و فنون سے بہرہ یاب ہو کر بام ترقی پر چڑھنے لگے اور یہ قانون قدرت ہے کہ خدا بھی انہیں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں زمانہ کی روش کے ساتھ نہ چلنے سے کل تک جو لوگ ہمارے ماتحت تھے آج ہم انہیں کے دست نگر ہیں۔جنہیں ہم اپنے برابر بٹھانے میں عار کرتے ہیں آج انہیں اپنے سر پر بٹھاتے ہیں اور جو خادم کہلاتے تھے وہ اب مخدوم بن رہے ہیں۔

اس تمام خرابی کے ذمہ دار در اصل وہ لوگ ہیں جو قوم میں اثر و رسوخ والے اور ذی استطاعت ہیں۔افسوس انہوں نے اپنی دولت و ثروت۔جاہ و منزلت اور اثر و رسوخ کو صرف اپنے ہی نفسوں کے لئے وقف کر رکھا ہے اور اپنی قوم کو اس کے حال پہ چھوڑ کر اپنی موت مرنے دیا۔

اس وقت قومی ترقی کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے سب سے زیادہ ضروری شے

قومی تنظیم ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اپنی بقا کے لئے بڑی بڑی سلطنتوں کو بھی تنظیم کرنی پڑتی ہے بس اگر آپ دنیا میں خوددار بن کر رہنا چاہتے ہیں تو لازمی طور پر اپنی قومی تنظیم کرنی پڑیگی۔ اس کے بعد دوسری ضروری شے مرحبہ تعلیم ہے آپ کے بزرگوں کا زمانہ تو ایسا تھا جس میں عزت و ناموری حاصل کرنے کے لئے صرف تلوار کا دھنی ہونا کافی تھا۔ لیکن آج تلوار کی جگہ قلم نے لی ہے اس وقت جو قلم کے دھنی ہیں وہی رائے بہادر، خان بہادر۔ سر اور ناٹ کہلاتے ہیں۔ دنیا پر حکومت کرتے ہیں، رعایا کی قسمتوں کی باگیں گورنمنٹ انہیں کے ہاتھوں میں سونپتی ہے غرض اس زمانہ میں خاندانی شرافت اور علے حسب و نسب کو کوئی نہیں پوچھتا ؎

اب حسب اور نسب پر نہیں نازش کا محل۔ گردش دہر نے دی صورت احوال بدل
اب شریفوں کی شرافت میں پڑا آ کے خلل شیخ و سید کسی قابل ہیں نہ ہیں خان و مغل

گر گئے جو مے پندار کے تھے متوالے
بڑھ گئے پیشہ مزدوری و محنت والے۔

اب خالی خان صاحب اور نواب صاحب کہلانے سے یا قومی مرثیہ پڑھنے سے کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ دوبارہ اپنے اعمال و افعال سے دنیا پر یہ ثابت کر دو۔ کہ ہم آج بھی حرتی بہادر نابر خان اقبال خاں۔ ملک علاء الدین خان۔ جلال خاں۔ احمد خاں اور حسن خاں میواتی کی سپوت اولاد ہیں۔ اگر اس پر عمل کیا گیا۔ تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ ہمارا نقش قدم کسی کے مٹائے ہرگز نہ مٹ سکیگا ؎

باطل نہ ہوگا نقش ہمارا کسی طرح۔ ڈوبے گا قوم کا نہ ستارہ کسی طرح
حاصل عروج ہوگا دوبارہ کسی طرح۔ دیگا خدا ضرور سہارا کسی طرح

اس کو ہی بیکسوں کی مدد کا خیال ہے۔
ہم کیوں ہوں نا امید کہ وہ ذوالجلال ہے۔

تاریخ کا مدعا

لفظ تاریخ ارخ سے مشتق ہے اور ارخ کے معنی گائے کے بچے کے ہیں جو ابھی پیدا ہوا ہو اس لئے ہر نئے واقعہ کو جو پیدا ہوا ہو تاریخ کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں جس قدر حالات و واقعات زمانہ اور وقت سے منسوب ہو سکتے ہوں ان سب کو تاریخ کہتے ہیں یا بالفاظ دیگر جس ذریعہ سے گذشتہ اور موجودہ زمانے کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اُسے تاریخ کہتے ہیں۔ شروع میں تاریخ کی بنیاد مصر اور چین میں ڈالی گئی۔ اس کے بعد ترقی پاکر عرب۔ عجم اور یورپ میں پھیلی۔ عرب کے اندر مسلمانوں کے زمانے میں تاریخ نے نہایت عمدہ صورت اختیار کر لی تھی چنانچہ شروع میں انہیں عربوں کی تحریرات کو اہل یورپ نے اپنی تاریخوں کا ماخذ قرار دیا تھا۔ البتہ موجودہ زمانہ میں یورپ والوں نے کامل تحقیقات میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ کیونکہ انہوں نے عمارات قدیمہ کو بھی کھود کر پرانے حالات معلوم کرنے میں سب پر فوقیت حاصل کرلی ہے۔

علم تاریخ کے ذریعہ ہر قسم کی ملکی مذہبی اور قومی یادگاریں ہمیشہ کے لئے قائم رہتی ہیں اور گذشتہ حالات اور بزرگان قوم و ملت کے واقعات ہم پر اس طرح روشن ہو جاتے ہیں۔ گویا ان کا فوٹو یا نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ یہ علم انسان کے لئے تفریحی حیثیت میں دل بہلانے کا ایک ایسا آلہ بن جاتا ہے جس سے وہ تغیرات زمانہ کی مصیبتوں کو صبر و استقلال سے برداشت کر لیتا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے سابقہ زمانہ کے لوگوں کے تمدنی۔ معاشرتی۔ اقتصادی۔ مذہبی اور اخلاقی کارنامے معلوم ہوتے ہیں۔ جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک دستور العمل ثابت ہوتے ہیں۔ اگر وہ اچھے ہیں تو اُن پر چلنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ اور اگر بُرے ہیں تو اُن سے بچنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ تاریخ سے انسانی تجربات و معلومات کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ بہادروں کے کارناموں کو پڑھ کر طبیعت میں جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے نیک اور مہذب انسانوں کے کارناموں سے نیکی رحم دلی سخاوت خدا ترسی وغیرہ نیک افعال کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ تاریخ کے تمام فوائد کو احاطہ تحریر میں لانا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کسی دریا کو کوزہ میں بند کرنا۔ گذشتہ زمانہ کے واقعات سے آگاہی حاصل کرنا انسانی فرض

ہے خصوصاً ایک ایسی قوم کے لئے اس کا جاننا نہایت ضروری ہے جو بلندی سے پستی کی طرف
وری ہو۔ کیونکہ وہ قوم اس کے مطالعہ سے اپنی تنزلی کے اسباب دریافت کرکے بہتری کے
سائل سوچ سکتی ہے۔

جو قوم اپنے بزرگوں اور شہیدانِ قوم پر فخر و ناز نہیں کرتی وہ سخت غلطی پر ہے کیونکہ
قومیت قائم رکھنے کے لئے صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔

تاریخ سمندر کے طوفان کی طرح غل مچا کر آواز دیتی ہے کہ جاؤ تم بھی دنیا میں نام پیدا کرنے
کے لئے ایسے ہی کام کرو۔ علم تاریخ علم اخلاق سے بھی زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ علم اخلاق سے تو
صرف نیکی یا بدی کی اصلیت ہی معلوم ہوتی ہے لیکن علم تاریخ سے نیکی کرنے اور بدی سے بچنے
کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور پڑھنے والے کو شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ وہ بھی اپنے اسلاف کی طرح
دنیا میں نام پیدا کرے۔ جس قوم کے اندر اپنے قابلِ تعظیم بزرگوں کا نام زندہ رکھنے کا شوق پیدا
نہیں ہوتا وہ کبھی ترقی کی شاہراہ پر پورے جوش اور سرگرمی کے ساتھ آگے بڑھنے میں کامیاب
نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ قوم ظاہر طور پر زندہ ہو مگر دراصل وہ مردہ ہے۔ اسی قاعدہ کے مطابق
اب خانزادوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ ان کی موجودہ اولاد کو ان کے بزرگوں کے حالات
اور ان کے کارناموں سے آگاہ بنایا جائے۔ تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ ہماری موجودہ حالت کیسی
پستی کی طرف جھک گئی ہے۔ اور اس پستی سے نکلنے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

یہ بات روزمرہ دیکھی جاتی ہے کہ دنیا میں صبح۔ دوپہر اور شام برابر ہوتی رہتی ہیں۔ جن
میں کچھ وقت فجر اور دوپہر کے درمیان اور کچھ دوپہر اور شام کے درمیان گذرتا ہے۔ اسی طرح
خانزادوں کی حکومت کی بھی صبح۔ دوپہر اور شام ہوئی ہے۔ یعنی بہادر ناہر خاں مورث اعلےٰ
قوم خانزادہ جس وقت فیروز شاہ تغلق کے ہاتھ پر اسلام لاکر حاکم میوات بنا تھا۔ تو یہ اُن
کی صبح تھی گویا اس کا آفتاب حکومت مشرق سے طلوع ہوا اور اونچا ہوتا گیا اور اپنی گرمی اور
روشنی بڑھاتا اور پھیلاتا گیا۔ اس کے بعد راجہ حسن خاں کے زمانہ میں ان کی حکومت کا آفتاب
نصف النہار پر پہنچ گیا۔ لیکن پھر وہ مغرب کی طرف ڈھلنا شروع ہوا۔ اور اپنی تیزی اور روشنی
کو کم کرتا گیا۔ یہاں تک کہ نواب فیروز خاں۔ اکرام خاں۔ اور ذوالفقار خاں وغیرہ کے وقت میں
شام ہوگئی اور وہ غروب ہوگیا۔ اور پھر اس کی روشنی باقی نہیں رہی۔ زمانہ کا یہی دستور ہے۔ کہ
جن اقوام اور سلطنتوں کی ترقی ہوئی ہے ایک نہ ایک دن ان کا تنزل بھی ہوا ہے۔ ہر کمالے را

زمانہ سے مشہور ہے۔ اس ترقی اور تنزل کے اسباب تو ربّ الارباب ہی بہتر جانتا ہے۔ یہ قوموں کی ترقی اور تنزل کا تار ایک دوسرے کے آگے پیچھے اسی طرح قیامت تک بندھا رہیگا۔ ؎

یہاں ہر ترقی کی غایت یہی ہے۔ سر انجام ہر قوم و ملت یہی ہے
سدا سے زمانہ کی عادت یہی ہے۔ طلسم جہاں کی حقیقت یہی ہے۔

بہت یاں ہوئے خشک چشمے ابل کر
بہت باغ چھانٹے گئے پھول پھل کر

اگرچہ ہم کو اپنے بزرگوں کے حالات بہت مختصر سے ملے ہیں۔ لیکن خانزادہ قوم کی شجاعت اور بہادری کی یہی دلسوز داستانیں موجودہ اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے انسانیت کا سبق سکھانے اور اپنے فرائض یاد دلانے کے لئے پوری رہبر ثابت ہونگی میری اس محنت اور جانکاہی کا مقصد محض آپ کی تفریح طبع کا سامان مہیا کرنا نہیں ہے بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس کو پڑھکر سبق حاصل کریں گے۔ اگر ایسا کیا گیا۔ تو میں سمجھونگا کہ میری محنت رائگاں نہیں گئی۔ (مؤلف)

مورخ کے فرائض

(۱) چونکہ یہ زمانہ علمی روشنی کا ہے۔ اس میں ہر ایک بات کے لئے ثبوت طلب کیا جاتا ہے نامعتبر تاریخی حالات فسانہ عجائب اور الف لیلہ کی داستانیں سمجھی جاتی ہیں۔ اس لئے صحیح اور معتبر تاریخ صرف وہی ہو سکتی ہے جس میں تمام حالات پر بلا تعصب اور بغیر اسناد و روایات و کتابات معتبر تاریخوں کے حوالوں سے روشنی ڈالی گئی ہو۔ اور ہر لحاظ سے منصفانہ رنگ اختیار کیا گیا ہو۔ خوشامدانہ اور خلاف واقعہ مضامین درج نہ ہوں۔ جس بات کو عقل اور قیاس قبول نہ کرے یا مستند اور معتبر تاریخوں کے برخلاف ہو اس کو ہرگز تحریر میں نہ لائے اور ہر جگہ علم تاریخ کے اصولوں کی پابندی کی جائے۔

(۲) جو حوالہ کسی معتبر تاریخ کا دیا جائے۔ وہ بجنسہ معہ پتہ نشان کے دیا جائے۔ تاکہ فوراً مل سکے۔ اگر صرف یہی لکھدیا جائے کہ دیکھو فلاں تاریخ۔ تو ایسا لکھنا دھوکا دہی ہے۔

(۳) جو حوالہ کسی تاریخ کا دیا جائے ۔ اس میں اپنی طرف سے تغیر و تبدل نہ کیا جائے ۔ الغرض اپنی طرف سے اندراج کے بعد اس پر تنقید کی جا سکتی ہے ۔

(۴) کوئی مورخ اپنی طرف سے ایسی بات ہرگز نہ لکھے جس سے کسی دوسری قوم پر نا واجب نکتہ چینی ہوتی ہو ۔ یا اس کی دل آزاری اور توہین ہوتی ہو ۔ اگر مجبوراً اختلاف رائے کرنا پڑے تو اس کے لئے نرم الفاظ استعمال کئے جائیں ۔

(۵) تاریخ کی عبارت آسان سلیس اور با محاورہ ہو ۔ اس کے اندر استعارات و کنایات موجود نہ ہوں ۔ مقفیٰ عبارت بھی ہرگز نہ ہو ۔ جیسی کتاب مرقع الدرمیں ہے اور اردو عبارت کے اندر عربی اور فارسی وغیرہ کے ثقیل الفاظ کی بھرمار نہ ہو ۔ غرض ہر لحاظ سے عبارت عام فہم ہو ۔ تاکہ معمولی لیاقت والا آدمی بھی سمجھ سکے ۔ ہاں یہ ضرور ہے تمام تاریخی واقعات نہایت صحیح اور معتبر ہوں ۔

(۵) اسمائے تواریخ جن سے مضامین لئے گئے ہیں

۱ ۔ اردو زبان کی تاریخیں

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مطبع و سن وغیرہ
۱	دربار اکبری	شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی ۔	مفید عام لاہور ۔ سنہ ۱۹۲۷ء
۲	اردو ترجمہ منتخب التواریخ فارسی ملا عبد القادر بدایونی	مترجمہ کار پردازان نولکشور پریس لکھنؤ ۔	نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۸۸۵ء
۳	اردو ترجمہ مآثر عالمگیری فارسی محمد ساقی مستعد خاں	مترجمہ محمد فدا علی طالب	دار المطابع عثمانیہ ۔ حیدر آباد دکن سنہ ۱۹۳۲ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مطبع و سن وغیرہ
(۴)	اردو ترجمہ تاریخ ہندوستان انگریزی مسٹر الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی۔	مترجمہ کارپردازان علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس	علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس
(۵)	آئینہ حقیقت نما۔	مولانا اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی	مدینہ پریس بجنور ۱۹۳۳ء
(۶)	مقدمہ تاریخ ہند قدیم جلد اول	مولانا اکبر شاہ " "	" " ۱۹۳۳ء
(۷)	کارنامہ راجپوتان ہند	مولوی نجم الغنی صاحب رامپوری	پنجابی گزٹ پریس بریلی ۱۹۳۴ء
(۸)	تاریخ راجگان ہند موسوم بہ وقائع راجستھان	مولوی نجم الغنی صاحب رامپوری	ہمدم برقی پریس لکھنؤ۔ جون ۱۹۲۷ء
(۹)	اردو ترجمہ ٹاڈ راجستھان انگریزی	کرنل جیمز ٹاڈ صاحب پولیٹکل ایجنٹ ریاست ہائے راجپوتانہ مترجمہ... دوارکا پرشاد افق لکھنوی۔ ایڈیشن پنجم۔	سٹیم پریس لاہور ۱۹۲۵ء
(۱۰)	اردو ترجمہ تاریخ فرشتہ فارسی مرزا محمد قاسم فرشتہ	مترجمہ کارپردازان نولکشور پریس لکھنؤ۔	مطبع نولکشور لکھنؤ۔ ۱۸۸۵ء
(۱۱)	ارژنگ تجارہ	شیخ محمد مخدوم صاحب تحصیلدار تجارہ متوطن تھانہ بھون	مفید عام پریس آگرہ ۱۸۸۵ء
(۱۲)	مرقع الور	شیخ محمد مخدوم صاحب سابق تحصیلدار تجارہ متوطن تھانہ بھون۔	مفید عام پریس آگرہ ۱۸۸۹ء
(۱۳)	سر تاج التواریخ	عاشق علیخاں ناطق گلاٹوری	آرٹ پریس لاہور ۱۹۲۶ء
(۱۴)	ضمیمہ الامان الور نمبر	مولوی مظہر الدین مہتمم الامان دہلی۔	الامان پریس دہلی ۱۹۳۳ء
(۱۵)	حکایت میوات	مولوی محبوب بخش صاحب دہلوی	قلمی مسودہ در کتب خانہ جامع مسجد دہلی۔
(۱۶)	تاریخ ہندوستان دس جلدیں	شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب	انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مطبع و پریس وغیرہ
		دہلوی	سنہ ۱۹۱۴ء
۱۷)	تواریخ راجستھان	ٹھاکر اچھر چند صاحب	سٹیم پریس لاہور
۱۸)	تاریخ ضلع گوڑگانوہ	سید الطاف حسین صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بندوبست سنہ ۱۸۷۸ء	جینٹ مشن پریس دہلی
۱۹)	وقائع راجپوتانہ	پنڈت جوالا سہائے صاحب عدالتی راج بھرت پور	مفید عام پریس آگرہ سنہ ۱۸۷۸ء
۲۰)	تاریخ ہند حصہ اوّل	پروفیسر حسن مومن ایم اے و عبد الحمید ایم اے گورنمنٹ کالج لاہور	مفید عام پریس لاہور سنہ ۱۹۲۴ء
۲۱)	تاریخ ہند حصہ اوّل	پروفیسر ستیارنم کوہلی و ڈاکٹر ایشوری پرشاد ایم اے ایل ایل بی وکیل الہ آباد	انڈین پریس الہ آباد سنہ ۱۹۲۹ء
۲۲)	تاریخ ہند حصہ اوّل	مسٹر سمتھ صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور	مفید عام پریس لاہور سنہ ۱۹۲۴ء
۲۳)	مخزن التواریخ	منشی قمر الدین خان صاحب اکبرآبادی	مفید عام پریس آگرہ
۲۴)	تاریخ راجپوتان پنجاب حصہ اوّل	ٹھاکر کاہن سنگھ صاحب	مفید عام پریس لاہور
۲۵)	ساخت مسلم راجپوت امرتسر سنہ ۱۹۳۵ء	محمد افضل خان ایڈیٹر	امرتسر پریس سنہ ۱۹۳۵ء
۲۶)	تاریخ راجستھان	بھائی پرمانند صاحب ایم اے	مرکنٹائل پریس لاہور جون سنہ ۱۹۲۶ء
۲۷)	شذرات الاحمدیہ	سر سید احمد خان صاحب بانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ	مصطفائی پریس لاہور سنہ ۱۹۰۲ء
۲۸)	رحمت للعالمین جلد دوم	قاضی محمد سلیمان صاحب پٹیالوی	گلزار ہند سٹیم پریس لاہور سنہ ۱۹۲۱ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مطبع و سن وغیرہ
(۲۹)	تاریخ خانان میوات	منشی محمد داؤد خاں صاحب [illegible] آبادی	قلمی مسودہ تحریر کردہ [illegible]
	تاریخ میوات رسالہ [illegible] سیدان	مولوی عبدالشکور صاحب [illegible] ایڈیٹر آفتاب میوات	[illegible]

۴ — فارسی تاریخیں

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مطبع و سن وغیرہ
(۱)	تاریخ فیروز شاہی	شیخ ضیاء الدین صاحب برنی	ایشیاٹک سوسائٹی [illegible] کلکتہ سنہ [illegible]
(۲)	تاریخ فیروز شاہی	سراج عفیف صاحب	ایشیاٹک سوسائٹی پریس کلکتہ سنہ [illegible]
(۳)	منتخب التواریخ	ملا عبدالقادر صاحب بدایونی	تاریخ پریس کلکتہ سنہ [illegible]
(۴)	تاریخ فرشتہ	مرزا محمد قاسم فرشتہ	نولکشور پریس لکھنؤ سنہ [illegible]
(۵)	فتوحات فیروز شاہی	فیروز شاہ بادشاہ	ایشیاٹک سوسائٹی [illegible] سنہ [illegible]
(۶)	مآثر الامرا	میر عبدالرزاق [illegible] صمصام الدولہ شاہ نواز خاں خوافی اورنگ آبادی	[illegible] پریس کلکتہ سنہ [illegible]
(۷)	تزک بابری ترکی ترجمہ بفارسی	خان خاناں مرزا عبدالرحیم صاحب	[illegible] سنہ [illegible]
(۸)	اکبر نامہ	علامہ ابوالفضل صاحب	ایشیاٹک سوسائٹی پریس [illegible] سنہ [illegible]
(۹)	سیر المتاخرین	میر غلام حسین صاحب	[illegible] پریس سنہ [illegible]

انگریزی تاریخیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	نام مطبع و سن وغیرہ
(۱)	گزیٹیر الور	مسٹر سی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب مہتمم بندوبست الور	بمبئی پریس۔
(۲)	" گزیٹیر بلند شہر	مسٹر ایچ۔ آر۔ ڈیول صاحب۔ آئی۔ سی۔ ایس مہتمم بندوبست	" ڈسٹرکٹ گزٹ۔ بلند شہر۔

دوسرا باب چھتری راجپوتوں کے ابتدائی حالات

آریوں کا ہندوستان میں آکر آباد ہونا

مسٹر جیمز ٹاڈ صاحب اپنی تاریخ ٹاڈ جستھان جلد اول صفحہ ۱۸۲ میں لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے سری نارائن جی عرف وشن جی سے برہما جی پیدا ہوئے۔ برہما کے دو بیٹے مریچ اور اترے ہوئے۔ مریچ کے کیشب اور کیشب کے سورج پیدا ہوا جس سے سورج بنسی خاندان جاری ہوا۔ اور دوسرے بیٹے اترے کے سمدر سمدر کے چاند پیدا ہوا جس سے چندر بنسی خاندان جاری ہوا۔ چاند کے بدھ پیدا ہوا۔ اس بدھ کی شادی ایلا عرف پرتی ہمشیرہ اکشواکو سے ہوئی تھی جس سے پرورو پیدا ہوا۔ پرورو کے آیو۔ آیو کے نہسو۔ نہسو کے ججاتی یا یاتی پیدا ہوا۔ ججاتی کے چھ بیٹے پیدا ہوئے۔ جن میں سے جادو یا یادو۔ پورو۔ اورو زیادہ مشہور ہوئے ہیں۔

جادو کا شجرہ نسب

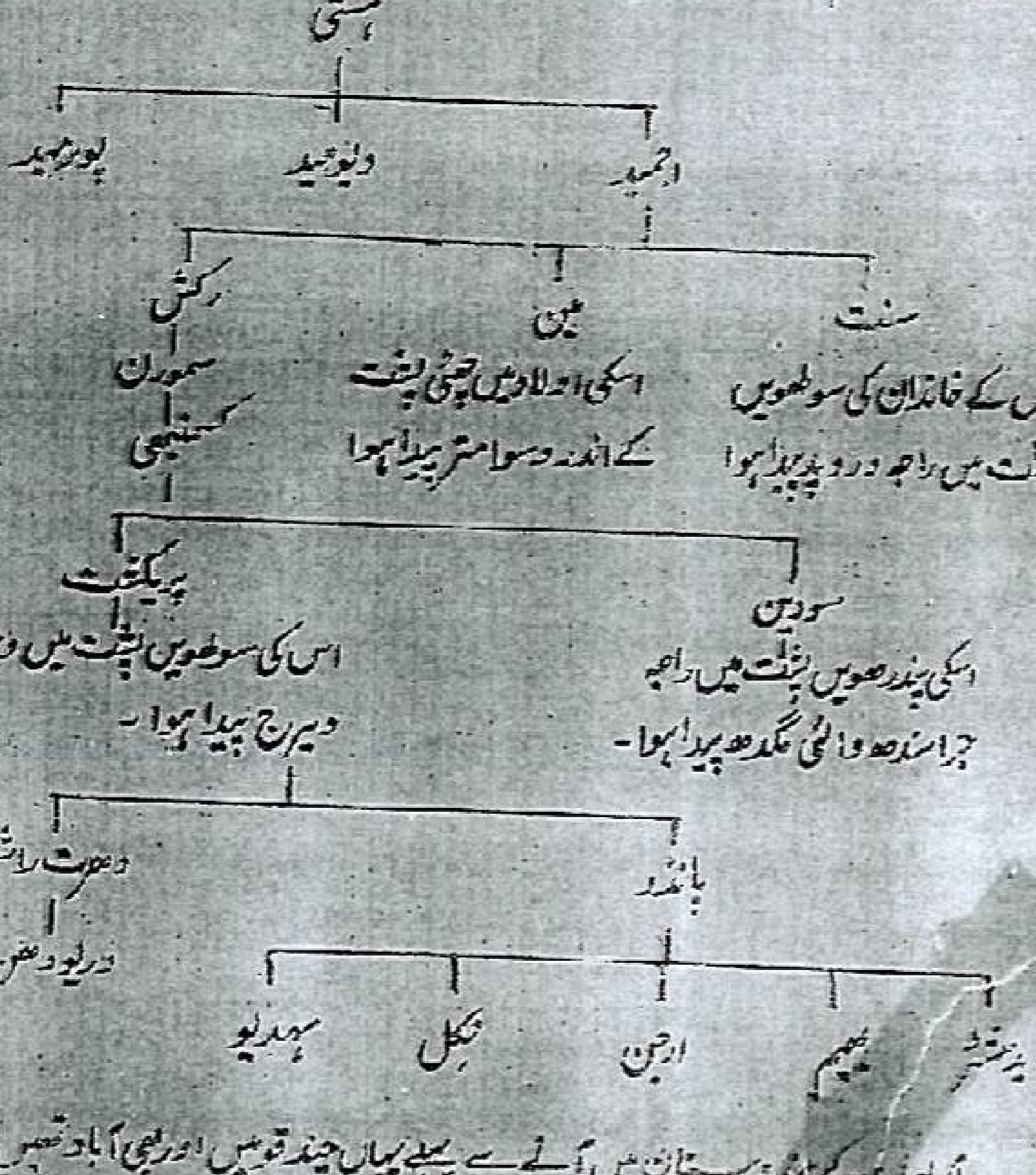
جادو کے دو بیٹے کرسنہ اور ست جیت ہوئے۔ کرسنہ۔ درجنو۔ سوا بھ۔ ارجنگ
چترتھ۔ رسبند۔ سروپت۔ سجاکوکیہ۔ اوس رنتیگی۔ موررت۔ کول۔ درسو۔ رکھوریکس
پرتھوکم۔ انجوسمان۔ جموگ۔ ہویپالی۔ دورب۔ کیک۔ لوماپاد۔ ورتی۔ جمنتہ۔ رشیہ
بھیم رتھ۔ دھورتھ۔ رسکنہ۔ کردنک۔ گر۔ دیورتھ۔ ولیوچیتر۔ مادھو۔ دروسو۔ پرہت
گئی۔ پرُرپ جنتو۔ ستوتی۔

- تک عرف اندک
  - ککر
    - ست دان
    - بلوم
    - کپوت روم
    - انلو
    - اندک
    - دھندبھی
    - ویرورت
    - بروسو
    - اکوک
      - اگرسین
        - کنس
        - ×
      - دیوک
        - ×
        - ×
  - بجن
    - دورتھ
    - سور (ا)
    - سینی (ب)
    - بھورج
    - راوس
    - دلومید
    - شور
    - واسدیو
    - کرشن یا کنہیا
    - اوتار
    - ×
- دلوبرت
- بنفیسی

(نوٹ) ا ب دونوں کے نام پر فرقہ سورسینی نامزد ہوا ہے۔

شجرہ نسب پورو وبہرجاتی۔

پورو۔ جنمیجے۔ پراچین ونت۔ پروپر۔ منا سوا۔ چارو ید۔ سوودنت۔ باہو گو۔ بیناوت۔ بہونگیان۔ رودروا۔ رگھوتی۔ رتھنو۔ تن سُو۔ سوت رہیا۔ دشمنت۔ بھرت۔ بھردواج۔ مانیو۔ دھشتیر۔ بھوتر۔ ہستی۔ (الوٹ) اس بھرت نے شکنتلا سے بیاہ کیا۔ اسی راجہ کے نام سے آریاورت کا نام بھرت کھنڈ بھی مشہور ہے۔



آریوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے یہاں چند قومیں اور بھی آباد تھیں۔ جنہیں یہاں کے اصلی یا قدیم باشندے کہا جاتا ہے۔ ان کے نام کول۔ دراوڑ۔ گونڈ۔ بھیل۔ مینے۔ ٹھاکری وغیرہ ہیں۔ ان لوگوں کے ہندوستان میں آنے کا حال معلوم نہیں کہ

روہ کب آئے تھے اور کہاں سے آئے تھے۔ یہ لوگ بالکل وحشی اور جنگلی تھے۔ خود آریہ لوگ بھی ہندوستان میں آنے سے پہلے وسط ایشیا کے بنوں اور پہاڑوں میں خانہ بدوش رہتے تھے۔ ان کے یہاں آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ لوگ اپنی خوراک اور مویشیوں کے لئے گھاس اور پانی کے چشموں کی تلاش میں خانہ بدوش ہر طرف گھومتے رہتے تھے۔ جب کہیں چشمہ مل جاتا تھا تو وہیں قیام کر دیتے تھے۔ اور جب وہاں کی گھاس اور پانی ختم ہو جاتا تھا تو وہاں سے اٹھکر کسی دوسری ایسی ہی جگہ جا بستے تھے۔ چونکہ وہاں سخت سردی اور برف پڑتی ہے زمین بھی سخت اور پہاڑی ہے بارش بھی نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ اس تکلیف کی وجہ سے پانی اور چارہ کی تلاش میں پھرتے پھرتے منگولین لوگ تو دریائے برہم پتر کی وادیوں میں سے گذر کر ہندوستان کے شمال مشرقی حصے میں آباد ہو گئے اور باقی لوگ ہندوکش پہاڑ کے دروں سے گذر کر ہندوستان کے شمال مغربی حصوں اور پنجاب میں آباد ہو گئے۔ اس نقل مکان سے جو لوگ مغرب کی طرف گئے وہ یورپ میں جا بسے۔ اور جرمن فرانس۔ انگریز اور یونانی وغیرہ بن گئے۔ اور جو جنوب کی طرف آئے وہ آریہ کہلائے۔

ٹھیک ٹھیک تو نہیں کہا جا سکتا۔ کہ یہ لوگ ہندوستان میں کب آئے۔ لیکن محققوں کا خیال ہے کہ دو ہزار برس قبل از مسیح یہاں آکر دریائے سندھ کے کنارے بس گئے۔ اسی وجہ سے ان کا نام سندھو یا ہندو پڑ گیا۔ چونکہ ہندوستان میں بارش خوب ہوتی ہے۔ زمین نرم اور ہموار ہے موسم معتدل ہے۔ دریا۔ ندی۔ نالے بہت ہیں۔ پانی اور چارے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اس وجہ سے آریوں نے اس جگہ کو غنیمت سمجھا۔ اور یہاں پر اپنی بود و باش اختیار کر لی۔ لیکن ایک میان میں دو کھانڈے نہیں سما سکتے۔ آخر ان کی لڑائیاں اصلی باشندوں سے ٹھن گئیں۔ چونکہ آریہ لوگ لمبے قد کے گورے۔ شکیل اور سرد ملک میں رہنے کی وجہ سے ہر طرح سے مضبوط اور جفاکش تھے۔ اس وجہ سے وہ اصلی باشندوں پر جو سیاہ رنگ پستہ قد اور گرم ملک میں رہنے کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے فتح پانے لگے۔ [illegible] نے اصلی باشندوں کو مار مار کر جنگلوں اور پہاڑوں میں بھگا دیا۔ اور باقیوں کو اپنا غلام بنا لیا۔ اور ان کے بیہودہ برے برے نام یعنی داس۔ راکشس۔ شودر۔ اسر۔ دیت وغیرہ رکھ دئے۔

رفتہ رفتہ آریہ لوگ تمام شمالی ہندوستان میں پھیل گئے۔ اور ان کی تعداد بہت بڑھ گئیں۔ اسی وجہ سے اس زمانہ کو زمانہ فتوحات کہا جاتا ہے۔ اسی زمانہ کو ویدک زمانہ

کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وید اسی زمانہ میں تصنیف ہوئے تھے۔ ویدک زبان سے سنسکرت۔ لاطینی۔ یونانی۔ جرمن اور فارسی وغیرہ زبانیں نکلی ہیں۔

اس زمانہ میں آریوں کے اندر ذات پات کا کچھ لحاظ نہ تھا۔ ایک ذات سے دوسری میں شامل ہونا یا بیاہ شادی کرنا کچھ عیب میں داخل نہ تھا۔ مگر برالوں کے زمانہ میں ذات پات اپنی موجودہ حالت میں اختیار کی گئی ہے۔ چنانچہ اب ایک ذات سے دوسری میں جانا ناممکن ہو گیا ہے۔ کتاب رامائن اور مہابھارت ڈیڑھ ہزار برس قبل از مسیح اور منوسمرتی ایک ہزار برس قبل از مسیح تصنیف ہوئی ہے۔ گویا آریوں کے ہندوستان میں آنے سے ایک ہزار برس بعد منوسمرتی لکھی گئی ہے اور آریہ لوگ اس ایک ہزار سال کی مدت تک ایسی حالت میں رہے جس میں ذات پات کا مطلق خیال نہ تھا۔ منوسمرتی نے بلحاظ پیشہ ان کی چار ذاتیں برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ اور شودر قائم کیں۔ ذاتوں کے قائم ہونے سے پہلے ان کے یہ قبیلے موجود تھے۔

پورو۔ بھارت۔ سگدھ۔ کورو۔ کوسل۔ پانچال وغیرہ۔

برہمن اور چھتری جو بڑی ذاتیں کہلاتی تھیں۔ ان میں حسد کی آگ بھڑکی۔ لڑائیوں کے وقت تو برہمنوں نے کان بھی نہ ہلائے۔ لیکن جب امن دیکھا۔ تو انہوں نے فساد قائم کر دیا۔ اور چھتریوں کے اختیارات میں بیجا مداخلت کرنے لگے۔ جب چھتریوں نے برہمنوں کے بیجا حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور اپنی حکومت کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہا۔ تو اس سے برہمنوں اور چھتریوں میں جنگ ہونے لگی۔ منو کے قوانین نے کل دنیا کو برہمنوں کا ماتحت بنا دیا تھا۔ ان کی حکم عدولی خدا کی حکم عدولی مانی گئی تھی۔ جو چھتری راجہ اُن کے حکم ماننے میں ذرا بھی تامل کرتا۔ تو برہمن لوگ اس کو سراپ یعنی بد دعا دینے کی دھمکی دیتے تھے۔ کیونکہ ان کے پاس سزا کا یہی ہتھیار تھا لیکن اس ہتھیار سے کچھ بھی کام نہ چلا۔ اور تنگ آمد بجنگ آمد کے مطابق باہم لڑائی ہونے لگی ان لڑائیوں میں پرس رام برہمن کا باپ جمدگن راجہ سہسر ارجن کے ہاتھ سے مارا گیا تھا جسکا بدلا لینے کے لئے پرس رام نے اکیس بار چھتریوں پر حملہ کیا۔ جن میں سخت قتل عام ہوا۔ کہتے ہیں پرس رام نے تمام چھتریوں کو قتل کر دیا تھا بھلا اس سے زیادہ جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے۔ تعجب ہے برہمنوں کا تو ایک قطرہ خون بھی نہ گرا۔ اور تمام چھتری مارے گئے۔

چونکہ اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے کا کل کام برہمنوں کے ہاتھوں میں تھا۔ انہوں نے اپنی عزت بڑھانے کے لئے جیسا چاہا لکھ دیا۔

یہ حالت دیکھکر چھتریوں نے بھی علم پڑھنے کی طرف توجہ کی جس سے عالم فاضل برہمنوں میں ہل چل مچ گئی۔ برہمن لوگ دوسروں کو علم پڑھنے سے روکنے لگے۔ اسی وجہ سے انہوں نے مذہب کو ایسی پیچ در پیچ رسموں میں جکڑ دیا۔ جس سے اصلی دھرم کا پتہ لگنا محال تھا۔ نیز یگ و کرم وغیرہ میں برہمنوں کے حکم سے جانوروں کی قربانیاں اس کثرت سے ہونے لگیں۔ کہ تمام لوگ نفرت کرنے لگے۔ جب کہ یہ لوگ ایسی حالت میں تھے تو اسی زمانہ میں کپل وستو کی راج دھانی میں راجہ سدھودھن کے گھر میں ساکھی منی یا گوتم پیدا ہوا۔ جس نے برہمنوں کے مقابلہ میں اپنا ایک نیا مذہب بدھ قائم کیا۔ چونکہ یہ رحم دلی کا مذہب ہے۔ اور برہمنوں کے مذہب میں ویدوں کے فرمان کے مطابق یگ اور قربانی جائز ہے۔ اس وجہ سے برہمنی مذہب اور بدھ مذہب میں تصادم پیدا ہو گیا کیونکہ بدھ نے ویدوں کی تعلیم سے بھی انکار کر دیا تھا۔ برہمنوں کی حفاظت کرنے والے ہمیشہ سے چھتری لوگ تھے۔ لیکن ان سے ان دیوتاؤں نے پہلے ہی بگاڑ پیدا کر لیا تھا۔ اس لئے بدھ مذہب کے مقابلہ میں برہمنی مذہب کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ جس سے برہمنوں کو یگ وغیرہ کرنے میں بڑی تکلیف ہونے لگی۔

اگنی کل راجپوت

برہمنوں کو اپنا مددگار بنانے کے لئے کسی بناوٹ کی ضرورت پڑی۔ پس چالاکی سے اگنی کل راجپوتوں کی پیدائش کے لئے ایک کہانی گھڑی گئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو رشی لوگ آبو پہاڑ پر رہتے تھے۔ انہوں نے خدا سے دعا مانگی۔ تاکہ کچھ آدمی ایسے پیدا ہوں جو ملک کو راکھشسوں اور بیدینوں سے پاک کر دیں۔ ان بے دینوں سے مراد یہی بدھ مذہب والے ہیں۔ غرض رشیوں کی دعا قبول ہوئی۔ ان کی ہدایت کے مطابق ایک بڑا اگنی کنڈ تیار کروایا گیا۔ جس کو گنگا جل سے صاف کرایا۔ اور اس میں آگ جلائی گئی۔ جس سے اس کنڈ میں سے چار بڑے شجاع اور بہادر آدمی نکلے۔ جن کے نام یہ ہیں پرمار۔ پرہار۔ چوہان۔ سولنکی۔ ان [illegible] اگنی کل راجپوت کہلاتی ہے۔

اس کہانی کو سب سے پہلے چاند کوی نے اپنی کتاب پرتھی راج راسا میں [illegible] کے بعد دوسروں نے اسے نقل کیا۔ غرض ان چار خاندانوں نے بدھ مذہب

پھر از سر نو برہمنی مذہب کو رواج دیا۔

راجپوتوں کی شاخیں یا خاندان

زمانہ قدیم میں ہندوستان کے اندر آریاؤں کی دو ہی قومیں تھیں ایک سورج بنسی دوسری چندر بنسی۔ پھر ان میں چار اگنی کل شاخیں شامل ہو کر چھ شاخیں ہو گئیں۔ باقی جتنی اور شاخیں ہیں وہ سب سورج بنسی اور چندر بنسی کی شاخیں ہیں۔ جو کہ عزت و ناموس میں انہیں کے برابر شمار ہونے لگیں الغرض سو قت چھتیس ۳۶ شاہی شاخیں یا خاندان جنہوں نے ہندوستان پر اپنے اپنے وقتوں میں حکومت کی ہے پیدا ہو گئے۔ ان میں سے دس خاندان سورج کی اولاد ہیں۔ جو سورج بنسی کہلاتے ہیں۔ اور دس ہی خاندان چندر بنسی ہیں جو چاند کی اولاد ہیں اور چار اگنی کل کے ہیں جو اگنی زوجہ کیشب کی اولاد سے نکلے ہیں۔ اور بارہ خاندان رشی بنسی کہلاتے ہیں جو رشیوں کی اولاد ہیں۔ اور وہ رشیوں سے ہی اپنا شجرہ نسب ملاتے ہیں۔ ان سب کی نسبت ایک کبشیر کا یہ دوہرا ظاہر کرتا ہے۔

دس رپی سے دس چندر سے دوادش رشی پرمان۔ چار اگنی ہوتر سے یہ چھتیس (۳۶) بکھان

ان سب کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سورج بنسی کی شاخیں :۔ ردری۔ نگ۔ رد سجیت۔ اگوہن۔ نکمبھ۔ مکواہن گہیت پنگ۔ راٹھوڑ۔ رگھو۔

(۲) چندر بنسی کی شاخیں :۔ چندر۔ اند۔ پال۔ سین۔ جادو یا یادو۔ اسور۔ مید۔ سیاتھ۔ ہری۔ تنور۔

(۳) رشی بنس کی شاخیں :۔ سکا۔ بن۔ ہل۔ جالوت کدٹ۔ کوٹپال۔ کوٹا پال۔ راجپال۔ گرور۔ سدابر۔ پونک۔ دھان پالک۔ گوڑ۔

[اگنی] کل کی شاخیں :۔ پرمار۔ پرہار۔ چوہان۔ سولنکی۔

[سب] کی میزان چھتیس ۳۶ ہوتی ہے۔

چندربنسی خاندان

ہندوستان کے قدیم کھتری راجپوتوں میں چندربنسی خاندان بڑا مشہور ہوا ہے۔ جس خاندان میں برہما جی کا بیٹا اترے۔ اترے کا سمدر۔ اور سمدر کا بیٹا چاند راجا پیدا ہوا۔ جس سے چندربنسی خاندان جاری ہوا۔ چاند کا بیٹا بدھ پیدا ہوا۔ یہ وہ بدھ نہیں ہے جو ساکھی منی یا گوتم کہلاتا ہے۔ یہ بدھ اوتار کے علاوہ ریاضت کرنے کے لئے ہندوستان میں آیا تھا یہ نہایت دانا اوتار گزرا ہے۔ جس نے ہندوستان میں آ کر راجہ اکشوا کو سورج بنسی کی بہن ایلا عرف پرتھی سے شادی کی۔ جس سے پروہنا پیدا ہوا۔ پروہنا کے آیو۔ آیو کے نہسو۔ اور نہسو کے ججاتی یا ینیاتی پیدا ہوا۔ ججاتی کے تین بیٹے جادو یا یادو۔ پورو۔ اور ترپید ہوئے ان میں سے جادو اپنے خاندان جادو کا مورث اعلے ہوا ہے۔ اس یادو کی اولاد میں کرشن جی اور بلرام پیدا ہوئے۔ جن کا ذکر آگے آئیگا۔ اور پورو کی اولاد میں راجہ ہستی پیدا ہوا۔ جس نے شہر ہستناپور بسایا۔ اس کی اولاد میں اجمید دیومید اور پورمید پیدا ہوئے۔ اجمید کی اولاد میں کورو اور پانڈو پیدا ہوئے۔ راجہ بدھ سے لیکر پانڈوں تک چھپن ۵۶ پشتیں گذری ہیں۔ کوروں نے شہر ہستناپور کو اپنی راجدھانی بنایا اور یدہشٹر نے دریائے جمنا کے کنارے شہر اندرپرست بسا کر اپنی راجدھانی بنایا۔ جس کو اب دہلی کہتے ہیں۔ یدہشٹر کا زمانہ کلجگ کے شروع میں ہوا ہے۔ ویاس جی مہابھارت کے مصنف بھی ہری بنس راجاؤں میں راجہ شانتنو کے بیٹے اور بھیشم کے بھائی تھے جو جوجن گندھاری نامی ماہی گیر کی لڑکی سے پیدا ہوئے تھے۔ راجہ شانتنو کے دھیتر دیرج اور اس کے پانڈو اور دھرت راشٹر پیدا ہوئے۔ پانڈو شہر دہلی کی سلطنت پر بڑا زبردست راجہ ہوا ہے۔ بارہ سو سال تک اس کے خاندان میں بھی حکومت رہی۔ اس خاندان کی حکومت اننگ پال ثانی پر ختم ہو گئی۔ جو اپنے نواسے پرتھی راج کو سلطنت دیکر خود گوشہ نشین ہو گیا تھا اور چند پرتھی راج کی شکست اور موت کے چندر راجپوتوں کے ہاتھ سے حکومت جاتی رہی۔ اور ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

یادو یا جادو خاندان!

جادو یا یادو جس کو جودھا یا یودھا بھی کہتے ہیں اس کے خاندان والے اپنے وقت میں تمام ہندوستان میں دریائے ستلج سے لیکر سمندر تک پھیلے ہوئے تھے۔ کورو پچھتر اندر دوارکا میں اس خاندان والوں کی دوسرے خاندان والوں سے بہت لڑائیاں ہو چکی ہیں۔ چنانچہ یہی لڑائیاں آخر میں ان کی تباہی اور کمزوری کا باعث بن گئیں۔ اس جادو قوم نے پریاگ کو چھوڑ کر متھرا کو راجدھانی بنایا۔ بہت مدت بعد اس کی اولاد میں راجہ شور سین نے شورپور بسایا۔ اور اپنی راجدھانی بنایا۔ اس راجہ کے خاندان میں سے ایک راجہ ست وان نے متھرا پر حکومت کی۔ ست وان کی گیارہویں پشت میں راجہ کنس والئی متھرا پیدا ہوا۔ جو کرشن جی کا ماموں تھا جس کو کرشن جی نے قتل کر کے متھرا کی حکومت اس کے باپ اگر سین کو دیدی تھی۔ مگدھ کا راجہ جراسندھ اس زمانہ میں بڑا زبردست تھا۔ اس نے اپنی حکومت متھرا تک قائم کر لی تھی۔ اس کی ایک لڑکی سے کنس نے شادی کر کے اس کو مہاراج ادھیراج تسلیم کر لیا تھا۔ اور بخوف ہو کر ظلم کرنے لگا۔ چونکہ کرشن جی نے کنس کو قتل کر دیا تھا۔ اس وجہ سے جراسندھ نے غصے میں آکر متھرا پر متواتر حملے کر دئے۔ ان حملوں سے تنگ آکر جادو بنسیوں کو متھرا چھوڑنا پڑا اور بحیرہ عرب کے کنارے دوارکا پوری کو از سر نو لیا کر اپنی راجدھانی بنانی پڑی۔ برج واسن پسر کرشن جی سے لیکر جگماں تک اگرچہ راجدھانی متھرا ہی رہی۔ لیکن لاہور رہتاس اور غزنی وغیرہ میں بھی ان کی حکومت رہی ہے۔ جادو کی بیالیس ۴۲ پشت بعد تک اس کی اولاد جادو بنسی ہی کہلاتی رہی۔ لیکن جب اس کی اولاد میں سے راجہ دوارتھ کا بیٹا شور اور اس کا بیٹا سینی پیدا ہوا۔ تو انہیں باپ بیٹوں کے نام پر قوم کا نام بھی جادو بنسی سے بدل کر شور سینی مشہور ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو راجہ زیادہ زبردست اور دھرماتما ہوا ہے اسی کے نام پر قوموں کے نام بھی مشہور ہوتے رہے ہیں۔ لیکن راجہ سینی کے بعد صرف پانچ پشت تک ہی یہ نام مشہور رہا۔ اس کے بعد سری کرشن جی کے زمانہ میں وہی سابقہ یادو یا جادو نام مشہور ہو گیا۔ چنانچہ کرشن جی کے سے ہر ایک مورخ نے یادو بنسی ہی لکھا ہے۔

ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ کرشن جی نے ابھی ہوش نہیں سنبھالا تھا کہ انکے ماموں

کنس نے زبردستی برج کا علاقہ ان سے چھین لیا۔

اس جادو بنسی فرقہ نے مفصلہ ذیل شہروں اور قصبوں کو خود بنا کر اور قابض ہو کر حکومت کی ہے۔ ان میں سے بعض تو آجکل پہلے سے بھی زیادہ بارونق ہیں مگر بعض مقامات اور عمارات کے صرف کھنڈر ہی دنیا کے سامنے اپنی پرانی عظمت کی بے بسی اور بے بسی کی تصویر پیش کر کے زمانہ کو بتلا رہے ہیں کہ وہ جادو بنسیوں کے کارناموں کی شکستہ یادگاریں ہیں اور انقلاب زمانہ کے ہاتھوں گو وہ تباہ اور مسمار ہو چکی ہیں مگر ان کی ہستی ابھی تک دیکھنے والوں کے دلوں پر حسرت و شوق پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۱) گھور پورہ = یہ شہر متھرا سے پچاس میل کے فاصلے پر دریائے جمنا کے جنوب میں واقع ہے۔ مگر اب بالکل کھنڈر پڑا ہے۔

(۲) کلیسو پورہ = افسوس اب اس کے کھنڈر بھی نہیں رہے حالانکہ سکندر کے زمانہ کے مورخوں نے اس راجدھانی کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۳) متھرا یا مادھوبن = یہ شہر بہت پرانا ہے۔ پہلے اس کو شورسینی بھی کہتے تھے۔ یہ شہر راجہ پرورا کی خاص راجدھانی رہا ہے۔

(۴) پریاگ یا الہ آباد = یہ بڑا شہر ہے جو گنگا جمنا اور سرسوتی کے سنگم پر بستا ہے۔ اسی وجہ سے ہندوؤں کا تیرتھ ہے۔ سب سے پہلے یہی شہر بسایا گیا تھا۔ اس کے بعد متھرا اور پھر دوارکا پوری بسایا گیا۔ یہ تینوں مقامات بہت مشہور ہیں۔ جو یادو بنسیوں کے بسائے ہوئے ہیں۔ تاریخ راجپوتان پنجاب حصہ اول مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ میں لکھا ہے کہ مہاراج بدھ بڑا پرتاپی راجہ گذرا ہے جس کی شادی ایلا سے ہوئی تھی۔ جس جگہ اس کو ایلا ملی تھی وہاں پر راجہ نے ایک شہر اپنی پیاری استری کے نام پر بسا کر اس کا نام ایلا باس رکھا جس کو مسلمانوں کے زمانہ میں الہ آباد کہنے لگے۔

(۵) دوارکا پوری = سری کرشن جی نے جراسندھ کے اٹھارہویں حملے کے وقت متھرا کو چھوڑ کر اس شہر کو بسایا تھا۔

(۶) غزنی = یہ شہر بھی جادو حکمرانوں کا بسایا ہوا ہے۔ راجہ گج نے اپنے نام پر گجنی یا غزنی نام رکھا۔ اس میں ایک مضبوط قلعہ بھی بنایا۔ راجہ گج سمت ۳۰۰۸ بکرمی میں موسم بہار بروز اتوار بدھ بیتی چھتر ماہ بیساکھ کی تیج کو تخت نشین ہوا تھا۔

سمرقند ۔ راجہ گج کی اولاد میں سے ایک شخص سمبر نامی نے اپنے نام پر سمیر کھنڈ یعنی سمرقند بسایا تھا ۔

سالباہن پور یا سیالکوٹ ۔ راجہ گج کے بیٹے سالباہن نے اپنے نام پر بسایا ۔

جیسلمیر ۔ راجہ گج کی تیرھویں پشت میں راؤ جیسل نے یہ شہر بسایا ۔ جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے ۔ ٹاڈ صاحب کہتے ہیں کہ اس جگہ جب یدھشٹر نے کرشن جی کے ساتھ راجسوگ کیا تھا ۔ تو کرشن جی نے فرمایا تھا کہ بہت عرصے بعد میری نسل کا ایک راجہ اس مقام کے ترکٹے پہاڑ پر قلعہ بنا کر شہر آباد کریگا ۔ ارجن نے پانی کی شکایت کی ۔ تو کرشن جی نے سودرشن چکر پہاڑ پر مار کر شگاف ڈالدیا ۔ جس سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا اور ایشل رکھی نے ایک سنگین کتبہ دکھلایا ۔ جس میں مندرجہ ذیل نظم کندہ تھی ۔ کہ اے جادو بنس کے راجہ اس مقام پر آباد ہو ۔ اور اس پہاڑ پر تین کونے کا قلعہ بنا ۔ اے جیسل دیو جادو راجہ تو لودروا سے نقل مکان کرکے اس جگہ قلعہ بنا ۔ چنانچہ سمت ۱۲۱۲ بکرمی مطابق ۱۱۵۶ء میں ساون کی دوادشی کو اتوار کے دن جیسلمیر شہر کی بنیاد ڈالی گئی ۔

پٹیالہ ۔ راؤ جیسل کا بیٹا ہیم ہیل جیسلمیر سے حصار کی طرف چلا گیا ۔ اس کی اولاد میں سے کھوٹ نامی ایک راجہ نے ایک جاٹ کی لڑکی سے شادی کرلی ۔ اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو بھی جاٹ ہی کہنے لگا ۔ اس کی چھ سات پشت بعد راجہ آلا سنگھ نے پٹیالہ کی بنیاد رکھی ۔ ہیم ہیل گج کی چودھویں پشت میں ہوا ہے ۔

حصار ۔ لاہور کے راجہ جگ پتی کے بیٹے ہنس پتی نے کارتک شدی تردوشی سمت ۱۲۱۳ بکرمی کو بروز برہسپت وار اپنے نام پر ہنسار شہر بسایا ۔ جو بعد میں حصار مشہور ہوگیا ۔

دہلی یا اندر پرست ۔ اسے یدھشٹر نے آباد کیا ۔ جب اس پر انقلاب آیا ۔ تو یہ آٹھ سو سال تک ویران پڑا رہا ۔ اننگ پال تنوار نے دوبارہ سمت ۸۷۶ بکرمی مطابق ۷۹۲ء میں آباد کیا ۔ اس کی بیس پشتوں نے حکومت کی ۔ آخری راجہ اننگ پال بانی سلطنت کے ہم نام نے بحالت لاولدی اپنے نواسے پرتھوی راج کو حکومت دیدی ۔

ان کے علاوہ یادو قوم مندرجہ ذیل قلعوں پر بھی قابض رہی ہے ۔ دیوگڑھ ۔ تنوٹ

جیسے پیوراٹ۔ سینی کوٹ۔ کروڑ۔ پرویٹ۔ گکھڑ [illegible] سیتو وغیرہ انہی سے بہت سے خود انہیں کے بنائے ہوئے ہیں۔ علاوہ ان کے مفصلہ ذیل ریاستوں پر بھی یادو قوم کا دخل رہا ہے۔

[illegible] پھوگل۔ [illegible]

قوم کی ایک شاخ زمانہ شجاعت یعنی دکن کی طرف جا نکلی تھی۔ اور دیوگری کو اپنی راجدھانی بنایا۔ ایک اور شاخ اسی زمانہ میں میسور تک جا پہنچی تھی شروع میں یہ لوگ دکن کے اندر چلوکیہ خاندان کے ماتحت رہے تھے۔ لیکن پھر خود مختار بن بیٹھے۔ یہ جادو خاندان مدت تک دکن میں حکمران رہا۔ مگر علاؤ الدین کے مشہور جرنیل ملک کافور نے [illegible] میں ان کے ملک میں چڑھائی کر کے شکست دی۔ اور راجہ رام چند نامی نے جو اس وقت وہاں [illegible] کی اطاعت اختیار کر لی۔

غرض یہ جادو فرقہ بڑا زبردست ہوا ہے جس کی شجاعت کا ذکر تمام ہندوستان میں پھیلا تھا۔ ان لوگوں میں چھپن کا لفظ بہت مشہور ہے۔ اسی واسطے یادو قوم چھپن کل کہلاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی لڑائیاں دوارکا اور کوروچھیتر کے میدانوں میں چھپن اقوام سے ہوئی تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس قوم کی آبادی بھی چھپن کروڑ تھی جو سراسر مبالغہ آمیز ہے۔

یہ جادو خاندان اگرچہ پہلے ہی سے بہت مشہور چلا آتا ہے لیکن کرشن جی کے زمانے سے اس کو اور بھی چار چاند لگ گئے۔ کرشن جی باپ کی طرف سے چندربنسی اور ماں کی طرف سے سورج بنسی تھے۔ گویا ایک ہی چہرے میں چاند اور سورج دونوں کی روشنیاں جمع ہو گئی تھیں جن میں سے ایک شان جمالی یا رحمانی تھی اور دوسری میں شان جلالی۔

علاوہ بریں بھی کرشن جی کی وجہ سے ہی مقدس مانا جاتا ہے کرشن جی راجہ چندر جی سے ہی بڑھ کر اوتار مانے جاتے ہیں کیونکہ راجہ چندر جی میں تو صرف [illegible] طاقتیں تھیں لیکن کرشن جی میں چودہ کلا تھیں۔ ان کو ان کی تمام ہندوستان کے ہندو پوجتے ہیں۔

کرشن جی سے [illegible] بعد سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ جس نے [illegible] جادو خاندان کا لکھا ہے وہ جادو خاندان کے اصلی شجرہ نسب سے بہت [illegible] ہے۔ اس شجرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دریائے گنگا اور جمنا کے ناکے پر قوم جادو ہی قابض تھی۔

کرشن جی کی وفات کے بعد وہ دشمنوں کے [illegible] میں شمار ہونے لگے۔ [illegible]

ئیسا تیسری مواق کی پرستش کرشن جی کے عہد میں داخل ہوئی۔ کرشن جی کا مندر ناتھ دوارا اودے پور میں ہے۔ ان کی پرستش پیدائش مسیح سے قبل گیارہویں صدی کے وسط میں بمقام متھرا جاری ہوئی۔ اور وہ اوتار مانے گئے۔ ان کے مندر گیا جی۔ دوارکا اور کل برج میں نہایت عالی شان بنے ہوئے ہیں۔ مذہبی اور خاندانی شجرہ نویسوں کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بکرماجیت کے زمانہ تک کرشن جی کے بعد بیتیس ۳۵ پشتیں گذری ہیں۔

متھرا کو نقطہ مرکز فرض کر کے اسّی میل کی دوری پر دائرہ کھینچنے سے جو سطح قائم ہوتی ہے۔ اس کو برج کہتے ہیں۔ اور یہاں کی زبان کو برج بھاشا کہتے ہیں۔ یہ زبان ہندوستان کی کل زبانوں سے مقدس اور پیاری سمجھی جاتی ہے۔

کرشن جی نے ہندو مذہب کو بہت رونق اور ترقی دی ہے۔ ان کے گیان گن کے چرچے ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ ہندو قوم میں خدا پرستی کی بنیاد انہوں نے ہی قائم کی تھی۔ جس کی بڑی شہادت کتاب بھگوت گیتا موجود ہے۔ جس میں کرشن جی نے تصوف کو بڑے حکیمانہ انداز بر بیان فرمایا ہے۔ کرشن جی کا باپ واسدیو ایک یتیم لڑکا تھا۔ کیونکہ اس کے باپ سورسین کو اگرسین نے قتل کر ڈالا تھا۔ اور متھرا کی حکومت چھین لی تھی۔ مگر اگرسین کے بھائی دیوک نے باسدیو کی پرورش کی تھی۔ اگرسین کا بیٹا کنس ہوا۔ جس کی بہن دیوکی تھی۔ جو واسدیو کو بیاہی گئی جس سے کرشن جی پیدا ہوئے۔ کنس چاہتا تھا کہ واسدیو کا خاتمہ کر دے۔ تاکہ بے کھٹکے راج کرے۔ کیونکہ یہی راج کا حقدار تھا۔ مگر اس کا چچا دیوک کنس کو ایسا نہیں کرنے دیتا تھا۔ اس دیوک کی مرضی سے ہی دیوکی کی شادی واسدیو سے ہوئی تھی۔ جب دیوکی شادی کے بعد رخصت ہوئی تو نجومیوں کے کہنے سے کنس نے اسے قتل کرانا چاہا۔ مگر واسدیو کی منت سماجت سے باز رہا۔ لیکن اسکے بعد دیوکی کے ہر ایک بچے کو مروانے لگا۔ دیوکی کے ساتویں حمل سے بلرام پیدا ہوا۔ واسدیو کی دوسری بیوی رہنی گوکل میں رہتی تھی۔ بلرام کو پیدا ہوتے ہی روہنی کے پاس بھیج دیا۔ اور یہ مشہور کر دیا کہ حمل گر گیا ہے۔ ایک دن دیوکی جمنا پر نہانے گئی۔ وہاں پر یسودھا کو اپنی بپتا یعنی مصیبت سنائی۔ اس نے اقرار کیا کہ میں بچہ کو بدل لونگی۔ آخر جب آٹھویں حمل سے کرشن جی پیدا ہوئے۔ تو رات کو ہی گوکل جا کر یسودھا اور اس کے خاوند نند سے کہہ سنکر لڑکی کو بدل لائے۔ کنس نے صبح ہوتے ہی لڑکی کو مروا ڈالا۔ جب کرشن جی بارہ برس کے ہوئے تو انہوں نے متھرا پر کنس کو قتل کر دیا۔ کیونکہ تمام اہل شہر نے جو کنس سے دکھ اٹھائے ہوئے تھے۔ کرشن جی

مروا تھی۔ جب کنس کی وفات کی خبر راجہ جراسندھ کو ملی۔ تو وہ بہت غصے ہوا۔ کیونکہ اس کی لڑکی کنس کو بیاہی تھی۔ اس وجہ سے جراسندھ نے کنس کا بدلہ لینے کو متھرا پر اٹھارہ بار حملے کئے آخری حملہ بڑے زور کا تھا۔ اس حملے کی تاب نہ لاکر اٹھارہ ہزار یادو بنسی دوارکا کو چلے گئے۔

ودربھ کے راجہ بھیشمک کی لڑکی رکمنی تھی۔ اس کی خوبصورتی کی شہرت سنکر کرشن جی اس لڑکی سے شادی کرنی چاہی۔ مگر ششو پال سپہ سالار جراسندھ بھی رکمنی سے شادی کرنی چاہتا تھا چونکہ جراسندھ زبردست راجہ تھا۔ اس کے ڈر سے رکمنی کے باپ نے ششو پال سے اقرار کر لیا یہ حال معلوم کر کے خفیہ طور پر رکمنی نے کرشن جی کو خبر بھیج دی کہ میں فلاں روز بہانہ سے مندر میں درشنوں کے لئے محل سے باہر آؤنگی۔ تم سواری لے کر تیار رہنا۔ اس لئے کرشن جی بھی اپنے ساتھی لیکر ہزاروں پہنچ گئے۔ اور رکمنی کو وہاں سے لے آئے راستہ میں سخت لڑائی بھی ہوئی تھی۔

مہابھارت کی لڑائی سے پہلے کرشن جی کو اور بھی چند لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ ایک لڑائی آسام کے راجہ نرک سے ہوئی جو خوبصورت عورتوں کو زبردستی اپنے محل میں بلا لیتا تھا۔ کرشن جی نے اسے مارا۔ اور سولہ ہزار عورتوں کو قید سے چھڑایا۔ پھر کرناٹک کے راجہ بان سے لڑائی ہوئی۔ کرشن جی کا پوتا انرودھ بان کی لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا۔ اس لڑکی کا نام اوشا تھا۔ انرودھ اس کے محل میں ہی چلا گیا تھا۔ اس نے بان نے اپنی لڑکی اوشا کو اور انرودھ کو قید کر دیا۔ کرشن جی نے پوتے کو چھڑانے کے لئے راجہ بان پر چڑھائی کی۔ اور شکست دیکر پوتے کو چھڑا لائے۔

ارجن کی دوسری شادی اپنی بہن سے کرشن جی نے ہی کرائی تھی۔ دوارکا کے پاس پہاڑی پر ایک میلا بھرتا تھا۔ اس میں ارجن نے کرشن جی کی بہن سوبھدرا کو دیکھ لیا۔ اور ہزار جان سے اس پر عاشق ہو گیا۔ کرشن جی سے بھی ارجن نے یہ ذکر کر دیا۔ اور وہ لڑکی دکھلائی۔ انہوں نے کہا۔ یہ تو میری بہن ہے۔ یہ سنکر ارجن بہت شرمندہ ہوا۔ مگر کرشن جی نے کہا کہ میں تو راضی ہوں۔ مگر میرے بھائی بلدیو اس شادی سے راضی نہ ہونگے۔ آخر کرشن جی کے مشورہ سے سوبھدرا کی شادی ارجن سے ہو گئی۔

برج وہ مقدس مقام ہے جو کئی ہزار برس سے پرستش گاہ خاص و عام چلا آتا ہے۔ مگر محمود غزنوی اور محمد غوری کے حملوں کے وقت کرشن جی کی مورتی کو برج چھوڑنا پڑا۔ مگر شاہان مغلیہ نے مخالفت نہیں کی۔ اور پھر برج میں بدستور کرشن جی کی پوجا ہونے لگی۔

شیوی لوگ کرشن جی سے باغی ہیں۔ اس لئے پنڈتوں نے برج سے ان کی مورتی نکالدی

ئی۔ مگر اودے پور کی ایک رانی کی تحریک سے یہ مورتی دوبارہ برج میں لائی گئی۔ اورنگ زیب کے زمانہ تک یہی حال رہا۔ مگر اورنگ زیب نے ان مورتیوں کو متھرا میں توڑ پھوڑ ڈالا۔ اسی وجہ سے ہندو لوگ اورنگ زیب کو کال جمن کا اوتار مانتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی کرشن جی کا دشمن تھا۔ دریائے جمنا کو بھی کال جمن کہتے ہیں کیونکہ اس میں کرشن جی نے کالی ناگ کو ناتھا تھا۔ کرشن جی کے بہت سے خطاب ہیں۔ جادوناتھ۔ ہری۔ شام۔ مادھو جی وغیرہ۔

جن لوگوں کو دنیا سے ترک تعلق منظور ہوتا ہے وہ گھر بار چھوڑ کر کرشن جی کے مندر میں ان کی پرستش میں عمر گذار دیتے ہیں۔ کرشن جی کے مندر میں کسی قسم کی حیوانی یا انسانی قربانی نہیں ہوتی ان کی تعلیم میں محبت، کمتی یا نجات پانے کا سبق دیا جاتا ہے۔ کرشن جی کے مذہبی اصول شیو جی کے قائم بہت ہی نرم۔ شائستہ اور محمود ہیں۔ رسم ستی اور دختر کشی کو انہوں نے سخت منع کیا ہے۔ کرشن جی کے بھگتوں کے لئے تبرہ رہنا لازمی نہیں جیسا کہ شیو کے بھگتوں کے لئے لازمی ہے۔ کرشن جی کے چیلے اپنے مردوں کو جلاتے نہیں بلکہ گاڑتے ہیں۔ کرشن جی کی تمام نصیحتیں نہایت عمدہ ہیں۔ مگر ان پر کوئی عمل نہ کرے تو نصیحت کا کیا قصور ہے۔

کرشن جی دواپر یگ کے آخری ایام میں اور کل جگ کے پچیس برس قبل مسیح سے گیارہ بارہ سو برس پہلے پیدا ہوئے تھے دواپر جگ کے پچیس برس میں سے وہ گیارہ برس تو گوکل میں اور چودہ برس متھرا میں رہے۔ متھرا میں زیادہ تر گوبردھن میں رہا کرتے تھے۔ جب کلجگ شروع ہوا۔ تو دوارکا کو چلے گئے۔ اور وہاں سو برس قیام فرما کر سورگ لوک کو سدھارے جادو لوگوں میں کرشن جی نے سورج و چاند کی پرستش بھی منسوخ کر دی تھی۔ جادو قوم کے کشیروں اور راجاؤں نے وحدت پرستی کا جو ذکر لکھا ہے ان سب میں جادو لوگوں کے خیالات بہت ہی پاکیزہ ہیں۔ جنہوں نے کبھی مورتیوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ اور نہ ان کے مندر بنائے۔ اور ان لوگوں کو سورج۔ چاند۔ اور بدھ کے سامنے ہاتھ جوڑنے یا ڈنڈوت کرنے سے ہمیشہ پرہیز رہا ہے۔ البتہ یہ مورتی پوجا کا رواج کرشن جی کی وفات کے بعد پیدا ہوا۔ اور اس کا رواج یہاں تک بڑھا کہ دنیا بھر کی چیزیں پوجی جانے لگیں۔ یہاں تک کہ تینتیس کروڑ دیوتا پوجے جانے لگے۔ اگرچہ کرشن جی ایک تھے۔ مگر ان کی پرستش سات مورتوں میں ہونے لگی۔

گوبردھن برج میں ایک مقدس پہاڑ ہے۔ جس کے نام پر کرشن جی کو گردھر اور گوبردھن ناتھ بھی کہتے ہیں۔ اسی پہاڑ پر کرشن جی نے پہلے پہل اپنی قدرتوں کا اظہار کیا تھا۔ اب ہر سال

گوبردھن پربت کی پوجا ہوتی ہے۔ یہ مقدس پہاڑ دور دور سے دیکھا جاتا ہے۔ اور تمام علاقہ برج کی گائیں وہاں جمع ہوتی ہیں۔ اور میلا بھرتا ہے۔

کرشن جی چشمِ عقیدت سے ترے دیکھے ہیں ہنر۔ | اہلِ بینش نے جگہ دی تجھکو ہفت افلاک پر
برہمن نے تجھ میں پائی شانِ ایزد جلوہ گر | بھر گئے تیرے [illegible] سے تمامی بحر و بر

کشتیٔ ملت کا رہبر۔ رہنما ایسا تو ہو
جس پہ دھوکا ہو خدا کا۔ ناخدا ایسا تو ہو

گوکل و متھرا میں اب تک شور ہے برپا ترا | گونجتی ہے بانسری کی اب تلک بن میں صدا
تیرے اوصافِ حمیدہ کا اثر یہاں تک ہوا | دیکھنے آتی ہے خلعت تجھکو ہر صبح و مسا

برج کا خطہ ترے دم سے ہوا رشکِ جناں
گاؤں چھوٹا سا بنا معبد پئے اہلِ جہاں

نام نامی ہے ترا عاشق مزاجوں میں رقم۔ | ہے بجا تجھکو کہیں سرخیلِ اہلِ درد ہم
ہے صدائے عشق تیری بانسری کی زیر و بم | کعبۂ اہلِ معانی ہے ترا بیت الصنم۔

چشمِ بدبیں میں تو کھٹکے تیرا طرزِ ماند و بود
تھا معائب سے مبرا۔ سربسر تیرا وجود

وہ ترا بچپن وہ تیری سیدھی سادی زندگی | وہ جوانی تیری وہ چہلیں تیری وہ دل لگی
وہ ترا بن بن میں پھرنا۔ اور وہ تیری بانسری | ہائے رے اس دم خیال آیا مجھے کچھ [illegible]

زندگی کہتے ہیں اس کو جس میں ہو آرامِ دل
ہیں نشاط انگیز اس عالم کے سارے آب و گِل

کیا عجب ہو زد بانِ عشقِ حق۔ عشقِ مجاز۔ | کیا عجب محمود ہی آخر کو بنتے خود ایاز
غور کے قابل ہیں اے دلِ [illegible] کے یہ راز | ان سے واقف ہیں نہی دنیا میں [illegible]

دانہ دانہ یونہی بڑھتے بڑھتے اک خرمن ہوا
پھول جو اسلوب سے بکھرا وہی گلشن ہوا

آخرش جادو بنسیوں کے اس عروج و کمال کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس فرقے سے دوسرے فرقوں کو حسد پیدا ہو گیا۔ اسی حسد کی بدولت ان کو بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ جن کی وجہ سے جادو بنسیوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے بعد اس زمانے کے دو فریقوں

ہیں وہ مشہور عالم جنگ جسے مہابھارت کہتے ہیں۔ مسیح سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے وقوع میں آئی تھی۔ جس کا مختصر حال یہ ہے۔

جنگ مہابھارت

یہ مشہور عالم جنگ کوروا اور پانڈو کے درمیان ہوئی تھی۔ راجہ وچترویرج کے دو بیٹے تھے ایک دھرت راشٹر جو اندھا تھا۔ اور دوسرا پانڈو تھا۔ پانڈو کے پانچ بیٹے یدھشٹر۔ بھیم۔ ارجن۔ نکل اور سہدیو تھے۔ یہ سب پانڈو کے نام سے مشہور ہوئے اور دھرت راشٹر کی اولاد کورو کہلائی۔ اس کا بڑا بیٹا دریودھن تھا۔ پانڈو اپنے بچوں کو نابالغ چھوڑ کر مر گیا۔ اس وجہ سے دھرت راشٹر ہی گدی پر بیٹھا۔ اس نے بیٹوں اور بھتیجوں کو علم و ہنر سیکھنے کے لئے ایک گرو درونا چارج نامی کے سپرد کر دیا۔ یہ گرو اگرچہ علم و ہنر اور فن سپہ گری سے خوب واقف تھا۔ مگر وہ دروپد راجہ پانچال سے حسد رکھتا تھا۔ کیونکہ دروپد نے اس کو اپنے دربار سے کسی بات پر ناراض ہو کر نکلوا دیا تھا۔ اس وجہ سے درونا چارج اس سے بدلا لینا چاہتا تھا۔ غرض اس نے اپنے شاگردوں کو خوب محنت سے لکھایا پڑھایا۔ پانڈووں میں یدھشٹر سب سے بڑا تھا۔ وہ نہایت دلیر اور ذہین بھی تھا۔ دھرم شاستر وغیرہ میں سب بھائیوں پر سبقت لے گیا۔ بھیم نے کشتی کا فن خوب سیکھا۔ ارجن نے تیر اندازی میں نکل نے شہ سواری میں اور سہدیو نے جوتش میں کمال پیدا کیا۔ دریودھن نے بھی سپہ گری میں بڑی لیاقت حاصل کی۔ بعد حصول تعلیم امتحان کے لئے ایک دن مقرر کیا گیا جس کے لئے بڑا دربار سجایا گیا۔ ایک وسیع میدان میں تماشائی لوگ جمع ہو گئے۔ سب سے پہلے دریودھن اور بھیم کی جوڑی چھوڑی گئی۔ یہ دونوں اکھاڑے میں خوب لڑتے رہے۔ اور اپنے اپنے ہنر لوگوں کو دکھاتے رہے۔ پھر ارجن کی باری آئی۔ اس نے بھی اپنی تیر اندازی کے کمال دکھلا کر لوگوں کو خوش کیا۔ دریودھن اس کے کمال دیکھ کر جل گیا۔ اس نے کرن کو ارجن کے مقابلہ میں چھوڑا۔ جب کرن سے پانڈوں نے اس کا حسب و نسب پوچھا تو وہ خاموش ہو گیا جس پر پانڈو بغیر تحقیق حسب و نسب اس کے مقابلہ سے انکار کر گئے۔ بعد ختم دنگل درونا چارج نے اپنے شاگردوں سے دکشنا مانگی۔ راجہ نے کہا جو مانگو گے وہی دوں گا۔ اس پر درونا چارج نے دروپد سے بدلا لینے کا اقرار کرایا۔ چونکہ راجہ عہد کر چکا تھا۔ اس لئے درونا چارج نے راجہ کی

فوج لیکر دروپد پر چڑھائی کر دی۔ اور اس کا آدھا ملک چھین لیا۔ اس کے بعد راجہ نے کہا کہ میں
بوڑھا ہو گیا ہوں اس لئے اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہوں۔ اور اس کے لئے یدھشٹر کو مقرر کرونگا
مگر دریودھن نے اس بات کو نہ مانا۔ اور باپ کو بہکا کر پانڈوں کو جلا وطن کرا دیا۔ یہ ہستناپور کو
چھوڑ کر ورن وارت یعنی الہ آباد میں جا بسے۔ دریودھن نے یہ سوچ کر کہ جب تک یہ زندہ ہیں
سلطنت کے لئے خطرہ ہے ان کے رہنے کو ایک ایسا مکان بنوایا۔ جس کی چھت اور دیواروں
پر خوب رال اور گندھک کا پلستر کرایا تھا۔ لیکن پانڈوں کو اس حال کی پہلے ہی خبر ہو گئی تھی چنانچہ
وہ خود اس مکان میں آگ دیکر وہاں سے چلے گئے۔ اور برہمنوں کے بھیس میں جنگلوں میں پھرتے
رہے۔ انہیں دنوں میں دروپد راجہ پانچال نے اپنی بیٹی دروپدی کا سویمبر رچایا۔ جس کی شرط
یہ رکھی گئی کہ جو شخص گھومتی مچھلی کی آنکھ میں تیر مارے گا دروپدی اس کو بیاہی جائیگی۔ بہت
سے راجہ اور راجکمار دور دور سے آئے ہوئے تھے۔ دروپدی پھولوں کی مالا ہاتھ میں لئے ہوئے
محفل میں آئی۔ اس کو دیکھکر ہر ایک راجہ تیاری باری سے اٹھکر قسمت آزمائی کی مگر کسی کو
کامیابی نہ ہوئی۔ آخر تماشائیوں میں سے ایک شخص برہمن کے بھیس میں نکلا۔ اور کمان اٹھاکر
نشانہ پر تیر مارا۔ چاروں طرف واہ وا ہونے لگی۔ دروپدی نے مالا فوراً اُس کے گلے میں ڈالدی
گر چھتری راجاؤں نے شور مچایا کہ یہ تو برہمن ہے اس کے ساتھ شادی نہیں ہو سکتی۔ اس کو
سنکر ارجن نے بھیس دور کر کے اپنا حسب نسب بتایا۔ آخر شرط کے بموجب دروپدی کو بیاہ
کر گھر لائے۔ اپنی ماں کو مبارکباد دی اور کہا آج ہم ایک تحفہ لائے ہیں۔ ماں کو کچھ خبر نہ تھی۔
اس نے کہا اچھا جو تحفہ لائے ہو وہ تمہارا سب کا مشترکہ مال ہے۔ ماں کے اس حکم کے بموجب
پانچوں بھائیوں نے دروپدی سے شادی کر لی۔ اس شادی سے راجہ دروپد بھی پانڈوں کا
ساتھی بن گیا۔ اس نے دھرت راشٹر کو آدھا راج دینے کے لئے مجبور کیا۔ مگر اس تقسیم میں
بھی پانڈوں کے ساتھ ناانصافی ہوئی۔ کیونکہ ویران علاقہ ان کو دیا گیا۔ آخر انھوں نے جنگلوں
اور بنوں کو صاف کرا کر شہر اندرپرست بسایا۔ پھر اور بھی علاقہ گرد و نواح فتح کر لیا اور زبردست
راجہ بن گئے۔ آخر راجسوئیگ کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے اپنے ماموں زاد بھائی کرشن جی کو
بلاکر اس بات کی صلاح لی۔ کرشن جی نے کہا راجسوئیگ ضرور کرنا چاہئے۔ مگر پہلے راجہ جراسندھ
کو مار لو کیونکہ وہ بہت سے راجاؤں کو شکست دیکر اپنا غلام بنا چکا ہے۔ یدھشٹر یہ سن کر ڈر گئے
مگر باقی اس کے چاروں بھائیوں نے کہا ہم تیار ہیں۔ آخر کرشن جی ارجن اور بھیم کو ساتھ لے کر

جراسندھ کے پاس گیا۔ اور کہا تو ظالم راجہ ہے یا تو ظلموں سے باز آ اور ان غلام بنائے ہوئے راجاؤں کو چھوڑ دے۔ ورنہ ہم سے لڑائی کر۔ آخر بھیم سے کشتی ٹھیری۔ چودہ روز تک کشتی ہوتی رہی۔ چودھویں دن بھیم کے ہاتھ سے جراسندھ مارا گیا۔ کرشن جی نے سب قیدی راجہ چھوڑ دیئے۔ اور ان سب سے راجسوئیگ میں آنے کا وعدہ لیکر اور جراسندھ کے بیٹے سہدیو کو تخت پر بٹھا کر واپس آ گئے۔ اور اندرپرست میں فتح کی خوشی منائی۔ اور راجسوئیگ ٹھیرایا۔ بھیشم نے یہ تحریک پیش کی کہ کرشن جی کو پردھان یعنی صدر جلسہ بنایا جائے۔ مگر ششپال نے مخالفت کی۔ اگرچہ یہ کرشن کا بھی پھوپی زاد بھائی تھا۔ اور جراسندھ کا سالا اور یدھشٹر کا خالہ زاد بھائی تھا۔ لیکن اس کی منگیتر کو کرشن جی لے آئے تھے۔ اس وجہ سے اُن سے ناراض تھا۔ آخر جنگ کی نوبت پہنچ گئی۔ اور کرشن جی نے بھری سبھا میں ششپال کو مغلوب کر کے قتل کر دیا جس سے اس جھگڑے کا فیصلہ ہو گیا۔ اور کرشن جی پردھان چن لئے گئے۔ جب جگ ختم ہو گیا۔ تو دریودھن اور بھی زیادہ حسد کرنے لگا۔ اور ایک دن ہنسی میں یدھشٹر کو جوا کھیلنے پر آمادہ کر لیا۔ جس میں یدھشٹر بازی ہار گیا۔ اور سب راج پاٹ دے بیٹھا یہاں تک کہ دروپدی کو بھی ہار گیا۔ دروپدی اس خبر کو سنکر گھبرا گئی۔ اور دریودھن کے پاس جانے سے انکار کر دیا مگر دوشاشن نامی ایک شخص اس کو سر کے بالوں سے پکڑ کر محفل میں لے آیا۔ اس بات پر تکرار بڑھنے والی ہی تھی کہ دھرت راشٹر نے آکر فیصلہ کر دیا۔ کہ پانڈو بارہ برس کے لئے بن باس چلے جائیں۔ پھر ایک سال تک اور چھپے رہیں۔ اگر تیرہویں سال میں دریودھن پتہ لگا لے تو پھر از سر نو بارہ برس کے لئے جلا وطن رہیں۔ اور اگر پتہ نہ لگا سکے تو ان کا راج واپس دیدیا جائے۔ مجبوراً پانڈو پھر دوسری دفعہ بن باس چلے گئے۔ بارہ برس جنگلوں میں گھوم کر تیرہویں برس راجہ وراٹ کی نوکری کرلی۔ میعاد پوری ہونے پر پانڈوں نے واپس آکر اپنا راج مانگا۔ مگر دریودھن نے صاف انکار کر دیا۔ اس بات سے دونوں فریقوں میں ایک زبردست لڑائی ہوئی۔ اور بھارت ورش کے تمام راجہ مہاراجہ اس لڑائی میں شامل ہوئے۔ کوئی پانڈوں کی طرف سے اور کوئی کوروں کی طرف سے شامل ہوا۔ کرشن جی کو بھی بلایا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک طرف میری فوج اور سامان جنگ ہے۔ اور دوسری طرف میں خود ہوں۔ اب ارجن جونسی چیز پسند ہو وہ لے لے۔ ارجن نے خود کرشن جی کو لے لیا۔ اور دریودھن نے بھی خوشی سے ان کی فوج اور سامان جنگ لے لیا۔ آخر کوروکشیتر کے میدان میں اٹھارہ دن تک بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اگرچہ پانڈو لڑنے پر آمادہ نہ تھے کیونکہ دوسری طرف اپنے ہی بھائی تھے

تھے۔ مگر کرشن جی نے انصاف اور حق حاصل کرنے کے لئے پانڈوں کو بہت سی نصیحتیں کر کے
لڑائی پر آمادہ کیا تھا۔ یہ تمام نصیحتیں کتاب بھگوت گیتا میں درج ہیں۔ گرو درونا چارج کو [illegible] بلکہ
بھی اپنے شاگردوں سے لڑنا پڑا۔ کیونکہ یہ بھی کوروں کی طرف سے لڑائی میں شامل ہوئے تھے
غرض درونا چارج بھیشم۔ کرن۔ اور دریودھن وغیرہ سب مارے گئے اور پانڈوں کو فتح
حاصل ہوئی۔ لیکن اتنے بڑے نقصان کے بعد یہ فتح ان کے لئے [illegible]
جو لوگ زندہ بچے تھے وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے مرنے سے دنیا سے [illegible]
تھے۔ اسی وجہ سے راجہ یدھشٹر نے ارجن کے پوتے پریچھت کو گدی پر بٹھا کر خود مع اپنے چاروں بھا
ئیوں اور دروپدی کے دنیا کو ترک کر کے ہمالیہ کی برف میں جا کر اپنے آپ کو فنا کر دیا تھا۔
کرشن جی بھی اس لڑائی کے بعد اپنی راجدھانی دوارکا کو واپس چلے گئے اور پھر تخت پر کبھی
نہیں آئے۔ اگرچہ اس کے بعد چھتیس ۳۶ سال تک وہ زندہ رہے تھے۔ لیکن ان کا انجام بھی
کچھ اچھا نہ ہوا۔ کیونکہ تھوڑے ہی عرصے بعد وہ اپنے گھریلو جھگڑوں میں پھنس گئے اور راٹھوڑوں
سے ان کی سخت لڑائیاں ہوئیں۔ راٹھوڑوں کے دباؤ سے ان کی اولاد کو متھرا اور دوارکا
پوری چھوڑنی پڑی۔ ان کے مرنے کا قصہ بھی عجیب ہے۔ کہتے ہیں یہ ہمیشہ جنگل میں جا کر عبادت
کیا کرتے تھے۔ ایک دن مراقبہ (سمادھی) میں بیٹھے تھے۔ ایک بھیل نے ہرن خیال کر کے
ان کے تیر مارا جس سے یہ زخمی ہو گئے۔ بھیل نے اپنے قصور کی معافی مانگی۔ اور کہا کہ میں نے
دانستہ ایسا نہیں کیا ہے۔ اس پر کرشن جی نے اس کو معاف کر دیا۔ اور یہ کہا کہ جب پچھلے جنم
میں رام تھا۔ تو میرے ہاتھ سے یہ بھیل مارا گیا تھا۔ آج یہ اس کا بدلا ہے۔

غرض کرشن جی کی وفات کے بعد بہت کچھ ان کا خاندان برباد ہو گیا۔ ایک دوسری خانہ جنگی
میں یہ لوگ لڑ کر تباہ ہو گئے۔ دوارکا پوری پر سمندر آگیا جب [illegible]
مصیبت پڑی۔ تو یہ لوگ تارک الوطن ہو گئے۔ جن میں کرشن جی کے [illegible] شامل تھے
کرشن جی کی آٹھ پٹ رانیاں تھیں [illegible]
جہاں وہ مسلمان ہو گئے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مختلف رانیوں کی اولادوں میں سے جادو قوم کی نو بڑی بڑی شاخیں ہو گئیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔ جادو یا یادو۔ تنور۔ بھاٹی یا بھٹی۔ جاڑیجہ۔ سمیجہ۔ مڑیچہ۔ بدھمن۔ بدھا۔ سوہا۔

ان میں سے شروع کی چار شاخیں زیادہ مشہور ہوئی ہیں۔ بھٹی خاندان کو سب سے زیادہ عروج حاصل ہوا ہے۔ اب تک بھی بھاٹیوں کے ہزاروں گاؤں اور شہر یو۔پی۔ راجپوتانہ اور پنجاب میں آباد ہیں۔

۷۔ بھاٹی خاندان معہ شجرہ نسب

- کرشن جی
  - پردیومن
    - بجر ناتھ
      - ناتھ
        - پرتھی باہو
          - باہو بلی
            - سوباہو
              - رتھ
                - گو
                  - رج
                    - سالباہن
                      - بلند
                        - بھٹی یا بھاٹی ۔ یہ بھاٹی خاندان کا مورث اعلیٰ ہوا ہے۔
      - کیہر
        - جاڑیجہ
        - جدھ بھان
    - انرودھ
      - مورث اعلیٰ راجگان بیانہ و قرولی و میوات و بھرت پور

یادو خاندان کے بہت سے لوگ دوارکا سے نکل کر پنجابی سرحدوں کی طرف جا بسے اور بہت سے عبا تا اور دھو کے ماتحت سندھ کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے پہلے تو

یادو کے ڈانگ یعنی کوہ یادو نامی علاقہ میں اپنی سکونت اختیار کی۔ اور پھر وہ بلئے سمندر کو عبور کر کے زابلستان چلے گئے۔ اور افغانستان کا بہت سا علاقہ فتح کر کے ہزاروں سال تک وہاں حکومت کرتے رہے۔ کرشن جی کی وفات کے بعد نابھ بن۔ پھر ناتھبن پردوارمن گدی پر بیٹھا نابھ کا بیٹا پرتھی باہو تھا۔ اور جاڑیجہ اور جدھ بھان کیہر کے بیٹے تھے۔ یہ جاڑیجہ خاندان جاڑیجہ کا مورث اعلےٰ ہوا ہے۔ اور نابھ کی اولاد سے بھاٹی خاندان جاری ہوا۔ جدھ بھان کی اولاد کی سکونت اور حکومت سے کوہستان کا نام بھی یادو کا ڈانگ رکھا گیا۔ پرتھی باہو کے لڑکے باہو بل کی شادی سنگھ والئی مالوہ کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ باہو بل کی وفات کے بعد سوباہو راجہ ہوا۔ جو گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ سوباہو کے بعد اس کا بیٹا رجھ گدی پر بیٹھا۔ اس کی رانی سہاگ سندری بیر سنگھ والئی مالوہ کی بیٹی تھی۔ اس لڑکی سے گج پیدا ہوا۔ کیونکہ اس نے خواب میں اپنے پیٹ سے ہاتھی کی پیدائش دیکھی تھی۔ اس گج نے مغربی حملہ آوروں سے بچاؤ کے لئے ایک مضبوط قلعہ درہ خیبر کی گھاٹیوں سے پار اتر کر بنایا۔ جس کا نام اپنے نام پر گجنی یا غزنی رکھا۔ انہیں میں سے ایک شخص سمیرو نے اپنے نام پر سمیرو کنڈ یا سمرقند بسایا۔ لیکن دشمنوں کے زور اور دباؤ سے ان کو وہ ملک چھوڑنا پڑا۔ اور ہندوستان کو واپس آ گئے انہیں لڑائیوں میں گج مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سالباہن پنجاب میں آ کر رہنے لگا۔ یہاں اس نے سالباہن پور یعنی سالکوٹ اپنے نام پر بسایا۔ اور گرد و نواح کے تمام جاگیرداروں نے اس کی اطاعت اختیار کر لی جس سے یہ کل پنجاب پر قابض ہو گیا اس نے دوبارہ پھر زور لگا کر غزنی کو فتح کرنا چاہا۔ اس کے مقابلہ میں بیس ہزار فوج لیکر جلال آیا۔ مگر سالباہن نے اس کو شکست دیدی۔ اور غزنی پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے بیٹے بلند یا بالوچند کو غزنی میں چھوڑ کر خود اپنی راجدھانی میں واپس آ گیا۔ اور کچھ عرصے بعد مر گیا۔ اس کے پندرہ لڑکے پیدا ہوئے سب سے بڑا بلند تھا۔ یہی باپ کے بعد گدی پر بیٹھا۔ جس کی شادی جیپال تنور والئی دہلی کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ اب پھر ترکستانی قوموں نے ترقی کی اور غزنی کے سوا اپنا تمام ملک چھڑا لیا۔ بلند کے آٹھ بیٹے پیدا ہوئے۔ جن میں سے سب سے بڑا بھٹی تھا۔ بلند سالباہن پور میں رہا کرتا تھا۔ اس نے بھوپت کے بیٹے چکیتو کو جو اس کا بھتیجا تھا۔ اپنی طرف سے غزنی کا حاکم بنا کر بھیجا۔ چونکہ اب اسلام کی قدرت زور پکڑ چکی تھی۔ اس لئے چکیتو نے مسلمانوں کو بڑے بڑے عہدے دئے۔ اور اپنی تمام فوج میں انہیں کو بھرتی کر لیا۔ اور آخر مسلمانوں کی صحبت اور

زیب نے خود بھی مسلمان ہو گیا۔ اور بلخ و بخارا کے بادشاہ کی بیٹی سے اپنی شادی کر کے وہاں کا بادشاہ بن گیا۔ اسی چگتو کے نام سے قوم چغتائی یعنی مغل پیدا ہوئے ہیں۔ بلند کے تیسرے بیٹے گوپ کے آٹھ بیٹے پیدا ہوئے۔ جو سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ سالباہن کے بیٹے بلند اور پوتے بھاٹی نے اپنی سکونت پنجاب میں ہی رکھی تھی۔ مگر دشمنوں نے انہیں یہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ آخر یہ پنج بھائی اتر کر راجپوتانہ کے مغربی ریگستان میں آٹھویں صدی عیسوی کے قریب آ بسے۔ ان بھائیوں نے وہاں سے دوسری قوموں کو نکال دیا۔ اور خود قابض ہو گئے۔ اس خاندان کے ایک مشہور راجہ جیسل راؤ نے لودروا کی بجائے شہر جیسلمیر آباد کیا۔ چنانچہ یہ شہر آج تک کرشن جی کی اولاد کا یعنی بھاٹی شاخ کا دارالسلطنت سمجھا جاتا ہے۔ اس بھاٹی کے نام پر ہی بھاٹی گوت بھی مشہور ہوا ہے۔ جیسلمیر کے بسانے کی وجہ یہ ہوئی کہ راجہ جیسل راؤ اپنے بھتیجے بھوج دیو سے گدی چھیننا چاہتا تھا۔ لیکن بھوج دیو کے ساتھ ہر وقت پانچ سو سوار سو رنگی راجپوت رہتے تھے اس وجہ سے جیسل راؤ کا کوئی قابو نہ چل سکا۔

اسی زمانہ میں شہاب الدین غوری نے ملتان اور سندھ کو فتح کر لیا۔ جیسل راؤ اپنے دو سو رشتہ داروں کے ساتھ بادشاہ مذکور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور رفاقت کی قسم کھائی۔ بادشاہ نے اس کی مدد کی۔ جس سے اس نے بمقام لودروا اس کا محاصرہ کر کے اپنے بھتیجے کو قتل کر دیا۔ دو روز تک شہر والوں کو اجازت دی۔ کہ وہ اپنا مال و اسباب جس قدر لیجا سکیں لیجائیں۔ تیسرے روز مسلمانوں کو شہر کے لوٹنے کی اجازت دیدی گئی انہوں نے لودروا کی راجدھانی کو لوٹ کر غارت کر دیا۔ جیسل راؤ نے لودروا کی بجائے اب اپنی راجدھانی دس میل آگے ہٹ کر ایک پہاڑی پر سمت ۱۲۱۲ بکرمی میں شہر جیسلمیر اپنے نام پر آباد کیا۔ پھر بارہ سال حکومت کرنے کے بعد یہ مر گیا۔ اور اس کا بیٹا سالباہن دوئم گدی پر بیٹھا۔ اس خاندان کا آغاز سنہ ۱۲۱۲ء میں ہوا تھا۔

۸۔ جاڑیجہ خاندان

کرشن جی کی آٹھ پٹ رانیاں تھیں۔ دوسری اور ساتویں رانی کی اولاد سب کی سب مسلمان ہو گئی۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ بڑی رانی رکمنی جی سے کرشن جی کا بڑا لڑکا پردومن

پیدا ہوا۔ اس کے دو لڑکے اندو دھ اور بیرنا تھ پیدا ہوئے۔ بیرنا تھ کے دو بیٹے نابھ اور کیہر ہوئے اور کیہر کے دو لڑکے جد صعباں اور جاڑیجہ ہوئے۔ یہی جاڑیجہ نامی لڑکا اپنے خاندان جاڑیجہ کا مورث اعلیٰ ہوا ہے۔ ساتویں راجہ جاموجی کا بڑا لڑکا ساما ہے تھا جس کی حکومت دریائے سندھ کے دونوں طرف تھی۔ خاندان ساما کا مورث اعلیٰ یہی ہوا ہے۔

بھٹی راجپوتوں کے بعد جاڑیجہ قوم کا درجہ ہے۔ ان کے تاریخی حالات بہت کچھ بھاٹیوں سے ہی ملتے جلتے ہیں۔ اس قوم کے لوگ بلدیوجی کی رفاقت میں دوارکا سے تارک الوطن ہوئے تھے۔ لیکن ان کو وہ عروج حاصل نہیں ہوا جو بھاٹیوں کا ہوا ہے۔

اس قوم کے لوگ وادئی سندھ میں خصوصاً دریائے سندھ کے مغربی ساحل پر آباد ہوگئے۔ آج کل کچھ و نبج کی ریاست انہیں کی حکومت میں ہے۔

گوان کی طاقت پہلے برائے نام تھی۔ اور آلات حرب و ضرب بھی بہت کم تھے۔ لیکن پھر بھی سکندر کے زمانہ میں وہ اپنے بزرگوں کی شہرت قائم رکھے ہوئے تھے۔

کرشن جی کو جہاں ہری کہتے ہیں وہاں سانولا رنگ ہونے کی وجہ سے ان کا قومی خطاب شیام جی ہے۔ اس وجہ سے جاڑیجہ قوم والوں نے اپنا خطاب شیام پتر رکھا ہے۔ شیام کا بدل کر جام ہوگیا۔ چنانچہ اس قوم کی ایک چھوٹی سی ریاست جام نگر کے نام سے موجود ہے۔

۹۔ تنور خاندان

یہ خاندان بھی یادو قوم کی ایک شاخ ہے۔ لیکن شجرہ نہ ہونے سے اس کا نام تحقیقی شاہی خاندانوں میں شامل کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی شہرت کے لحاظ سے اس شاہی اعزاز کی ہر طرح مستحق بھی ہیں۔ اگر تنور قوم صرف اسی بات پر ناز کرے کہ اس کے خاندان میں مہاراجہ بکرماجیت جیسا صاحب اقتدار فرمانروا مسیح کی پیدائش سے چھپن سال پہلے گزرا ہے۔ اور اس کا سمت ہندو قوم میں تنور خاندان کے شاہنشاہی اعزاز کی یادگار ہے تو اس قوم کی عزت و توقیر کے لئے کم نہیں ہے۔ مگر اس کے علاوہ بھی اس قوم کے وہ کارنامے اور اعزاز کی تفصیلیں جو اس سے واقع ہوئے جب کہ التفصیل ہم سے کے مستحق ہیں۔ اگرچہ اندر پرست بستی اِلی

کو یدھشٹر نے بسایا تھا۔ لیکن زمانہ کے انقلاب سے یہ شہر آٹھ سو سال تک ویران پڑا رہا۔ پھر اننگ پال تنور نے دوبارہ اس کو سمت ۸۴۸ بکرمی مطابق ۷۹۲ء میں آباد کر کے موسوم بہ دہلی بنایا۔ بیس پشتوں تک ان کا راج رہا۔ آخری راجہ اننگ پال ثانی تھا جو اننگ پال اوّل بانی سلطنت کا ہمنام اور بھتا کا بیٹا تھا۔ بحالت لاولدی قانون سالک (گود لینا) کی رو سے دہلی کی حکومت اپنے نواسے پرتھی راج چوہان کو دے کر قوم تنور کا اوج و اقبال ختم کر دیا۔ اب اس قوم کو قدیم عروج و شہرت پر ہی فخر و ناز ہو سکتا ہے ورنہ آج ان کے قبضے میں کوئی خود مختار ریاست نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ بکرماجیت کے مایہ ناز اور پانڈوں کے معزز خاندان کی بقائے نام ہے۔ اور جس کے بزرگوں میں سے آخری زمانہ میں ہندوستان کا ایک شاہنشاہی خاندان عروج و اقبال کے ڈنکے بجا گیا تھا۔

یہ بات دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی ہوگی۔ کہ دہلی کا اننگ پال ثانی اسی بزرگ کی نسل سے تھا جس نے اندر پرست پہلے بھی اور بعد میں بھی آباد کیا تھا۔ اور دو ہزار دو سو برس بعد بھی تخت دہلی یدھشٹر ہی کی اولاد کے قدموں سے شرف یاب ہوا۔ اس خاندان [illegible] میں اس وقت بڑے سے بڑا مقام دریائے چمبل کے داہنے کنارہ پر اور جمنا کے سنگم پر ڈھولپور کے نام سے مشہور ہے۔

اس سے چھوٹی ریاست جے پور میں پائیں تنورواٹی کہلاتی ہے۔ ان دونوں ریاستوں کے فرمانروا اپنے آپ کو اندر پرست کے قدیم چھتری خاندان کی اولاد بتلاتے ہیں۔

۱۰۔ شجرہ نسب مہاراجگان

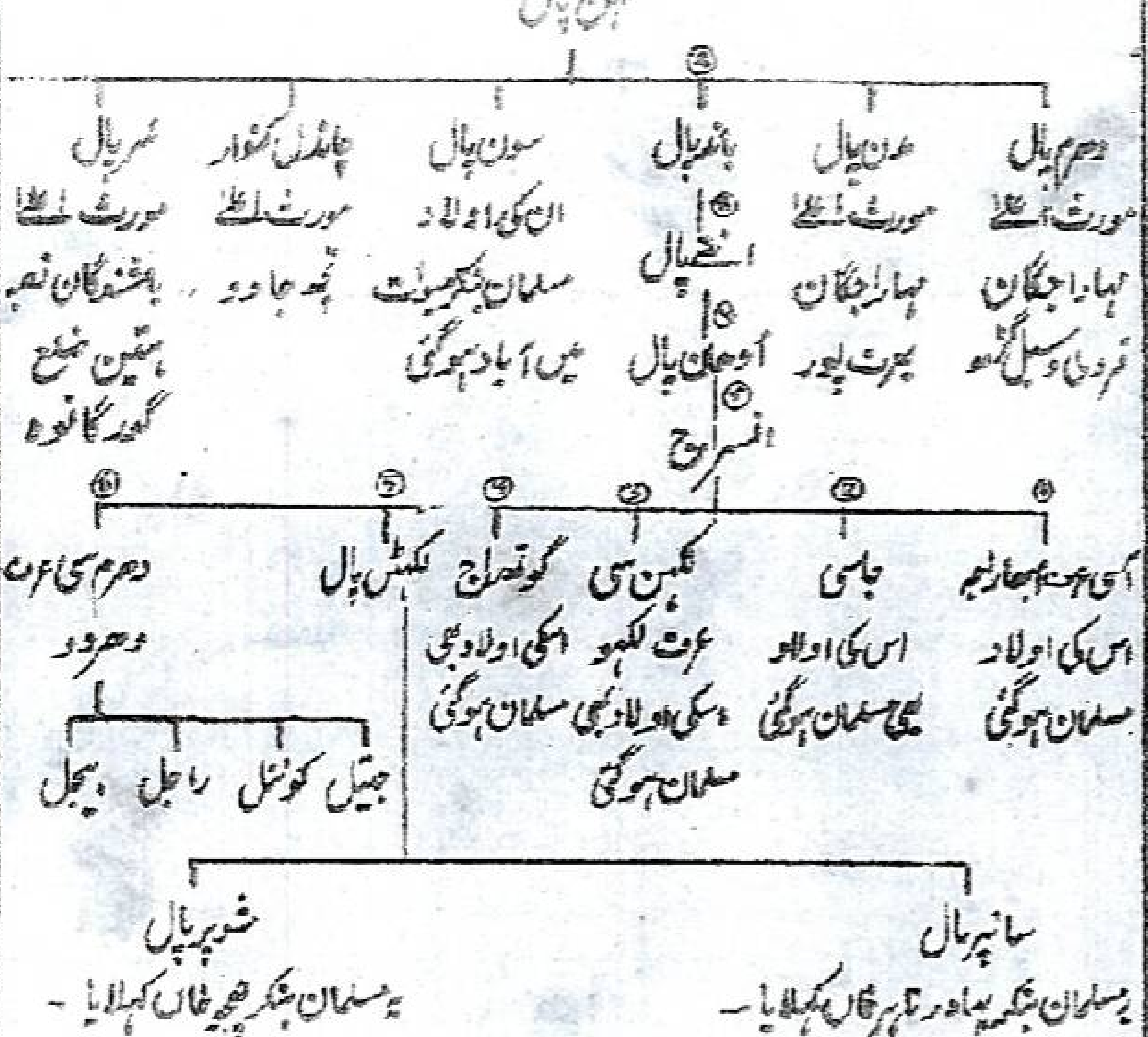
بیانہ و قرولی و میوات و بھرت پور

کرشن جی - پردومن - انرودھ - بجر سین - اگر سین - دھرم سین

تجھپال - برہم پال - چندر پال - مہن پال - بجے پال - تہن پال والئی تہن گڑھ - علاقہ بیانہ -

نوٹ: بعض مورخ اس تہن پال کے بارہ بیٹے لکھتے ہیں اور بعض بائیس بیٹے بتاتے

ہیں۔ تین میں سے ہم کو صرف چھ نام معلوم ہو سکے ہیں جیسے نیں مقام آدی جگتیہ اور سنگیلی کے راجپوت بھی تہن پال ہی کی اولاد میں سے ہیں مگر اس کے مورث اعلیٰ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ غرض تہن پال کا شجرہ آگے حسب ذیل ہے۔



مہاراجگان بیانہ

سری کرشن جی کی بڑی رانی رکمنی جی سے پردمن پیدا ہوا جس کے دو بیٹے انرودھ اور بجر ناتھ ہوئے۔ بجر ناتھ کی نسل سے بھٹی اور جاڑیجہ شاخیں قائم ہوئیں ہیں جن دونو کا ذکر پہلے آچکا ہے اور انرودھ کی اولاد سے مہاراجگان بیانہ و قرولی و میوات و بھرت پور پیدا ہوئے جن کو جادو قوم

کا سرگروہ مانا جاتا ہے۔ جب یہ جادو قوم راٹھوڑوں کے زور دینے سے تارک الوطن ہوئی۔ تو صرف اشرودھ کی اولاد ہی ایسی باقی رہ گئی تھی جو متھرا سے دُور کہیں نہیں گئی۔ یعنی اس کی اولاد میں سے سو سردار ایسے باقی رہ گئے تھے جنہوں نے اپنے بزرگوں کے اصلی وطن یعنی علاقہ برج کی قدیم حدود سے کبھی بھی باہر قدم نہیں نکالے تھے۔ بلکہ وہ قدیم سے ہی بیانہ وغیرہ کے مشہور مقاموں پر قابض رہے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں کو دوسری جگہ کے یادو بنسیوں پر اس بات کا بڑا فخر حاصل ہے۔ کہ ہم نے اپنی قدیم جائے سکونت کو کسی مصیبت کے وقت بھی نہیں چھوڑا۔ گویا اس بڑائی اور بزرگی کا فخر ان کے لئے ایک قسم کا سارٹیفکٹ ہے۔

اسی وجہ سے مہاراجگان بیانہ قرولی وغیرہ دوسرے تمام یادو بنسیوں کے سرگروہ مانے جاتے ہیں لیکن افسوس یہ فخر ان کا جو قدیم زمانے سے چلا آتا تھا قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ مسلمان حملہ آوروں کی وجہ سے ان کو بھی مجبوراً اپنا اصلی وطن چھوڑنا ہی پڑا۔

بیانہ میں یادو راجاؤں کے زمانہ کے بہت سے محل اور تہ خانے بنے ہوئے ہیں۔ ان تہ خانوں میں سے کھود کھود کر اب تک یادو راجاؤں کے آلاتِ جنگ نکالے جاتے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں صوبہ آگرہ کا نام بھی صوبہ بیانہ تھا۔

بحوالہ کتاب مراۃ آفتاب نما معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں بالی چند نامی راجہ کا تعمیر کیا ہوا قلعہ بیانہ میں بڑا مضبوط تھا۔ اسی راجہ نے گوالیار کا قلعہ بھی بنوایا تھا۔ بال چند کے بعد راجہ بجے پال نے قلعہ بیانہ کی از سر نو مرمت اور مضبوطی کر کے اس کا نام بجے مندر گڑھ رکھ دیا۔ یہ قلعہ بیانہ کے اندر ایک اونچے پہاڑ پر بڑا مضبوط بنا ہوا ہے۔ قلعہ کے اندر ایک لاٹھ ہے جس کو تیلی کی لاٹھ کہتے ہیں۔ لاٹھ پر جو حروف کندہ ہیں وہ پڑھنے میں نہیں آتے۔ محمود غزنوی کے بھتیجے مسعود سالار غزنوی نے سنہ ۱۰۳۰ء مطابق ۴۲۱ھ میں بیانہ کو فتح کیا تھا۔ پھر سمت ۱۱۷۳ بکرمی میں ابو بکر شاہ قندھاری جو کہ خاندان محمود غزنوی کے معتمدوں میں سے تھا۔ بیانہ پر حملہ آور ہوا۔ کتاب وقائع راجپوتانہ میں جو یہ لکھا ہے کہ سمت ۱۲۰۳ بکرمی میں ابو بکر قندھاری نے بیانہ کا قلعہ فتح کیا تھا اس کا یہ سن لکھنا غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سمت ۱۱۹۸ بکرمی لغایت سمت ۱۲۴۹ بکرمی پرتھی راج چوہان والئی دہلی و اجمیر کا عہد تھا۔ اور بیانہ میں اس کی سسرال تھی۔ اور بیانہ والے راجپوت اس کے زبردست سرداروں میں سے تھے۔ پس پرتھی راج ضرور اپنے ان رشتہ دار سرداروں کی مدد کرتا۔ لیکن تاریخوں میں ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو بکر

قندھاری کا قلعہ بیانہ کو فتح کرنا سمت ۱۱۷۲ بکرمی میں غلط ہے اس سے پہلے یا بعد کا ہی ہو سکتا ہے لہذا سمت ۱۱۷۲ بکرمی جو ہم نے لکھا ہے صحیح ہے۔

راجہ بجے پال نے مقابلہ کے لئے سوار ہوتے وقت اپنی رانیوں سے کہا تھا کہ لڑائی سے واپسی کے وقت اگر سرخ نشان آگے آتا ہوا دیکھو تو اپنی فتح سمجھنا۔ اور اگر سیاہ نشان دیکھو تو شکست سمجھنا۔ کہتے ہیں اس لڑائی میں راجہ ہی کی فتح ہوئی تھی۔ اور خود ابوبکر بھی اس لڑائی میں مارا گیا تھا۔ جس کا مزار بھی بیانہ میں موجود ہے۔ مگر فتح کی خوشی میں راجہ کے ملازموں کو سرخ نشان آگے رکھنا یاد نہیں رہا۔ بلکہ سیاہ نشان آگے رکھ دیا۔ رانیوں نے اس سیاہ نشان کو آگے دیکھ کر اپنی شکست سمجھی جس سے انہوں نے خودکشی کر لی۔ اور اپنے خون سے قلعہ بیانہ کے دروازہ پر پنجہ کے نشان لگا دیے۔ جو آج تک وہاں بتلائے جاتے ہیں۔

اپنے قبیلہ کی تباہی سے راجہ کو بہت رنج ہوا۔ اس لئے کابل تک دشمن کے تعاقب میں جاتے ہوئے مارا گیا۔ لیکن صاحب مرآۃ آفتاب نما یہ لکھتا ہے اور جس کی شہادت اور تاریخیں بھی دے رہی ہیں۔ کہ اس لڑائی میں ابوبکر قندھاری کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ جس نے راجہ کو نکال کر بیانہ پر اپنا قبضہ کر لیا۔ کہتے ہیں یہ لڑائی ایک مدت تک ہوتی رہی۔ مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ آخر ایک درویش نے ابوبکر کو بتایا کہ فلاں جگہ پر دو شخص ماموں بھانجے ہیں۔ یہ قلعہ ان کے نام پر فتح ہوگا۔ ابوبکر نے ان دونوں آدمیوں کو بلا کر اپنے لشکر میں ملازم رکھ لیا۔ اور پھر لڑائی شروع کی بڑا کشت و خون ہوا۔ خدا کی قدرت کہ قلعہ اب فتح ہو گیا۔ لیکن افسوس یہ کہ دونوں ماموں بھانجے بھی اس لڑائی میں شہید ہو گئے۔ ان دونوں کی درگاہیں پہاڑ کے نیچے قلعہ کے متصل شہر کی آبادی میں بنی ہوئی ہیں۔ ان کے علاوہ اور ہزاروں مسلمان بھی اس لڑائی میں مارے گئے جن کی قبریں بھی زیر بالا سے کوہ اور قلعہ کے گرد و نواح میں بنی ہوئی ہیں جن کو گنج شہیداں کہتے ہیں۔ بجے پال بھی اس لڑائی میں ماہ پھاگن بروز اتوار سمت ۱۱۷۲ بکرمی میں مارا گیا۔ اور ابوبکر نے قلعہ بیانہ فتح کر لیا۔ قلعہ کی پیشانی پر ایک پتھر لگا دیا گیا ہے جس میں یہ دوہا کندہ ہے۔

گیارہ سو بہترا پھاگن سد تیج ۔ روی بار   بجے مندر گڑھ توڑیا ابوبکر قندھار

یعنی سمت ۱۱۷۲ بکرمی میں ماہ پھاگن کی تیج کو اتوار کے دن ابوبکر قندھاری نے بجے مندر گڑھ فتح کر لیا ہے۔ بیانہ کے علاقہ میں جو مندر اور مشہور مقامات ہندوؤں کے بنے ہوئے ہیں۔ ان سب کو مسلمانوں نے تغیر و تبدل کر کے خانقاہیں یا مسجدیں وغیرہ بنا لی ہیں۔ چنانچہ [illegible] جو

کرشن جی کی ننھیال یعنی نانا کا مسکن ہے جس میں چوراسی کھم کی مشہور عمارت اسی زمانہ کی تعمیر کی ہوئی ہے چنانچہ راقم نے خود بھی یہ چوراسی کھم والی عمارت ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۲ء کو بھرت پور جاتے ہوئے دیکھی تھی۔ واقعی وہاں بھی یہی علامتیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی اس عمارت کے دروازوں پر عربی عبارتیں کندہ ہیں۔ لیکن جب اندر پہنچتے ہیں۔ تو وہاں ہندوؤں کی دیوی دیوتاؤں کی مورتیں دیواروں پر بنی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جن کے کان۔ ناک۔ منہ اور ہاتھ پاؤں وغیرہ توڑ پھوڑ کر بگاڑ دی گئی ہیں بجے پال کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا تہن پال گدی نشین ہوا۔ یہ راجہ بڑا زبردست۔ شجاع اور صاحب شوکت و حشمت ہوا ہے۔ اس نے بیانہ کے قریب ہی ایک قلعہ اور شہر اپنے نام پر تہن گڑھ آباد کیا۔ اس زمانہ میں اس راجہ کی عملداری میں کل علاقہ بیانہ جس میں اب ریاست بھرت پور واقع ہے۔ اور کل علاقہ میوات جس میں پرگنہ جات فیروز پور جھرکا۔ نوح۔ تاؤڑو ہتین۔ رام گڑھ۔ کشن گڑھ اور تجارہ وغیرہ شامل تھے۔ اسی راجہ کی زیر حکومت تھا۔ یہ راجہ ایک مدت تک نہایت شان و شوکت کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ ناگاہ ایک طوفان مغرب کی طرف سے آیا جس نے ہندوستان کے چراغ گل کر دیے۔ یعنی جب ۵۹۲ھ مطابق ۱۱۹۶ء میں شہاب الدین محمد غوری تہن پال کی سرکشی کی خبر سنکر اس کو سزا دینے اور علاقہ میوات کا انتظام درست کرنے کے لئے ادھر آیا تو اس کی لڑائی تہن پال مذکور سے ہوئی۔ لیکن راجہ مع اپنے ساتھی راجپوتوں کے شکست کھا کر بھاگ گیا۔ شہاب الدین نے قلعہ تہن گڑھ فتح کر کے اپنے ایک سردار بہاء الدین طغرل کو دیدیا۔ اور اکثر رئیسوں کو قتل کر دیا۔ باقی جو بچے وہ آوارہ دشت ادبار ہو گئے۔ غرض راجہ اور اس کی اولاد بیانہ سے نکل کر دیہات اور صحرا میں ادھر ادھر سرگرداں پھرتی رہی۔ اور پھر کبھی ان کو خود مختار حکومت نصیب نہیں ہوئی۔

۱۲۔ مہاراجگان قرولی و سبل گڑھ

جب راجہ تہن پال و اس کی اولاد کا قبضہ بیانہ سے اٹھ گیا۔ تو اس کے ایک بیٹے دھرم پال نے دریائے چنبل کے مغربی کنارہ پر قرولی اور مشرقی پر سبل گڑھ آباد کر کے وہاں اپنی راجدھانی بنائی۔ افسوس قرولی کی قدیم تاریخ ہم کو نہیں ملی۔ سمت ۱۵۱۱ بکرمی مطابق ۱۴۵۴ء میں مالوہ کے بادشاہ محمود خلجی نے قرولی کو فتح کر کے اپنے علاقے میں شامل کر لیا تھا۔ اور وہاں کے

جادو راجپوت پہاڑوں اور جنگلوں وغیرہ میں گذر کرنے لگے تھے۔ لیکن اکبر کے وقت میں جبکہ گجرات اور مالوہ کے سوائے راجپوتانہ کے تمام مشہور مقامات اس کے قبضے میں آ گئے۔ تو اس نے بڑی بہادری سے بھیا کر وہ خاندانی راجپوتوں، ور نصیبوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا۔ کرناٹکا قرولی والوں کو بھی بچہ جاگیر اور منصب دیا۔ لیکن دہلی کی سلطنت کمزور ہو جانے پر مرہٹوں نے راجپوتانہ کی دوسری ریاستوں کی طرح قرولی کو بھی اپنا ماتحت بنالیا ۱۸۰۴ء میں مہاراجہ سیندھیا نے سبل گڑھ چھین کر قرولی کو قدیم رئیس کے قبضے میں چھوڑ دیا۔ راجہ قرولی پچیس ہزار روپیہ سالانہ خراج پیشوا کو دیتا تھا۔ جس کے عوض ماچلپور کا پرگنہ سونپ رکھا تھا۔

۱۸۱۷ء میں سرکار انگریزی نے راجپوتانہ وغیرہ سے مرہٹوں کا دخل اٹھا دیا۔ تو سب سے اول راجہ قرولی نے عہدنامہ کے ساتھ سرکاری اطاعت قبول کی۔ اور اس کا خراج بالکل معاف ہو کر پرگنہ ماچلپور چھوڑ دیا گیا۔ راجہ نے یہ درخواست کی تھی کہ چمبل کے جنوب کی طرف والے پرگنے جو سیندھیا نے دبا لئے تھے سرکاری خراج قائم ہو کر اس کو دلائے جائیں۔ لیکن سرکار انگریزی نے سیندھیا کے ساتھ عہدنامہ طے ہو جانے کے سبب یہ کارروائی منظور نہیں کی اس رنجش پر ۱۸۲۵ء میں راجہ ہربخش پال نے عہدنامہ کے برخلاف بھرت پور کی لڑائی میں سرکار انگریزی کے برخلاف راؤ درجن سال کو فوج بھیجکر مدد دی۔ لیکن کچھ عرصے بعد سرکاری اطاعت کے سوا کوئی حرکت اس سے ظاہر نہیں ہوئی۔ مندرجہ ذیل راجہ مہاراجہ اس ریاست میں حکومت کرتے رہے ہیں۔

راجہ ہربخش پال دیو۔ راجہ پرتاب پال دیو۔ راجہ نرسنگھ پال۔ راجہ بھرت پال۔ مہاراجہ مدن پال۔ مہاراجہ جے سنگھ پال۔ مہاراجہ ارجن پال۔ مہاراجہ بھنور پال وغیرہ۔

مہاراجگان بھرت پور

راجہ بہن پال والئی تہن گڑھ کا ایک بیٹا مدن پال تھا جس کی اولاد میں مہاراجگان۔ بھرت پور میں ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ دریائے گنگا اور جمنا کے ساحلوں پر جو جاٹ لوگ آباد ہیں ان کا رئیس اعظم بھرت پور کا فرمانروا ہے۔ تاریخ پٹیالہ میں یہ بھی لکھا ہو کہ ہندوستان میں جو جاٹ کاشتکاروں کا عظیم گروہ آباد ہے۔ وہ اپنے آپ کو نسبی

قوم کی اولاد میں سے جانتے ہیں۔ بیانہ اور بھرت پور کے رہنے والے جاٹ یادو قوم کی ہی شاخ تصور کی جاتی ہیں)
دیکھو تاریخ پنجاب جلد دوم ایڈیشن سوم صفحہ ۴۵۔

شیخ محمد مخدوم صاحب نے بھی تاریخ مرقع الور میں یہ لکھا ہے کہ رئیس بھرت پور کا مورث
راجہ تہن پال جادو راول بیانہ کی اولاد میں سے ہوا ہے جو کرشن جی کے خاندان میں تھا۔ یہ موضع
ن اور سنسنی میں تھا جو اب ریاست بھرت پور کے ماتحت ہیں۔ چھوٹے چھوٹے قلعے بنا کر رہا کرتا
۔ اور رہزنی اور غارتگری کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ اس کے جاٹ بننے کی روایت اس طرح بیر
ن ہے کہ ایک دفعہ ان راجپوتوں کی ایک جماعت کہیں لوٹنے کو جارہی تھی۔ راستے میں جاٹوں
ایک برات مل گئی۔ ان لٹیروں نے اُسے لوٹ لیا۔ اور دولہن کو بھی پکڑ لائے۔ راجپوتوں کا
دار اس دولہن پر عاشق ہوگیا۔ آخر اس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام کھنوں رکھا گیا
جب یہ جوان ہوا۔ تو راجپوتوں نے اس کو اپنی ذات میں شامل نہیں کیا اور بیٹی دینے سے بھی
انکار کر دیا۔ ناچار اس کی شادی جاٹوں میں ہی ہوئی۔ پھر اس کی جو اولاد پیدا ہوئی وہ ہر جگہ جاٹ مشہور
ہوئی۔ اس کھنوں کے چار بیٹے برج۔ بھگوت۔ جھوبجا۔ جینکہا پیدا ہوئے۔ جھوبجا اور جینکہا دونوں
مسلمان ہو گئے جن کی اولاد میوات میں متفرق طور پر آباد ہوگئیں۔ اور برج اور بھگوت آبائی
مذہب پر قائم رہے۔ برج کی اولاد ٹھاکر مشہور ہوئی۔ جو رئیسان بھرت پور کی مورث اعلیٰ بن گئی
اور بھگوت کی اولاد فوجدار کہلائی جن کی ریاست بھرت پور میں بڑی عزت ہوتی ہے۔ چونکہ
موضع سنسنی ان کی سکونت کا اصلی وطن تھا اس وجہ سے ان کا گوت سنسنوال مشہور ہوگیا۔ برج
کے پانچ بیٹے ہوئے جن میں بھاؤ سنگھ ورنجا رام اور چوڑا مل مشہور ہوئے ہیں۔ ان میں
سے اول نامدار آدمی راجہ رام ہوا ہے۔ جسے عالمگیر بادشاہ کے پوتے بیدار بخت نے غارتگری
کے جرم میں سمت ۱۷۴۶ بکرمی مطابق ۱۶۸۹ء میں قتل کرا کر سنسنی کو برباد کر دیا۔ عالمگیر کے بعد
ان لوگوں نے سلطنت کو کمزور دیکھ کر پھر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ ٹھاکر چوڑامن کو جو
راجہ رام کے مرنے کے بعد جاٹوں کا سرگروہ بنا تھا، راستوں کو لوٹ مار سے بچانے کے لئے
فرخ سیر بادشاہ کے وزیر سید عبداللہ نے راؤ بہادر خاں کا خطاب اور کچھ گاؤں جاگیر میں دیے
تھے۔ لیکن جب یہ لوگ فسادی عادتوں سے باز نہ آئے تو وزیر مذکور نے سوائی جے سنگھ
والئی جے پور کو سمت ۱۷۷۵ بکرمی مطابق ۱۷۱۸ء میں چوڑامن کو سزا دینے کے لئے بھیجا مگر اس
کو کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ چوڑامن نے اپنے باغی بھتیجے بدن سنگھ پسر بھاؤ سنگھ کو

قید کر لیا۔ کیونکہ چوڑامن راجہ جے سنگھ سے مل گیا تھا۔ پانچ سال بعد رہا ہوا۔ پھر جے سنگھ کو بھی مدد سے سنہ ۱۷۲۲ میں تھون پر چڑھا لایا۔ چھ ماہ کے بعد محاصرہ کے بعد تھون فتح ہو گیا۔ چوڑامن نے اپنے بیٹے محکم سنگھ سے بہت جھگڑ کر جان کھو بیٹھا۔ بالآخر سنہ ۱۷۸۲ بکرمی میں بدن سنگھ جو اس کا برادر زادہ تھا۔ بہ نسبت محکم سنگھ کے تھوڑے عرصہ میں اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے روپ سنگھ اور بدن سنگھ۔ بدن سنگھ جاٹوں کا سردار رئیس مقرر ہوا جس کو سوائی جے سنگھ نے ڈیگ کے مقام پر راج تلک دیا تھا۔ محمد شاہ بادشاہ کے ضعیف عہد میں بدن سنگھ نے کافی علاقہ پر اپنا قبضہ جما لیا۔ اور کئی چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے۔ اور لوٹ مار شروع کر دی پھر کئی تھون پر مستقل طور سے قابض بن بیٹھا۔ غرض اس کی اولاد رفتہ رفتہ ہندوستان کے اندر راجاؤں میں شمار ہونے لگی۔

بدن سنگھ کے چار بیٹے سورج مل، سوبھا رام، پرتاپ سنگھ اور بیر نرائن پیدا ہوئے۔ ان میں سے سورج مل کو گدی ملی۔ اس نے بھی دہلی کی سلطنت میں ابتری دیکھ کر گرد و نواح کا کل علاقہ لوٹ مار کر اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور ڈیگ اور بھرت پور میں قلعہ بنائے۔ رفتہ رفتہ ایسا زور پکڑا کہ قلعہ آگرہ پر بھی گولہ باری جا لگائی۔ وہاں کا شاہی قلعدار مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا۔ سورج مل نے قلعہ پر قبضہ جما لیا۔ اور اپنا قلعدار مقرر کر کے بھرت پور آ گیا۔ اس کے بعد میوات کا کل علاقہ بھی فتح کر لیا۔ اور قلعہ اودے پور بھی قابض ہو بیٹھا۔ آخر سنہ ۱۸۲۰ بکرمی مطابق سنہ ۱۷۶۳ء میں شاہ عالم کے وزیر نجیب الدولہ کے ساتھ لڑتا ہوا محمد خان بلوچ کے ہاتھ مارا گیا۔ باوجود تلاش بھی اس کی لاش نہ ملی۔ اس کے پانچ بیٹے جواہر سنگھ، رتن سنگھ، نول سنگھ ناہر سنگھ اور رنجیت سنگھ پیدا ہوئے۔ سورج مل کے بعد جواہر سنگھ گدی نشین ہوا۔

یہ سوائی مادھو سنگھ رئیس جے پور کا ہم عہد تھا۔ سنہ ۱۸۲۲ بکرمی میں فوج لے کر دہلی پر جا چڑھا اور اسے فتح کر کے قلعہ کو جاٹوں سے خوب لٹوایا۔ یہاں تک کہ بادشاہی تخت اور قلعہ کے دروازہ کے کواڑ تک کو بھی بھرت پور لے آیا۔ اس کے بعد جے پور میں ابتری دیکھ کر جو مرہٹوں کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھی۔ سوائی مادھو سنگھ سے مقام کا مالک غاصب بنا۔ یہ مقام اس زمانہ میں جے پور کے ماتحت تھا۔ جب ... میں ناکافی ہوئی۔ تو اس نے لشکر کے ... کے بہانے سے جا کر مادھو سنگھ سے لڑائی شروع کر دی۔ اس لڑائی میں اگرچہ کچھواہوں کے بہت سے سردار ... مارے گئے ...

ئے لیکن ان کو فتح ہو گئی - اور جواہر سنگھ شکست کھا کر کشن گڑھ ہوتا ہوا بڑی مشکل سے
ت پور واپس آیا - اور اپنے غرور کی سزا پائی - آخر سمت ۱۸۲۵ بکرمی میں جواہر سنگھ قلعہ آگرہ
دھوکے سے اپنے ملازم مداری خان حیوہ کے ہاتھ سے مارا گیا - اس کی جگہ اس کا بھائی رنجیت
سنگھ گدی پر بیٹھا -

۱۴- راجگان میوات

جب راجہ تہن پال کی اولاد بیانہ سے نکالی گئی - تو اس کا بیٹا باندپال مدت تک اِدھر اُدھر
مارا پھرتا رہا - آخر اس نے ایک پہاڑ کے اوپر سمت ۱۱۷۳ بکرمی میں موضع اجان گڑھ آباد کیا جو قصبہ
ال ریاست بھرت پور سے تین میل کے فاصلے پر ہے وہاں پر باندپال نے اپنی سکونت اختیار
- اس نواح میں ایک مسلمان فقیر حقیقت کیش شاہ نامی رہتا تھا - باندپال اس کی خدمت میں حاضر
ا - اور اپنے لئے دعا کا طالب ہوا - درویش مذکور نے ان کے لئے خدا سے دعا کی جس کی
ہ سے وہ فارغ البال ہو گئے - باندپال کے بعد اس کا بیٹا اننتے پال ہوا - یہ خود اور اس کے
چازاد بھائی اجے پال اور اینتے پال سب اسی اجان گڑھ میں آباد رہے - اننتے پال کے بعد
س کا بیٹا اُدھان پال ہوا - اس نے موضع کلتاج پور پرگنہ تجارہ کے پاس پہاڑ کے اوپر ایک
ضع دور الہ آباد کیا جس کے ویران کھنڈرات اور آبادی کے نشانات آج تک پائے جاتے
یں - اُدھان پال کے بعد اس کا بیٹا انسراج ہوا - اس نے موضع سرہٹہ پرگنہ تجارہ کو آباد کر کے
پال سکونت اختیار کی - اس کے چھ بیٹے پیدا ہوئے - آسی عرف اسجار راجہ - جاسی - لکھن سی
رف لکھو - گوشد راج - لکھن پال - دھرم سی عرف دھرم حل - چنانچہ آسی - جاسی - لکھن سی - اور
نوتھ راج ان چاروں کی اولاد پہلے ہی مسلمان ہو گئی - اس کے بعد لکھن پال کے دو بیٹے سانبر
پال اور شوہر پال بھی ۷۵۳ھ میں فیروز شاہ بادشاہ کے زمانے میں مسلمان ہو کر خانزادگان
میوات کے مورثان اعلےٰ ہوئے ہیں - سانبر پال کا نام بہادر ناہر خاں اور شوہر پال کا
چھجو خاں رکھا گیا -

دھرم سی کے چار بیٹے پیدا ہوئے - جیتل - کونتل - راجل - بیجل -
کہتے ہیں جیتل فقیر ہو گیا - جس کی اولاد سے حسینی فقیر بنے ہیں - کونتل کی اولاد نو گھاؤں

میں آباد ہوئی۔ اور بدھل کی اولاد سے موضع اوندان والے لوگ ہیں۔ چوتھا بیٹا بھجل تھا۔ جو بڑا خدا پرست اور متقی آدمی تھا۔ یہ ہمیشہ اپنے مالک کے گیان دھیان میں مصروف رہتا تھا۔ اسی وجہ سے لکھن پال بھی اس سے بہت محبت رکھتا تھا۔ اور چچازاد بھائی ہونے کی وجہ سے ساہر پال عرف بہادر ناہر خاں بھی اسے بہت چاہتا تھا اور ہمیشہ سیر و شکار میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ جب ساہر پال معہ اپنے اہل و عیال مسلمان بن گیا۔ تو اب یہ بھجل ہی اکیلا ہندو رہ گیا۔ یہ حال دیکھ کر بھجل بہت گھبرایا۔ اور ہمیشہ غمگین اور اداس رہنے لگا۔ اس کو سب سے زیادہ یہ فکر دامنگیر ہو گیا۔ کہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آخر ایک روز ساہر پال عرف بہادر ناہر خاں نے اسے سمجھایا کہ بھائی جب ہم سب کے سب مسلمان ہو چکے ہیں تو اب تم اکیلے ہندو رہ کر کیا کرو گے۔ بہتر یہی ہے کہ تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ جو حال ہم سب کا ہو گا وہی تمہارا ہو رہیگا۔ غرض ان سب بھائی بندوں کے سمجھانے سے آخر یہ بھی اسلام لے آیا۔

چونکہ یہ لاولد تھا۔ اس وجہ سے اس کی دلداری سب بھائیوں کو منظور تھی۔ نیز علم اس کی نیک عادت کی وجہ سے بھی اس کو سب بھائیوں پر ایک خاص بزرگی حاصل تھی۔ اسی وجہ سے اس کے مرنے کے بعد بہادر ناہر کی حسب ہدایت عہد بزرگان قدیم سے بھجل کے نام کی صحنک بھرنی شروع کی گئی۔ جس کا طریقہ یہ تھا۔ کہ چاول لیکر صحنک بھر کر برائے ایصال ثواب اس پر فاتحہ دلا کر غربا اور بچوں وغیرہ میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ تاکہ اس کی روح کو ثواب پہنچے لیکن آج کل اکثر خانزادوں نے اس کی فاتحہ خوانی بند کر دی ہے۔ اور اب بعض لوگ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ بھجل کون تھا۔ لیکن یہ ان لوگوں کی سخت غلطی ہے۔ کیونکہ یہ لکھن پال کا حقیقی بھتیجا اور بہادر ناہر خاں کا چچازاد بھائی تھا۔ مقام کھیرلی پرگنہ رام گڑھ میں ان کا انتقال ہوا تھا۔ وہیں ان کی قبر بنی ہوئی ہے۔ گرد و نواح کے لوگ ان کی قبر پر نذر و نیاز چڑھانے اب تک آتے ہیں اور بڑا اعتقاد رکھتے ہیں۔

۵۔ غیر ملکی مورخوں کے راجپوتوں پر حملے

عاشق علی خاں صاحب ناطق کلانوری نے اپنی کتاب سرتاج التواریخ میں مرزا محمد قاسم فرشتہ کا بہت رونا رویا ہے۔ اور وہ لکھتے ہیں کہ

(محمد قاسم فرشتہ نے راجپوتوں کی نسل کے متعلق خلاف واقعہ بیان تحریر کر کے اسکو مشتبہ قرار دینے کی کوشش کی ہے جو اس کے متعصبانہ خیال کا شاید اصل یہ ہے کہ راجپوت قوم علم سے محروم ہیں اور تاریخوں کے مصنفین دیگر قوم کا افراد تھے) دیکھو تاریخ سرتاج التواریخ صفحہ ۸۔ اگر کوئی معمولی مورخ ایسا لکھتا تو ہم اس کے جواب دینے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن محمد قاسم جیسے مورخ کی غلط بیانی کا ازالہ نہ کرنا ایک قومی گناہ ہے۔ چونکہ عاشق علی خاں نے صرف شکایت تو کر دی لیکن کوئی جواب تحریر نہیں کیا۔ ایسی شکایت ایک محقق یا معترض کے لیے راجپوتوں کی پوزیشن کو صاف کرنے کے لئے بالکل ناکافی ہے۔ لہذا ایک مفصل بیان لکھا جاتا ہے محمد قاسم وغیرہ غیر ملکی مورخوں نے چھتری راجپوتوں اور نو مسلموں کے ساتھ اکثر ایسا ہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اسلامی درباروں میں وہ اپنی گرم بازاری شاہی خوشامد اور راجپوتوں کی ہجو لکھنے میں دیکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس فرض کو بخوبی ادا کیا ہے۔ محمد قاسم کو معتبر مورخ بیان کیا جاتا ہے لیکن یہ کچھ ضروری نہیں کہ اس کے تمام مضامین کو وحی آسمانی سمجھ لیا جائے۔ چنانچہ اس غلط فہمی کو ہم یہاں پر دور کر دیں گے۔

محمد قاسم فرشتہ نے سورج بنسی اور چندر بنسی راجپوتوں کے برخلاف تو کچھ نہیں لکھا۔ کیونکہ ان کے برخلاف لکھنے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ البتہ اگنی کل راجپوتوں کی پیدائش کے متعلق اُن کی نسل کو مشتبہ قرار دینے کی ضرور کوشش کی گئی ہے دیکھو ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۰ فرشتہ صاحب نے اپنے بیان کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل یا حوالہ بھی نہیں دیا صرف یہ لکھ دیا ہے کہ منقول ہے۔ اس لفظ منقول سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف سنی سنائی بات لکھ دی ہے۔ بہت ممکن ہے بعض لوگ اپنی ناواقفیت کی بدولت فرشتہ کو حقیقی فرشتہ سمجھتے ہوں جس سے اس کے بیان کو صحیفہ آسمانی قرار دیتے ہوں۔ حالانکہ ان کا مندرجہ بالا بیان محض غلط ہے۔

محمد قاسم کی غلط بیانیاں

اگرچہ فرشتہ صاحب کی تاریخ کا ماخذ مسلمان مورخوں کی فارسی تاریخیں ہیں۔ لیکن ہم نہایت وثوق سے یہ کہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کی تاریخ جب بھی لکھی گئی راجپوتوں کے حسب نسب کو مکروہ یا مشتبہ قرار دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ان کے بعد مورخین متاخرین کی باری آئی۔ جن میں زیادہ تر انگریز اور انگریزی داں ہندوستانی پائے جاتے ہیں۔ کہ ان لوگوں نے ان کی کل راجپوتوں کو ترک۔ ہُن اور سیتھیا وغیرہ نسل کی اولاد ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ لیکن ان کی نسل کو مکروہ یا مشتبہ کسی نے بھی ثابت نہیں کیا۔ فرشتہ کی غلط بیانیاں ثابت کرنے میں کچھ ہم ہی اکیلے نہیں ہیں بلکہ دوسرے مورخوں نے بھی ان کی غلطیاں ثابت کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) فرشتہ کی مخالفت راجپوتوں کے ساتھ کئی وجوہات سے ہے۔ اول یہ کہ راجپوت ہندو ہیں۔ اس لئے تعصب مذہبی سے ان کو برا بھلا لکھا ہے۔ دوئم یہ کہ راجپوتوں کی لڑائیاں مغل بادشاہوں سے زیادہ تر ہوئی ہیں۔ اور فرشتہ صاحب بھی مغل قوم سے تھے پس قومی طرفداری سے بدگوئی کی گئی ہے۔ سوئم یہ کہ ابوالفضل کی تاریخ اکبر نامہ انہوں نے پڑھی ہے۔ جس میں اس خوشامدی مورخ نے بادشاہوں کی فتوحات اور راجپوتوں کی شکستیں اور ان کی قومی توہین اچھی طرح دکھائی ہے۔ بالکل اسی کی نقل فرشتہ صاحب نے بھی کر دی ہے۔ چہارم یہ کہ فرشتہ کے آباؤ اجداد ہندو مشاہ وغیرہ شاہی درباروں میں عرصے تک ملازم رہے۔ جن کی لڑائیاں ہمیشہ راجپوتوں سے ہوتی تھیں۔ پس فرشتہ نے اپنے بزرگوں کی مدح وستائش اور ان کے مخالفین کی ہجو لکھنی ضروری خیال کی ہے نتیجہ یہ کہ مسلمان بادشاہوں نے راجپوتوں سے ناطے رشتے کرنے شروع کر دیئے جن سے راجپوت لوگ بھی دربار شاہی میں دیگر امرا اور وزرا کی ہمسری کرنے لگے تھے۔ اور یہ امر مسلمان امرا کو ناگوار گذرا۔ اس لئے راجپوتوں کی نسل کے متعلق ہرزہ سرائی کی گئی ہے۔ تاکہ بادشاہوں کو ان کے ساتھ ناطے رشتے کرنے سے نفرت پیدا ہو جائے

(۲) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(تاریخ فرشتہ میں بہرحال موضوعات کے بہت تھوڑے نہ فرشتہ نے لکھا ہے

کہانی گھڑی ہوئی ہے ۔ مگر وہ دلچسپ ایسی بنائی گئی ہے کہ ان مورخوں نے جو تحقیق
سے غرض نہیں رکھتے ہو بہو نقل کر دیا ہو ۔ البو ریحان بیرونی نے صحیح لکھا ہے کہ سومنات
ایک لنگ تھا اور یہ بت ہر شخص جانتا ہے کہ لنگ کے پیٹ نہیں ہوتا جو دس میں جواہر بھرے جاتا
ہندوستان میں لنگ کے بارہ مندر ہیں انہیں ایک مندر سومنات کا بھی ہے) دیکھو تاریخ ہندوستان جلد اول ۱۲۹
(۳) شیخ سلطان حمید صاحب وارثی ۔ ایم ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل ۔ بی وکیل اٹاوہ فتوحات
علاء الدین خلجی کے بیان میں اس طرح لکھتے ہیں کہ
(البو القاسم فرشتہ بھی قصہ گوئی میں کسی سے کم نہ تھا جیسے افسانوں کو واقعیت سے کوئی بھی سروکار
نہیں ہو جیسا پدمنی کی داستان عشق کو اسے بالکل غلط لکھا ہے) دیکھو سالنامہ اخبار مونس اٹاوہ ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۱
(۴) دوسری جگہ مولوی ذکاء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ
(فرشتہ نے اپنی تاریخ میں جو یہ لکھا ہے ۔ کہ علاء الدین خلجی نے راستہ میں دکن کو جاتے ہوئے
جھوٹ بول کر یہ مشہور کر دیا تھا ۔ کہ میں اپنے چچا سے ناراض ہو کر راجہ مندری کی نوکری کرنے جاتا
ہوں اس بیان پر انگریز مورخ مسلمان بادشاہوں پر دروغ گوئی کا الزام لگاتے ہیں ۔
حالانکہ فرشتہ کا یہ تمام بیان پایۂ اعتبار سے بالکل ساقط ہے) دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۱۲۸ ۔
(۵) میاں محمد حسین خاں منہاس قومی مورخ لکھتے ہیں کہ ۔
(فرشتہ نے ایک شخص کامل خاں کو محمود غزنوی کا جرنیل لکھا ہے اس کے سوا اور کسی
تاریخ میں آج تک کامل خاں کا نام نظر سے نہیں گذرا ۔ اور نہ محمود غزنوی کے جرنیلوں
میں اس نام کا کوئی جرنیل پنجاب میں سکونت پذیر ہوا ۔ یہ محض فرشتہ صاحب کی دماغی اختراع
ہے) دیکھو اخبار مسلم راجپوت گڑھ شنکر مطبوعہ $\frac{3}{36}$ ۲۶ صفحہ ۵ کالم ایک ۔
(۶) رانا سانگا کو راجہ دہلی و اجمیر کا ایک جدی ہم قبیلہ فرشتہ نے لکھا ہے) دیکھو تاریخ
فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۹۷ ۔
حالانکہ یہ محض غلط ہے رانا سانگا چھتری نسل کا اور سورج بنسی تھا اور پرتھی راج اگ
بنسی چوہان تھا ۔ ان تمام حوالوں سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ فرشتہ صاحب نے تاریخی
حالات بغیر تحقیق کئے لکھے ہیں ۔ اور انہیں غلط واقعات میں سے ایک یہ واقعہ ہے جو راجپوتوں
کی نسل کے متعلق لکھا گیا ہے ۔ محمد قاسم فرشتہ کی قوم کے متعلق بھی تاریخوں کے اندر بہت
سے مکروہ اور متضبہ بیانات تحریر کئے گئے ہیں ۔ جن کے لئے ہم فرشتہ صاحب کے ہم

خیالوں کی تعریف تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۳۳۲ اور جلد سوئم صفحہ ۹ مصنفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی کے مطالعہ کی طرف دلانا چاہتے ہیں۔ امید ہے ان حوالوں کو پڑھ کر پرشتہ اور ان کے ہم خیالوں کی عقل درست ہو جائے گی۔

چو تیر انداختی بر روئے دشمن ۔ ۔ حذر کن کاندر آماجش نشستی

۲۔ لفظ راجپوت اور چھتری کا ایک ہی مفہوم ہونا

اس موقعہ پر ہم مندرجہ ذیل تاریخی ثبوت اسے بھی پیش کرتے ہیں۔ جن کے ذریعہ راجپوت اور چھتری ایک ہی قوم ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) مسٹر وید نے مختلف تاریخی حوالوں سے اور اپنی مضبوط دلائل سے اس امر کو مشتبہ طور سے ثابت کر دیا ہے کہ راجپوت اور کشتری دو الگ الگ قومیں نہیں ہیں۔ بلکہ قدیم زمانہ سے ہی ایک چلی آتی ہیں۔ اور ان کے خط و خال جسم کی بناوٹ اور عادات و اطوار وغیرہ ان کو کلی طور پر آریہ نسل سے ثابت کرتی ہیں۔ نیز راجستھان کی کشتری کلوں کی روایات بھی ان کو سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان سے ہی بتاتی ہیں۔ برہمن۔ ویش۔ جاٹ۔ راجپوت کشتری وغیرہ محض قبیلوں کے نام تھے۔ جن میں یہ نام محض پیشوں کے لحاظ سے پائے جاتے ہیں۔ اگنی کل کا قصہ بھی بالکل غلط اور فرضی ہے۔ مسٹر وید لکھتے ہیں کہ اس فرضی کہانی کو سب سے پہلے پرتھی راج کے بھاٹ چاند نے اپنی نظم میں درج کیا ہے۔ اور یہ محض اس کے شاعرانہ خیال کو ظاہر کرتی ہے۔ ورنہ چاند خود بھی یہ نہیں مانتا تھا۔ اور نہ اس کہانی سے یہ بتانا چاہتا تھا۔ کہ کشتریوں اور راجپوتوں کی کلیں الگ الگ ہیں۔ یا راجپوتوں کی کلیں دوسری جاتیوں میں سے پیدا کی گئی ہیں۔ عام لوگ جن میں کشتری اور برہمن لوگ بھی داخل تھے دھن کمانے میں لگ گئے کیونکہ آرام سے زندگی بسر کرنیکا سب سے اچھا طریقہ دھن کمانیکا ہی ہے چونکہ یہ طریقہ سب سے آسان تھا۔ اسلئے عام لوگوں نے کھیتی کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ کشتریوں کا جنگوں میں لڑنیکا کام تھا یہ کام مشکل ہونیکی وجہ سے لوگ اس سے کنارہ کش ہونے لگے۔ اس وجہ سے کشتریوں کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی۔ ان کشتریوں نے اپنے غرور کو قائم رکھنے کے لئے کھیتی کرنے والوں کو بھی شودر سمجھنا شروع کر دیا۔ بدھ دھرم کے غلبہ کے وقت کشتریوں کی تعداد بالکل ہی کم ہو گئی تھی۔ جب بیرونی اقوام کے حملے ہندوستان پر شروع ہوئے۔ تب معلوم ہوتا ہے کہ ان پرانے کشتریوں میں جو کاشتکار

بن گئے تھے نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے کشتری نسل کو عروج دیا گیا۔ لیکن خون کی پاکیزگی کا خیال ایسے زور سے ہندوؤں میں داخل ہو گیا تھا کہ ذرا سے تغیر سے بھی فوراً نئی ذات بنانے کا رواج پڑ گیا۔ نیز پرسرام کے حملوں کے وقت بھی بہت سے کشتریوں نے جنگی کام چھوڑ کر کھیتی کو بھی اپنا پیشہ بنا لیا تھا) دیکھو تاریخ راجستھان بھائی پرمانند صاحب ایم۔ اے مطبوعہ مرکنٹائل پریس لاہور جون ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۸۵ ، ۱۸۷ ۔

(۲) مولوی نجم الغنی صاحب رامپوری بھی یہ لکھتے ہیں کہ (آریہ ہندوؤں کی ابتدائی چار قومیں یعنی برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ و شودر ہیں سے قسم دوم یعنی چھتری کو راجپوت بھی کہتے ہیں) دیکھو تاریخ راجگان ہند مطبوعہ نجم پریس لکھنؤ صفحہ ۳۶ ۔

(۳) مسٹر الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی اپنی تاریخ ہندوستان میں تحریر فرماتے ہیں کہ (حال کے جو مورخ راجپوتوں کو چھتری خیال کرنے میں تامل کرتے ہیں اور تکشک ہن اور سیتھا وغیرہ نسل سے بتاتے ہیں وہ درست نہیں ہے۔ جاٹ لوگ اگر سیتھیا نسل سے ہوں تو ہوں۔ لیکن راجپوت سب کے سب خالص آریہ ہندو ہیں۔ البتہ اگر یہ خیال کیا جائے کہ آریہ ہندو اور سیتھیا نسل والے ایک ہی نسل سے پیدا ہوئے تھے جیسا کہ ٹاڈ صاحب بھی مانتے ہیں لیکن بعد میں اپنے اپنے مخصوصات کے سبب سے جدا جدا قومیں بن گئی ہیں۔ تو اس معاملہ پر گفتگو کرنے کی بالکل حاجت نہ ہوگی۔

آٹھویں صدی سے بہت پہلے منو کا قانون بن چکا تھا جس میں ذات پات کی بڑی بڑی قیدیں لگائی ہوئی تھیں۔ پس زنار دار قوموں میں دوسری باہر کی آئی ہوئی قومیں کسی طرح بھی نہیں مل سکتی تھیں۔ کیونکہ آریہ ہندو بہت فخر کرنے والے اور مغرور تھے۔ اپنے آپ کو سب سے بڑا جانتے تھے۔ یہاں تک کہ انسانی اولاد ہونے سے بھی دیوتا تک جانتے تھے۔ اسی وجہ سے اپنے آپ کو سورج بنسی اور چندر بنسی کہلانے میں نہایت فخر سمجھتے تھے۔ اپنا نام بھی آریہ یعنی مقدس رکھا تھا۔ پس ایسی حالت میں ان کے اندر غیر ملک کے لوگوں کا ایسے زمانہ میں داخل ہو کر جذب اور مخلوط ہو جانا جبکہ منو کے قوانین کی رو سے ان میں آپس میں بہت کامل امتیاز پیدا ہو چکا تھا نہایت دشوار امر ہے۔

بعض لوگ اگنی کل کی پیدائش سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ راجپوت قوم بہت بعد کی پیدائش ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگنی کل کی کہانی چاند بھاٹ کی گھڑی ہوئی ہے۔ جو محض اس کے

خفا اور خیال ہیں ۔ ورنہ اس کی اصلیت کچھ بھی نہیں ہے ۔ اور جاندرس کہانی سے یہ بتانا چاہتا تھا کہ کشتری اور راجپوتوں کی نسلیں الگ الگ ہیں ۔ کیونکہ اس نے اس کے بعد درج خود پرتھی راج چوہان کی بھی جنگ ہوتی تھی ۔

دوئم یہ کہ جب ہندوؤں کی تاریخیں اور ان کی مذہبی پاتھیں کو دوسرے مذاہب والے غلط اور قانون قدرت کے خلاف مانتے ہیں تو پھر اگنی کل کی پیدائش کو ہی کیوں صحیح مانا جاتا ہے ۔ نیز اگنی کل کی پیدائش صرف آبو پہاڑ کے گرد و نواح میں ہوئی بیان کی گئی ہے ۔ جو کل ہندوستان میں ۔ لیکن جس زمانہ میں اگنی کل کی پیدائش بتائی جاتی ہے ۔ اس وقت آبو پہاڑ کے گرد و نواح میں تک ہن اور سنتھیا نسل کا وجود ہی نہ تھا ۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہندوستان کے مغرب کی طرف یعنی زابلستان وغیرہ سے آئے ہوئے لوگ راجپوت بن گئے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یا دو خاندان کی ایک بڑی تعداد جو قدیم زمانہ میں ہندوستان ہی سے گئی تھی وہ دریائے اٹک کے پار سے واپس آ گئی ۔ یہ لوگ کرشن جی کی وفات کے بعد اپنے دارالخلافہ دوارکا سے قدیم زمانہ میں ہی چلی گئی تھی ۔ بہت ممکن ہے انہیں لوگوں کی واپسی پر ان کو راجپوت بتایا گیا ہو ۔ حالانکہ یہ لوگ خالص آریہ نسل سے ثابت ہو چکے ہیں ۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ راجپوتوں کا مذہب اور چال چلن سنتھیا وغیرہ اقوام کے مذہب اور چال چلن سے ملتا ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان قوموں کی جتنی مشابہت چال چلن اور مذہب کے بارہ میں راجپوتوں سے ہے ۔ اس سے بہت زیادہ مشابہت برہمنوں و چھتریوں اور ویشوں وغیرہ سے ہے ۔ راجپوتوں کی زبان سنسکرت اور ہندی بھاشا ہے ۔ لیکن سنتھیا وغیرہ اقوام کی زبان کا ایک لفظ بھی سنسکرت یا ہندی بھاشا زبان میں نہیں پایا جاتا ۔ پس یہ دلیل بھی محض غلط ہے ۔

بعض لوگ راجپوت قوم کے نام سنتھیا وغیرہ کے ناموں سے ملتے جلتے بتاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آریاؤں میں سے بھی بہت سی قوموں کے نام ان قوموں سے ملتے جلتے ہیں پس یہ دلیل بھی کوئی معنی نہیں رکھتی ۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ دریائے اٹک کے آس پاس ایسے لوگ موجود پائے جاتے ہیں جو ہندوؤں اور سنتھیا وغیرہ اقوام کی آمیزش سے پیدا ہوئے ہیں ۔ اس کا جواب

یہ ہے کہ یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ اس قسم کی پیدائش سے صرف راجپوت ہی ہو سکتے ہیں اور دوسرے لوگ نہیں ہو سکتے نیز ہندوستان میں ایرانی۔ ترک۔ عرب۔ انگریز۔ افغان وغیرہ مدتوں سے یہاں فاتح کی حیثیت سے آکر رہے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی قوم کو بھی ہندو قوم کی فہرست میں جگہ نہیں ملی۔ پھر شک۔ ہن اور سیتھیا والے ہی کس طرح جذب ہو گئے۔) دیکھو تاریخ راجگان ہند مولوی نجم الغنی صاحب رامپوری مطبوعہ لکھنؤ بحوالہ تاریخ ہندوستان مسٹر الفنسٹن صاحب صفحہ ۱۵ لغایت ۱۸۔

(۴) سید محسن مرزا صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی و عبدالحمید خاں صاحب نیازی ایم۔ اے پروفیسر ہسٹری یہ لکھتے ہیں کہ (اسمتھ صاحب اور دیگر مورخین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جب باہر کی قومیں سیتھیا۔ کشان اور ہن وغیرہ ہندوستان پر حملہ آور ہوئیں تو ان کے سردار لوگوں نے تو آریہ لوگوں میں مل جل کر ان کے ساتھ شادیاں کر لیں اور انہوں نے اپنا نام بجائے کشتری کے راجپوت رکھ لیا۔ لیکن ان سرداروں کے ساتھ جو دوسرے لوگ سپاہی وغیرہ آئے تھے ان کی نیچی ذاتیں مقرر ہو گئیں چنانچہ ایک ہی قوم کے لوگوں میں سے سردار لوگ تو راجپوت اور باقی لوگ گوجر جاٹ وغیرہ کہلانے لگے) دیکھو تاریخ ہند مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور سنہ ۱۹۳۱ء صفحہ ۴۰۔

(۵) یہی صاحبان دوسری جگہ یہ لکھتے ہیں کہ (جس طرح مسلمانوں میں مختلف قبیلوں اور مختلف مقاموں کی رہنے کی وجہ سے ہندوستان میں آکر مختلف قومیں کہلانے لگیں، اسی طرح ہندوستان کے فاتح آریہ ہن۔ کشان وغیرہ بھی مختلف قبیلوں اور مختلف جگہوں کے رہنے کی وجہ سے آریہ اور راجپوت وغیرہ کہلانے لگے ہیں) دیکھو تاریخ ہندوستان ایضاً صفحہ ۴۷۔

البتہ قدیم آریہ اور جدید آریہ کا فرق ضرور کہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ بعد میں آنیوالے آریہ لوگ بھی اسی سرزمین اور اسی قوم سے تعلق رکھنے والے ہیں جس سے قوم آریہ تعلق رکھتی ہے۔ آریاؤں کی یہ آمد صرف ایک دفعہ میں ہی ختم نہیں ہو گئی تھی۔ بلکہ مختلف اوقات میں ایک عرصے تک ہندوستان میں آتے رہے اور اپنے پرانے بھائی ہندوؤں میں ملتے جلتے رہے۔ یہی وہ اختلاط ہے جس کو مورخوں نے نو وارد قوموں کو آریہ ہندوؤں میں جذب ہو کر ایک قوم بن جانا بیان کیا ہے۔ لہذا قدیم آریاؤں کو جدید آریوں پر بجز اس کے

اور کچھ ثبوت حاصل نہیں ہے کہ وہ فوراً پہلے ہندوستان میں آگئے تھے۔ اور نہیں جدید آریہ یعنی بعد میں آنے والے آریائی لوگ راجپوت کہے جا سکتے ہیں۔ ورنہ اصل سبب کی ایک ہی ہے جو لوگ راجپوت اور چھتریوں کو ایک قوم نہیں سمجھتے۔ ان کے پاس کوئی بھی معیار ایسا نہیں ہے جس کے ذریعہ وہ موجودہ باشندوں میں سے راجپوت اور چھتریوں کو الگ الگ انتخاب کر سکیں۔ اس دعوے کے متعلق ذیل ثبوت پیش کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ (جب آریاؤں کے متعدد گروہ اسی طرح مختلف وقتوں میں شمالی و مغربی ملکوں سے آتے اور آکر ہندوستان میں سکونت پذیر ہوتے رہے اور پہلے آئے ہوئے آریاؤں میں ملتے جلتے رہے تو پھر لفظ ہندو نئی آریوں کے لئے کوئی اذیت رساں اور رنجیدہ مفہوم باقی نہیں رہا) دیکھو مقدمہ تاریخ ہند قدیم صفحہ ۹۰۔

(۲) ڈاکٹر لیبان صاحب کتاب تمدن ہند میں فرماتے ہیں کہ (ہندوستان میں بیرونی اقوام کی آمد کا سلسلہ شمال و مغرب کی جانب سے عرصے تک جاری رہا۔ اور ہر سو یا پچاس سال کے بعد کوئی نہ کوئی آریاؤں کا گروہ فاتحانہ داخل ہو کر اس ملک میں سکونت اختیار کر لیتا ہے) بحوالہ مقدمہ تاریخ ہند قدیم صفحہ ۱۱۵۔

(۳) پروفیسر سیتا رام صاحب کوہلی ایم۔ اے اور ڈاکٹر ایشوری پرشاد صاحب ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل الہ آباد لکھتے ہیں کہ (ہندوستان کے باشندے مختلف زمانوں میں یہاں آئے۔ اور آریوں سے ملتے رہے۔ یہاں آنے کے بعد ان میں اور آریاؤں میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ بلکہ وہ آریہ قوم کا ایک جزو بن گئے۔ اور ہندو مذہب اختیار کرنے کے بوجہ حکومت چھتری مشہور ہو گئے۔ ہندوستان میں ان کی آمد کا سلسلہ کئی صدیوں تک جاری رہا) تاریخ ہند حصہ اول صفحہ ۸۷۔

(۴) مسٹر ہارسٹن صاحب لکھتے ہیں کہ (لفظ راجپوت کے معنی راجاؤں کے بیٹے کے ہیں۔ ان راجپوتوں میں بہت سے تو پرانے زمانے کے ان کشتری راجکماروں کی نسل سے ہیں جو آریہ تھے اور بعض ان قوموں کے راجکماروں کی اولاد میں سے ہیں جو آریوں کے بعد ہندوستان میں آئے۔ پھر صدیوں تک رہتے رہتے ہندو بن گئے۔ اور پرانے زمانہ کے چھتریوں میں اور ان میں کوئی تمیز باقی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی شاہی نسل سے تھے۔ اور حکمرانی اور جنگ جوئی ان کا قدیم کام تھا) دیکھو تاریخ ہند حصہ اول صفحہ ۳۸۔

ان تمام حوالوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ ہندوستان کے موجودہ راجپوتوں میں چھتری
رراجپوت کی کوئی الگ الگ تمیز موجود نہیں ہے۔ اور سب کے سب راجپوت کہلاتے ہیں

۱- حال کی تحقیقات کے مطابق آریاؤں کا قدیم وطن

جن لوگوں نے ہندوستان کے رہنے والے آریاؤں کا اصلی اور قدیمی وطن وسط ایشیا
ما ہے اور اس جگہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ والوں کو چھتری خیال نہیں کرتے۔ وہ زمانہ حال
تحقیقات کو ملاحظہ فرمائیں۔ جو پروفیسر سیتا رام کوہلی و ڈاکٹر ایشوری پرشاد صاحب
ایم اے۔ ایل ایل۔ بی وکیل الہ آباد اور مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی نے
اپنی تاریخوں میں لکھی ہے۔ اس کو پڑھنے سے آریاؤں کا قدیمی اور اصلی وطن وسط ایشیا
غلط ثابت ہو رہا ہے۔ یہ صاحبان لکھتے ہیں کہ آریہ کس وطن سے نکلے۔ کب نکلے۔ کس
زمانہ میں کس کس ملک میں جاکر آباد ہوئے۔ اس بات کی بابت محقق لوگوں
ابھی تک بہت اختلاف رائے ہے۔ اول ہی اول یورپین فاضلوں نے اس کی نسبت
ے قائم کی تھی وہ یہ ہے کہ آریہ نسل شروع میں وسط ایشیا کے ممالک مثلاً بحیرہ کیسپین
سعود اور سلسلہ کوہ قاف کے متصل علاقہ میں آباد تھے۔ اور یہاں سے رفتہ رفتہ یورپ
ندوستان میں پھیلتے گئے۔ لیکن ان فاضلوں کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اس نسل
رانی وطن وسط ایشیا ہرگز نہیں بلکہ شمالی قطب کے نزدیک تھا۔ اور اسی علاقہ میں
ن اور ناروے کے ملک بھی شامل ہیں۔ اس خیال کے ماننے والوں میں سے مہاتما
نگا دھر تلک بھی ایک تھے۔ ایک تیسرا گروہ بھی ہے جس میں ایک بنگالی فاضل مسٹر
نس چندر داس ہے۔ ان کا یہ دعوے ہے کہ آریاؤں کا اصلی وطن وہ علاقہ ہے
رگوید میں سپت سندھو لکھا گیا ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے جو دریائے کابل سندھ
اب کے پانچوں دریاؤں اور سرسوتی ندی سے سیراب ہوتا ہے۔ اور جس کو آج کل
کہا جاتا ہے۔ آریہ لوگ یہاں سے نکل کر کوہ ہندوکش کے دروں سے گذرتے
پہلے ایران اور پھر وہاں سے یورپ میں جا بسے۔ حال ہی میں ایک انگریز محقق مسٹر
نے ایک نیا خیال پیش کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آریہ لوگ کوہ ہمالیہ کے درمیانی علاقوں
کرتے تھے۔ پھر وہاں سے اتر کر ہندوستان میں آ بسے۔ اور سب سے اول انہوں

نے الہ آباد (اجودھیا) بسایا۔ اور پھر یہاں سے شمال و جنوب کی جانب پھیل گیا۔ اور یہاں سے ہوتے ہوتے کوہ ہندوکش تک معمور کر کے رفتہ رفتہ وہ لوگ ہندوستان سے باہر گئے۔ اور پھر اس کے بعد ایران۔ یونان اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں جا کر آباد ہو گئے۔ آریہ یہی خیال آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں ظاہر کیا ہے۔ ان کا بھی یہ خیال ہے کہ آریہ لوگ ملک تبت سے جہاں وہ پہلے رہا کرتے تھے نیچے اتر کر ہندوستان میں آ بسے۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام سنسکرت لٹریچر میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ آریہ لوگ غیر ممالک سے آ کر یہاں آ بسے تھے۔

غرض محقق لوگ برابر اس بات پر غور کر رہے ہیں اور نئے نئے خیالات پیش کر رہے ہیں اس لئے ابھی تک پورے طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ آریہ نسل کا ابتدائی وطن کہاں تھا۔ (دیکھو تاریخ ہند حصہ اوّل سیتارام کوہلی و ڈاکٹر ایشوری پرشاد مطبوعہ انڈین پریس الہ آباد ۱۹۲۳ء صفحہ ۱۱۔ اور مقدمہ تاریخ ہند قدیم اکبر شاہ خاں صاحب مطبوعہ مدینہ پریس بجنور ۱۹۲۳ء صفحہ ۶۸۔

ان تمام تحریروں سے ثابت ہو رہا ہے کہ جو لوگ صرف وسط ایشیا کے علاقہ تاتار و منگولیا وغیرہ کے باشندوں کو ہی اصلی آریہ سمجھتے ہیں اور دوسری جگہ سے آئے ہوؤں کو غیر آریہ ہٹکر چھتری اور راجپوت وغیرہ کی قومی تفریق پیدا کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اور ان کا یہ موہوم دعوے کہ راجپوت لوگ چھتری نہیں ہیں قطعی غلط ثابت ہو گیا۔

۴۔ لفظ راجپوت کی وجہ تسمیہ

لفظ راجپوت کے معنی راجا کا بیٹا یا شاہزادہ ہے۔ اور راجپوت۔ راجکمار۔ راجکنور وغیرہ الفاظ سب ہم معنی ہیں۔

آریاؤں کے ہندوستان میں آنے سے ایک ہزار برس بعد منوسمرتی لکھی گئی ہے۔ اور آریہ لوگ اس ایک ہزار سال کی مدت تک ایسی حالت میں رہے جس میں ذات پات کا مطلق لحاظ نہ تھا۔ اس کے بعد منو جی نے بلحاظ پیشہ ان کی چار ذاتیں برہمن۔ چھتری۔ ویش اور شودر قائم کیں۔ چھتریوں میں راجہ اور سپاہی لوگ شامل تھے۔ جن کا کام ملک کی حفاظت کرنا تھا۔ یہ لوگ اپنے باہمی اتفاق سے جس شخص کو اپنی قوم میں زیادہ لائق اور بہادر سمجھتے

تھے ۔ اپنا سردار بنا لیتے تھے ۔ اس سردار کا خطاب رائے یا راجہ مقرر تھا ۔ انہیں راجوں یا راجاؤں کی اولادوں کو راجپوت کہا جاتا ہے ۔ البتہ اس پر یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے ۔ کہ اگر راجہ چھتری نسل کے علاوہ کسی دوسری نسل کا ہو ۔ تو اس کا لڑکا بھی راجپوت کہلائیگا یا نہیں ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ منو کے قانون کے مطابق دوسری نسل کا آدمی راجہ ہو ہی نہیں سکتا ۔ اور نہ چھتری لوگ کسی غیر کو راجہ بننے دیتے تھے ۔ کیونکہ اس میں ان کی ہتک ہوتی تھی ۔ پس یہ سوال ہی غیر متعلق ہو گیا بفرض محال ایسا ہو بھی تو گو معنوں کے لحاظ سے اس غیر چھتری نسل کے راجہ کی اولاد کو بھی راجپوت ہی کہہ سکتے ہیں ۔ کیونکہ راجپوت کے معنی ہی راجہ کا بیٹا ہے ۔ لیکن بلحاظ قوم اس غیر چھتری نسل کے راجہ کی اولاد کو ہرگز راجپوت نہیں کہہ سکتے ۔ مثلاً موجودہ زمانہ میں بھرت پور کا راجہ قوم سے جاٹ کہلایا ہے ۔ تو اب اس کے بیٹے کو راجپوت نہیں کہا جائیگا گو لروہ بھی راجہ کا ہی بیٹا ہے پس اس لحاظ سے جاٹ کا بیٹا جاٹ اور راجپوت کا راجپوت کہلائیگا اور راجگی کا عہدہ یا خطاب مل جانے سے اسکی قومیت نہیں بدل جائیگی ۔

۵ ۔ لفظ راجپوت کب ایجاد ہوا

اس میں شک نہیں کہ آٹھویں صدی سے پہلے تاریخوں کے اندر راجپوت لفظ کا اطلاق قوم یا ذات کے معنوں میں بالکل نہیں پایا جاتا ۔ لیکن اس لفظ کا استعمال سنسکرت کے علم ادب میں ہمیشہ سے چلا آتا ہے ۔ واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجپوت کا لفظ قوم یا ذات کے معنوں میں مسلمان بادشاہوں کے زمانہ کی ساخت ہے ۔ شاہی زمانہ میں چھتری لفظ کی بجائے اس راجپوت لفظ کی زیادہ وقعت ہوتی تھی ۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہ لفظ صرف شاہی خاندان کے افراد کے لئے مخصوص تھا ۔ مسلمانوں کے نزدیک راجپوت لفظ کے معنے ایسے ہی سمجھے جاتے ہیں جیسے عربوں میں امیر کے ۔ پٹھانوں میں خان کے اور مغلوں میں بیگ کے ہوتے ہیں ۔ اور یہ سب الفاظ سرداروں کے معنوں میں بولے جاتے ہیں گویا راجپوت کا لفظ صرف حکمران جماعت کے لئے اور چھتری کا لفظ بہ حیثیت مجموعی کل جماعت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا ۔ یا یوں کہو کہ چھتری کا لفظ عام ہے جس میں حکمران اور غیر حکمران سب شامل ہیں لیکن راجپوت کا لفظ خاص ہے ۔ جو صرف سردار یا راجہ کے لئے ہی مخصوص ہے ۔ البتہ شاہی درباروں میں راجپوتوں کے اس اعزازی خطاب کو دیکھکر بعد میں تمام چھتری لوگ بھی اپنے آپ کو راجپوت ہی کہنے لگ گئے تھے ۔

گو پہلے راجپوت کا لفظ شروع میں بطور خطاب ہوا کرتا تھا۔ لیکن آجکل تمام قوم کے معنوں میں سمجھا جاتا ہے اور چھتری اور راجپوت کے الفاظ لازم و ملزوم بن گئے ہیں۔ بلکہ قوم یا ذات کیلئے آجکل راجپوت لفظ کے عام رواج نے لفظ چھتری کو بالکل ہی معدوم کر دیا ہے۔ سرکاری یا نجی کاغذات وغیرہ میں بھی قوم یا ذات کیلئے لفظ چھتری کہیں ہی لکھا جاتا ہے بلکہ راجپوت لکھا جاتا ہے۔ اگر آپ مردم شماری کا گزیٹیر اٹھا کر دیکھیں گے جس میں کل ہندوستان کی قوموں کے نام درج ہیں۔ تو اس میں بھی چھتری قوم آپ کو کہیں بھی نظر نہ آئے گی۔ بلکہ اس کے بجائے راجپوت کا لفظ لکھا ہوا ملیگا۔ چنانچہ گزیٹیر مردم شماری پنجاب سنہ ۱۹۳۱ء کے صفحہ ۲۱۴ میں لکھا ہوا ہے کہ

(لفظ راجپوت زمانہ قدیم کی کشتری ذات سے مشہور ہوا ہے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں چھتری کا لفظ بالکل معدوم یا متروک ہو گیا ہے۔ اور اس کی جگہ راجپوت کا لفظ ہر جگہ استعمال ہو رہا ہے۔

۶۔ راجپوتوں کی قومی شرافت کے متعلق مورخین کی رائیں

کرنل جیمز ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ راجپوتوں کی قومی شرافت کو آپ بچہ بچہ کی زبان سے سن لیجئے وہ نہ تاریخوں کے محتاج ہیں اور نہ مورخوں کے دست نگر۔ بلکہ ان کے بزرگوں کے حالات ہی ایسے ہیں جو کسی دل سے فراموش ہونے والے نہیں۔

راجپوتوں میں غیر شریف کو مطلق راج گدی نہیں دی جاتی۔ اگر کبھی ایسا عمل ہوا بھی ہے تو راجہ کے بھائی بھتیجوں نے اس کی ماتحتی سے صاف انکار کر دیا ہے۔ اور بغاوت کر کے فوراً اُسے گدی سے اتار دیا ہے۔ مثلاً میواڑ کے سرداروں نے باہمی رنجش سے بکرماجیت کی جگہ بان بیر سنگھ کو جو کنیز ک زادہ تھا راجہ بنا لیا۔ مگر پھر سرداروں نے فوراً پنچایت کر کے اسے گدی سے اتار دیا۔ اسی طرح شیو دان سنگھ رئیس الور کا بیٹا جسونت سنگھ مال کی طرف سے داغدار تھا۔ اُسے شریف نہ سمجھکر غیور راجپوتوں نے گدی نہیں دی۔ بلکہ منگل سنگھ تھانہ کے ٹھاکر کو اپنا راجہ بنا لیا۔

ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ

(راجپوتوں میں صحیح النسب کے سوا نجلوط النسل نہیں ملتے۔ کوئی زمانہ اب ان کا

عروج باقی نہیں رہا ہے۔ پھر بھی وہ اپنی خاندانی صحیح النسبی پر نازاں ہو کر فخر کرتے ہیں
یہی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ
(راجپوتوں میں جن لوگوں کے اندر شرافت کا نقص ہوتا ہے۔ وہ زمرۂ امرا میں شمار نہیں ہو سکتے)
یہی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ
(لونڈی یا گولی یا داسی عورت کے بیٹے بھی ہر حالت میں غلام یا داس ہی رہیں گے اوران کی شادیاں بھی ایسے ہی لوگوں میں ہونگی۔ رانا میواڑ کے خاندان میں جو اولاد گولیوں یا لونڈیوں سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کو داس یا غلام یا گولا کے خطاب سے پکارتے ہیں۔)
مولوی ذکا ءاللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ
(ہندوؤں میں ایک قدیمی قوم راجپوتوں کی ایسی ہے جس میں ماں کے پیٹ سے ہی سپاہی پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا ہر گروہ ایک موروثی سردار رکھتا تھا۔ ان کے ہاں جاگیر دینے کا انتظام بھی عمدہ تھا۔ غرض ان باتوں سے راجپوتوں میں عالی نسبی قومی شرافت بلند ہمتی۔ دلاوری اور مردانگی کے خیالات بڑے زور وشور سے پیدا ہوگئے تھے۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے۔ جو راجپوتوں سے زیادہ اپنے ننگ و ناموس اور شرافت کی حفاظت میں جان دینے کو بے حقیقت جانتی ہو سلجھاٹ ان کی ترنگوں کو اپنے کڑکوں سے اور زیادہ رنگ دیدیتے تھے۔ اگر یہ سپاہ پیشہ فریق ہندوستان میں نہ ہوتا۔ تو شہاب الدین غوری وغیرہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے ہندوستان کو لے لیتے)
تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۳۵۵۔ ان تمام حوالوں سے راجپوتوں کی صحیح النسبی دلاوری اور بہادری کا حال بخوبی ظاہر ہو رہا ہے۔ نہ معلوم فرشتہ صاحب کو یہ حالات تاریخوں کے اندر کیوں نظر نہ آئے۔

مؤلف کی ذاتی رائے

میرے خیال میں راجپوتوں کی اصلیت کو مکروہ قرار دینے کی سب سے بڑی وجہ

یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب شاہان غیر ملکی نے اپنی مطلب براری اور حمایت حاصل کرنے کے لئے راجپوتوں کے ساتھ رشتے ناطے شروع کر دیئے۔ تو اس تعلق کی وجہ سے شاہی دربار دہلی میں بھی راجپوت لوگ بہت معزز و ممتاز شمار ہونے لگے۔ اور اپنی عمدہ کارگزاریوں کی بدولت بڑے بڑے عہدے۔ جاگیریں۔ خطاب۔ انعامات اور صوبوں کی حکومتیں حاصل کرنے لگے راجپوتوں کی اس شان و شوکت کو دیکھکر ان غیر ملکی امرائے سلطنت کے دلوں میں رشک و حسد کی بنیاد قائم ہو گئی۔ جو بادشاہوں کے ہم مذہب اور ہم قوم ہونے کی وجہ سے تمام منصب ہائے جلیلہ کو بلا شرکت غیرے صرف اپنا ہی موروثی حق سمجھے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے یہ لوگ راجپوتوں کے رقیب بن گئے اور یہی جوش رقابت تھا۔ جس کی بدولت محمد قاسم وغیرہ نے اپنے بھائی بندوں کے زوال دولت وجاہ کا اندیشہ کر کے راجپوتوں کی برائیاں کرنی شروع کر دیں۔ اگر واقعی راجپوت اچھے نہ تھے۔ تو فرشتہ کو چاہیے تھا کہ بجائے راجپوتوں پر تہمت تراشی کے اپنے مغل، بادشاہوں کو ان کے ساتھ رشتے ناطے کرنے سے منع فرماتے۔ لیکن ایسا مطلق نہیں کیا گیا۔ کیا اس خاموشی کے یہ معنی ہیں کہ درحقیقت یہ بادشاہ بھی بلحاظ قومی شرافت و اعتبار سستے۔ جس کی وجہ سے ان کو اچھے رشتے ناطوں کے لئے شریف خاندان نہیں مل سکتے تھے۔

ان تمام حوالوں سے پایا جاتا ہے کہ محمد قاسم وغیرہ غیر ملکی مورخوں نے راجپوتوں کے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا۔ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ خاک ڈالنے سے کبھی چاند نہیں چھپ سکتا۔

تیسرا باب خانزادوں کے قومی حالات

جغرافیۂ میوات

میوات کی وجہ تسمیہ

اہل شاستر نے دنیا کو سات دیپ اور نو کھنڈوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر ایک دیپ میں کچھ کھنڈ ہیں اور ہر ایک کھنڈ میں کچھ دیس ہیں۔ چنانچہ ایک کھنڈ کا نام بھرت کھنڈ ہے۔ جس میں یہ میوات کا دیس شامل ہے۔ میوات کا نام قدیم سے ہی میوات چلا آتا ہے مسلمان مورخوں نے بھی اس علاقہ کا نام اپنی اردو و فارسی کی تاریخوں میں ملک میوات یا ولایت میوات یا کوہ پایہ لکھا ہو لیکن میوات کی وجہ تسمیہ بیان نہیں کی گئی۔ اور یہ بھی نہیں لکھا کہ یہ میوات نام کب اور کس نے رکھا۔ ہاں یہ میوات کا علاقہ ہمیشہ سے ایک مستقل حکومت کا متعلم رہا ہے۔

اگرچہ مورخوں نے میوات کی وجہ تسمیہ کچھ نہیں لکھی۔ لیکن اس بارہ میں ہمیں جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱) میوات کا تمام علاقہ پہاڑی ہے۔ اور سنسکرت زبان میں میر پہاڑ کو کہتے ہیں پس پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے میوات کا نام میروات یا میرات یا میوات رکھا گیا۔ اور بوجہ کثرت استعمال سے میوات مشہور ہو گیا ہے۔

نوٹ:۔ تاڈ راجستھان میں بھی میوات کا دوسرا نام میرات لکھا گیا ہے۔

(۲) میوات کے علاقہ میں اربلی پہاڑ کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان شاخوں کے ارد گرد ایک قوم میر نام آباد ہے جس کا یہ نام بھی پہاڑی قوم ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ لہذا

اس میو قوم کے نام پر میو وات یا میوات یا میوات نام رکھا گیا میواڑ کا نام بھی میوات کی طرح پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے میرواڑ یا میواڑ رکھا گیا

نوٹ:- یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ میوات یا میواس سے موجودہ میو قوم کے رہنے کی جگہ کیوں نہ سمجھ کر میوات نام خیال کیا جائے۔ لیکن یہ سوال صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو علم تاریخ سے ناواقف ہو۔ اگر میوات کا نام میو قوم کے وجود میں آنے سے پہلے موجود نہ ہوتا بلکہ میو قوم کی پیدائش کے وقت یا اس کے بعد رکھا جاتا۔ تو یہ کہنا درست ہو سکتا تھا۔ لیکن اب سے تقریباً پانچ ہزار برس پہلے بھی جبکہ اس علاقہ پر جادو چھتری خاندان حکومت کرتا تھا اس کا نام میوات ہی مشہور تھا۔ اور چونکہ میو قوم کی پیدائش پہلے پہل مورخوں کی تحریروں کے مطابق سنہ ۴۲۱ھ میں محمود غزنوی کے زمانہ میں سید سالار مسعود غازی کے ہاتھ پہ عمل میں آئی ہے۔ اس لئے یہ بات ایک موٹی عقل والا بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ کہ جو علاقہ قریب سے پانچ ہزار سال پہلے آباد ہو چکا ہو وہ سنہ ۴۲۱ھ تک بغیر نام کے کس طرح گمنام حالت میں پڑا رہا۔ جبکہ اس کا سابقہ دوسرا نام بھی کوئی تاریخوں کے اندر نہیں پایا جاتا۔

شیخ محمد مخدوم صاحب بھی مرقع الور کے صفحہ ۷ میں لکھتے ہیں کہ

(جو دیسی لوگ یہاں کے بوجہ سکونت میوان۔ نام اس ملک کا میوات بتلاتے ہیں۔ وہ جنگلی بالکل بے سُرا راگ گاتے ہیں۔ کیونکہ اکثر تواریخ سے اظہر کہ باشندگان میوات کا قدیم سے لقب میوات مقرر۔ پس بود و باش میوات سے یہاں کے ساکنین نے۔ لقب میو کا پایا ہے۔ نہ کہ سکونت قوم میو سے۔ اس ملک کو۔ اسم میوات ہاتھ آیا ہے)

دیکھو شیخ جی بھی یہی فرماتے ہیں کہ میوات کا نام میو قوم کی سکونت کی وجہ سے میوات ہرگز نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ خود میو نام کی وجہ تسمیہ میوات کی سکونت کی وجہ سے عمل میں آئی ہے

۲- اقوام میوات

علاقہ میوات میں ہندو اور مسلمانوں کی تقریباً تمام بڑی بڑی قومیں آباد ہیں۔ ہندوؤں میں برہمن۔ چھتری۔ ویش۔ مہاجن۔ جاٹ۔ گوجر۔ اہیر وغیرہ اور مسلمانوں میں شیخ

سید۔ مغل۔ پٹھان۔ میو۔ خانزادے۔ مسلم راجپوت وغیرہ شامل ہیں۔ ایکٹ انتقال اراضی گورنمنٹ پنجاب مجریہ ۱۹۰۱ء کی رو سے ضلع گوڑگانوہ میں جو میوات کا مرکز ہے بجز ایک قوم مہاجن کے باقی مندرجہ بالا تمام قومیں زراعت پیشہ قرار دی گئی ہیں۔ اس وجہ سے یہ قومیں اراضی زرعی کی خرید و فروخت کر سکتی ہیں۔ ان کے سوا کوئی غیر زراعت پیشہ قوم اراضی خرید و فروخت نہیں کر سکتی۔ انگلستان میں بھی مالکان زمین کو ڈیوک یعنے نواب کہتے ہیں۔ جن کی شاہی درباروں میں خاص طور پر عزت کی جاتی ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی زراعت پیشہ قومیں معزز گردانی جاتی ہیں۔ انہیں قوموں میں سے نمبردار۔ ذیلدار۔ سفید پوش۔ ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ۔ ممبر لیجس لیٹو کونسل۔ ممبر اسمبلی اور منسٹر وغیرہ منتخب کئے جاتے ہیں سرکاری ملازموں کے لئے بھی خاص کر آج کل زمینداروں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے خصوصاً فوجی ملازمت میں تو جنگی اور بہادر اقوام ہونے کی وجہ سے انہیں کو بھرتی کیا جاتا ہے۔

۳۔ میوات کی حدود اربعہ

آمیر سے چالیس کوس شمال کی طرف ہٹ کر ملک میوات شروع ہوتا ہے۔ یعنی الور سے شروع ہے اور دریائے جمنا تک انتہا ہے۔ پس حدود اربعہ یہ ہوئیں۔

شمال میں انتربید یعنی دریائے گنگا اور جمنا کا درمیانی علاقہ۔ مشرق میں برج کا دیس۔ جسمیں بھرت پور کی ریاست اور ضلع متھرا شامل ہے۔ جنوب میں ڈھونڈھار کا علاقہ ہے۔ مغرب میں ریگوتہ۔ جس میں کوٹ قاسم۔ اور تحصیل ریواڑی وغیرہ شامل ہیں۔ اور راٹھ کا علاقہ۔ جس میں جھنڈولی سے مانڈھن تک اور بہروڑ شامل ہیں۔

۴۔ میوات کے حصے

میوات کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ بھیانہ۔ دوسرا۔ آبریز۔ تیسرا پہاڑ اوپر۔

جو پہاڑ فیروزپور جھرکہ سے قصبہ ہتھنہ ضلع گوڑگانوہ تک پھیلا ہوا ہے اس کے مغرب میں جو علاقہ تاوڑو۔ نوگڑہ۔ تجارہ اور کشن گڑھ وغیرہ سب پہاڑ اوپر کہلاتے ہیں۔ اور

(یعنی پہاڑ کے مشرق کی طرف علاقہ فیروزپور جھرکہ - نگینہ - کوٹلہ اور نوح وغیرہ آبریز کہلاتے ہیں۔
چونکہ موسم برسات میں یہاں پانی بھر جاتا ہے - اسوجہ سے سرکاری کاغذات میں اس حصے کا نام آبریز لکھا ہوا ہے - البتہ زمینداروں نے اپنی زبان میں آبریز کا نام بگاڑ کر اریز بنا لیا ہے - اس آبریز کے مشرق میں ایک اور پہاڑ شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے - وہ گویا آبریز کی حد فاصل ہے - یعنی اس پہاڑ کے مغرب کی طرف آبریز ہے اور مشرق کی طرف بھیانہ ہے -

۵- میوات کا طول وعرض اور آبادی

طول تقریباً سو میل ہے اور عرض پچھتر میل کے قریب ہے - لیکن یہ صرف اندازہ ہی ہے آبادی بہ نسبت مسلمانوں کے ہندوؤں کی کچھ زیادہ ہے - لیکن درست طور پر میوات کی آبادی معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس ذرائع موجود نہیں - وجہ یہ ہے کہ بلحاظ ملکی تقسیم میوات کا علاقہ ریاست الور - ریاست بھرت پور اور ضلع گوڑگانوہ میں ہے اس لئے ہر ایک جگہ سے آبادی کی تعداد ٹھیک طور پر معلوم کرنی بہت دشوار ہے -

۶- میوات کا کونسا علاقہ شامل ہے

پنڈت جوالا سہائے صاحب عدالتی راج بھرت پور لکھتے ہیں کہ
(علاقہ میوات میں تحصیل الور - رام گڑھ - بہادر پور - گوبند گڑھ - پیپل کھیڑہ - کشن گڑھ - اسمعیل پور - تجارہ - منڈاور - ٹپوکڑہ - اور علاقہ انگریزی میں فیروزپور جھرکا - نوح - تاؤڑو اور میمشن کی تحصیلیں شامل ہیں - اور ریاست بھرت پور میں گوپال گڑھ - پہاڑی جرہڑہ اور کاماں کی تحصیلیں شامل ہیں -)
نوٹ: پہلے زمانہ میں یہ سب قصبے تحصیل تھے - جن میں سے بعض اب ٹوٹ گئی ہیں -

۷- زمین اور خودرو پیداوار

میوات میں پہاڑوں کے بہت سے سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔ جو اراولی پربت کی شاخیں ہیں یہ سلسلے جنوب مغربی حصے میں زیادہ ہیں۔ اسی وجہ سے اس حصے کی زمین۔ سخت۔ ناہموار اور ریتیلی بھی ہے۔ اور جگہ جگہ ندی نالوں سے کٹی پھٹی بھی ہے۔ جس میں کیکر۔ ببول۔ کریل۔ جانٹ جھاڑیاں اور جھنڈے وغیرہ بہت پائے جاتے ہیں۔ کوئیں بہت کم ہیں۔ مگر گہرے زیادہ ہیں۔ البتہ ان کا پانی عموماً شیریں۔ ہلکا۔ اور زود ہضم ہوتا ہے۔ لیکن شمال مشرقی حصے کی زمین زیادہ نرم۔ ہموار اور چکنی ہے۔ جہاں کوئیں بھی بہت ہیں مگر کم گہرے ہیں جن میں پانی میٹھا اور کھاری دونوں طرح کا نکلتا ہے۔ زمین نرم اور ہموار ہونے کی وجہ سے اس حصے میں دریائے جمنا سے ایک نہر بھی کاٹ کر لائی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے ایام قحط میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حصے میں پہاڑ بھی کم ہیں اور ہر قسم کے درخت پائے جاتے ہیں۔

۸- آب و ہوا، بارش اور پیداوار زراعتی

آب و ہوا عموماً گرم اور خشک ہے اور سمندروں سے اور کوہ ہمالیہ سے دور ہونے کی وجہ سے بارش عموماً کم ہوتی ہے۔ بارش کی کمی سے پیداوار بھی کم ہوتی ہے۔ جس سال بارش کافی ہو جاتی ہے تو اس کے جنوب مغربی حصے میں جوار۔ باجرہ۔ مکئی۔ موٹھ۔ مونگ۔ سرسوں۔ جو اور چنے وغیرہ اور شمال مشرقی حصے میں ہر قسم کا غلہ۔ کپاس۔ سن اور گنا وغیرہ پیدا ہوتا ہوتا ہے۔ لیکن جس سال بارش نہیں ہوتی۔ تو قحط پڑ جاتا ہے۔ کمی پیداوار کی وجہ سے لوگ مفلس بھی زیادہ ہیں۔ اور اسی وجہ سے تجارت بھی بہت پھیکی ہے۔

پہلے زمانہ میں قحط پڑنے پر لوگ مالوہ کی طرف نقل مکان کر جاتے تھے۔ لیکن آج کل عموماً دہلی۔ احمد آباد اور بمبئی کی طرف جاتے ہیں۔ کیونکہ یہاں پر ہر قسم کے کارخانے ہونے کی وجہ سے مزدوری مل جاتی ہے۔

۹۔ باشندوں کی عام حالت

لوگوں میں ذرا ذرا سی بات پر مقدمہ بازی کا عام رواج ہے اور نام ونمود کی خاطر فضول خرچی کرنا قوان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ شادی و غمی وغیرہ کی تقریب پر یا مقدمہ بازی کے لئے یہ لوگ یا تو زمین فروخت کرتے ہیں۔ یا آدھ آنے سے دو آنے فی روپیہ ماہوار تک سودی روپیہ مہاجن سے قرض لیتے ہیں جس کی وجہ سے مالکان اراضی عموماً مہاجنوں کے ماتحت غیر موروثی مزارع بن گئے ہیں۔ اگرچہ گورنمنٹ کی مہربانی سے انگریزی علاقہ میں تو ایکٹ انتقال اراضی نے زمینوں کا مہاجنوں وغیرہ زراعت پیشہ اقوام کے ہاتھوں میں فروخت ہونا بہت کچھ بند کر دیا ہے۔ لیکن ریاستوں میں اس کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی علاقہ میں سودی قرضے کا بندوبست بھی بذریعہ قانون بہت کچھ ہو گیا ہے۔ لیکن ریاستوں میں ابھی وہی سابقہ حالت ہے۔

اگر یہی لیل و نہار ہیں۔ تو ریاستوں کے اندر وہ دن جلد آنے والا ہے جب یہ مالکان اراضی مقروض ہو کر بالکل تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

پہلے زمانہ میں میوات کے اندر ہندو اور مسلمان باہم شیر و شکر بنکر رہا کرتے تھے لیکن اب کچھ عرصے سے مذہبی تفرقے پیدا ہو گئے ہیں جو ملکی تباہی کا باعث ہے۔

۱۰۔ تعلیم

ریاستوں کے اندر رعایا کی تعلیم کا کوئی معقول بندوبست نہیں ہے۔ دیہات میں زمانہ حاضرہ کی تعلیم نفی کے برابر ہے۔ الور کی ریاست بھر میں صرف ایک کالج حال ہی میں کھلا ہے جو موجودہ پرائم منسٹر کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ اردو فارسی کی تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ ابتدائی تعلیم صرف ہندی زبان میں ہوتی ہے جس کو پڑھنے سے بجز تضیع اوقات کچھ حاصل نہیں۔ نہ اس تعلیم سے کوئی علمی لیاقت ہی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ریاست سے باہر یہ کچھ کام آسکتی ہے۔ البتہ میوات کے انگریزی علاقہ میں تعلیم کا خاص انتظام ہے۔ جا بجا

گاؤں اور قصبوں میں پرائمری سکول - مڈل سکول - اور ہائی سکول کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن کالج کی یہاں بھی کمی ہے جو لوجہ سنٹر ہونے کے تورح میں ہونا چاہیئے -

حکومت

ہندوستان میں اب سے پانچ ہزار سال قبل چھتری راجپوت حکومت کرتے تھے - یہ علاقہ میوات بھی جادو چھتریوں کے ماتحت تھا - ان میں سے ایک کا نام سمر ماجیت تھا جس کا دار الخلافہ مقام سرہٹہ متصل تجارہ تھا - اور دوسرے کا نام راجہ چند تھا جس کی راجدھانی الور کے پاس ابھانیر میں تھی - راجہ سمر ماجیت کے لڑکے بیج پال نے تجارہ کو بسایا تھا - اور راجہ بد ہتیشٹر کے زمانہ میں اسے اپنا دار الخلافہ بنایا - اور عرصے تک یہاں حکومت کرتا رہا - اسی زمانہ میں راجہ چند نے ابھانیر سے الکر کے جنوب میں ٹہر ڈیگر بسایا - اور اسمیں ایک مضبوط قلعہ بنایا چنانچہ اسکے بسانیکا یہ ہندی شعر مشہور ہے

ٹہر ڈیگر پرگنہ - الور گڑھ کے پاس　　　بستی راجہ چند کی ابھانیر نکاس

غرض اس کے خاندان نے بھی یہاں مدت تک حکومت کی - آخر جب ان دونوں کا زوال آیا - تو ان کی جگہ قوم تنور کا ستارۂ اقبال چمکا - اور وہ میوات کے حاکم بنے -

سید سالار مسعود غازی محمود غزنوی کے زمانہ میں سنہ ۴۲۴ھ میں میوات کے اندر اسلام کو رواج اور ترقی دینے آئے - تنور خاندان میں سے بھی رعایا کے ساتھ بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے - قوم میو اسی زمانہ کی مسلمان شدہ ہے - پرتھی راج راجہ دہلی کو ان لوگوں کا مسلمان ہونا بہت ناگوار گذرا - اس وجہ سے اس نے مسلمانوں پر ظلم کرنے شروع کئے - ان کو زبردستی شراب پلوادی - اور ڈاڑھیاں منڈوا دیں - اور حد سے زیادہ دکھ دیئے - پھر بڈ گوجروں کو ڈھونڈھار کے علاقہ سے بلا کر مسلمانوں کو دکھ دینے کے لئے میوات میں مقرر کیا ان بڈ گوجروں نے بھی نو مسلموں پر خوب دل کھول کر ظلم کئے - اس حالت کو دیکھکر سنہ ۵۸۷ھ میں محمد غوری نے ہندوستان پر فوج کشی کی - بڈ گوجروں نے اس کے ڈر سے الور کے پہاڑ پر ایک پتھروں کا احاطہ سا امن کے لئے بنا لیا - اس زمانہ میں میوات کے اندر جھاڑیاں اور خودرو درخت بہت تھے - ان درختوں سے راستے بہت تنگ تھے - بڈ گوجر لوگ ان جھاڑیوں میں چھپ کر راستے لوٹتے تھے - ان کا سرغنہ ہمیراج نامی الور کے پہاڑوں سے

نکلا۔ اور میوات میں مار دھاڑ شروع کر دی۔ یہ سن کر قطب الدین ایبک نے اس پر چڑھائی کی۔ جس میں ہیمراج مارا گیا۔ اس کے مارے جانے کے بعد میواتی بڈگوجر اور بھی زیادہ خود سر ہو گئے۔ تو قطب الدین نے اپنے سپہ سالار سید وجیہ الدین کو بھیجا۔ لیکن یہ میواتی بڈگوجروں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا برادر زادہ میران حسین خنگ سوار میوات میں آیا۔ اس نے میواتی بڈگوجروں کی خوب ہی خبر لی۔ ان میں سے بعض نے خیر یہ دنیا قبول کر کے اپنی جان بچائی۔ اور بعضوں نے مسلمان بن کر امان پائی۔ غرض جب بڈگوجروں نے اپنے ظلم کی بدولت حکومت کھو دی تو ان کی جگہ قوم ملک نے لی۔

نوٹ:۔ تاریخوں کے اندر میوات میں ملک قوم کے نام سے کسی قوم کی حکومت نہیں پائی جاتی۔ البتہ ملک کا لفظ لوگوں کا خطاب ضرور لکھا گیا ہے۔ لیکن شیخ محمد مخدوم صاحب نے میوات میں ملک قوم کی حکومت بھی لکھی ہے۔ خانزادوں کا پرانا خطاب بھی ملک رہا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ملک وہ لوگ ہیں جن کو بلبن نے ملک زادے اور خانزادے کے خطابات دیکر میوات میں بسا دیا تھا۔ ہندوستان میں آکر ان کی آبادیاں بہت بڑھ گئیں ان کے گاؤں کے گاؤں بس گئے۔ مدت تک وہ بھی یہاں حکومت کرتے رہے۔ لیکن پھر انہوں نے رہزنی اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ان کے ساتھ ان کی رعایا نے بھی خوب لوٹ مار مچائی۔ آخر بلبن بھی ان کی لوٹ کھسوٹ سے تنگ آ گیا۔ چنانچہ اس نے ۶۶۴ھ میں ان میوانیوں کا قتل عام کرایا۔ کہتے ہیں ایک لاکھ میواتی تلوار کی گھاٹ اتارے گئے۔ ان کے بعد میوات میں نکوم قوم کا زور ہوا۔ یہ قوم چوہان راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ انہوں نے الور کے قلعہ کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ ۷۵۱ھ میں تمام میوات کا علاقہ نکوموں کے قبضے میں آ گیا۔

اس کے کچھ عرصے بعد سانبر پال جادو جو راجہ تہن پال والئ تہن گڑھ علاقہ بیانہ کی ساتویں پشت میں تھا ۷۵۳ھ میں اسلام اختیار کر کے قوم خانزادہ کا مورث اعلےٰ بنا تھا۔ ان نکوموں کو اس سانبر پال جادو نے جس کا اسلامی نام بہادر ناہر خاں رکھا گیا تھا قلعہ الور سے باہر نکال دیا اور خود اس قلعہ پر قابض ہو کر حکومت کرنے لگا۔ اس نے آبر سیز کوٹلہ میں پہاڑ کے اوپر ایک مضبوط اور پختہ قلعہ بنایا۔ اور طاقت و عظمت حاصل کر کے تمام میوات سے نکوموں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔ محمد تغلق ثانی اور ابوبکر شاہ وغیرہ شاہان دہلی نے بارہا قلعہ کوٹلہ

کوٹلہ میں آکر بہادر ناہر خاں سے پناہ طلب کی تھی۔ آخر یہ تیس سال حکومت کر کے دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس نے اپنا میوات کا علاقہ اپنی زندگی میں ہی اپنے نو بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

بہادر ناہر خاں کے بعد اس کا بڑا بیٹا بہادر خاں والئ میوات ہوا۔ اس نے نہایت انصاف سے حکومت کی۔ اس کے تمام بھائی بند اس کی حکومت سے خوش رہے۔ اور ہمیشہ اس کے فرمانبردار رہے۔ یہ اپنے باپ سے بھی زیادہ کثیر الاولاد ہوا ہے۔ اس کے خاندان میں فیروز خاں اقبال خاں۔ جلال خاں۔ احمد خاں اور حسن خاں وغیرہ بڑے زبردست اور نامور سردار پیدا ہوئے ہیں۔ بہادر خاں کے بعد اس کا بیٹا اقلیم خاں رئیس میوات بنا۔ اس کے اخلاق سے سب بھائی بند خوش رہے۔ اور رعایا بھی آرام سے زندگی بسر کرتی رہی۔ اقلیم خاں کے بعد اس کا بھائی فیروز خاں شاہ میوات ہوا۔ یہ اپنے تمام اہل عصر سے زیادہ نامور اور مشہور ہوا ہے اس نے اپنی حکومت کے زمانے میں فیروز پور جھرکہ کو بسایا۔ اور اپنے نام پر فیروز پور نام رکھا فیروز خاں کے بعد اس کا بیٹا راجہ جلال خاں مسند نشین میوات ہوا۔ اس کو عام طور پر راجہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ تمام قوم نے مل کر یہ خطاب اس کو دیا تھا۔ اور ہولی اور دسہرہ کے موقعہ پر ہر سال سرداران قوم اپنے اس راجہ کو سلام کرنے اور نذریں پیش کرنے کے لئے قصبہ اندور میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اندور اس کی راجدھانی تھی۔ جس میں اس کے زمانہ کا بنا ہوا ایک قلعہ پہاڑ کے اوپر آج تک موجود ہے۔ سید مبارک شاہ بادشاہ دہلی کے اس نے خوب دانت کھٹے کئے تھے۔

راجہ جلال خاں کے بعد اس کا بیٹا احمد خاں جس کا لقب گل گور رکھا تھا۔ میوات کی تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے زمانہ میں نہایت انصاف سے حکومت کی۔ اور میوات کا انتظام بہت اچھا کر دیا۔ اس نے فیروز پور جھرکہ کو چھوڑ کر الور کو اپنی راجدھانی بنایا۔ اور وہاں اپنے محل اور باغات وغیرہ بنوائے۔ چنانچہ محلہ قصاب پورہ میں آج تک اس کے بنائے ہوئے مکانات موجود ہیں۔ اس کی تقلید میں اس کے امرا اور وزرا اور دوسرے سرداروں نے بھی الور میں مکانات اور حویلیاں بنوا کر شہر کو رشکِ جنت بنا دیا۔ جس وقت سلطنت دہلی میں ضعف پیدا ہوا۔ تو احمد خاں نے میوات کے علاوہ لاڈو سرائے متصل دہلی تک کے علاقہ پر بھی اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ اس کی لڑائیاں ہمیشہ سید خضر خاں بادشاہ دہلی سے ہوتی رہیں۔ اور احمد خاں کے بعد اس کا بیٹا ذکریا خاں میوات میں تخت نشین ہوا۔ یہ شخص صلح کل تھا۔

اس نے بہلول لودھی بادشاہ دہلی سے تیغہ صلح صفائی رکھی۔ اور اپنے بزرگوں کی طرح شاہان دہلی سے جنگ و جدل نہیں کی۔

ذکریا خاں کے بعد اس کا بیٹا علاول خاں مسند نشین میوات ہوا۔ اس نے سنہ ۹۰۵ھ تک میں ان بکھیڑوں کو سمرا نی ، جو ، کایا کی حیثیت سے میوات میں اودہا اور کے پہاڑوں میں لوٹ مار کرتے تھے۔ سکندر شاہ لودھی بادشاہ دہلی اور یہ علاول خاں فائز اور حاکم میوات دونوں ہم زلف بھائی تھے۔ علاول خاں کے بعد اس کا بیٹا راجہ حسن خاں تخت نشین ہوا۔ اکثر مؤرخوں نے اور خود بابر بادشاہ نے بھی اپنی توزک میں حسن خاں کو راجہ حسن خاں لکھا ہے لیکن اردو فارسی کی تاریخوں میں عموماً نواب حسن خاں یا حسن خاں میواتی لکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے اعلیٰ کارناموں سے میوات کو تمام ہندوستان میں مشہور کر دیا تھا اس واسطے اس کو زیادہ تر میواتی لکھا گیا ہے۔ یہ شخص اپنے تمام بزرگوں اور ہم عصروں سے زیادہ نامور اور مشہور ہوا ہے اور اپنے زمانہ میں ہمیشہ خود مختارانہ حکومت کرتا رہا۔ اسی لئے اس کو شاہ میوات بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے خاندان میں دو سو سال سے میوات کی حکومت چلی آتی تھی۔ اس کی حکومت کی آمدنی چار کروڑ ٹنکہ نقرئی سالانہ تھی۔ ٹنکہ کا وزن تولہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

رانا سانگاہ کو بابر بادشاہ کے برخلاف حسن خاں نے بارہ ہزار اور بقول بعض دس ہزار سوار سے جاکر مدد دی۔ مسٹر الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی اپنی تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں کہ بابر بادشاہ اور رانا سانگا دونوں نے اپنی اپنی طرف سے حسن خاں والئی میوات کی رفاقت و مدد حاصل کرنے کے لئے بڑی بڑی کوششیں کیں۔ اگرچہ بابر نے حسن خاں کے بیٹے ناہر خاں کو خاص خلعت پہنا کر اس کے پاس بھیج دیا تھا کیونکہ یہ ابراہیم شاہ کی لڑائی میں بابر کی قید میں جا پڑا تھا۔ تاکہ حسن خاں بابر کا مددگار بن جائے۔ لیکن حسن خاں نے بابر کی اس کارروائی کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ اور وہ بابر کے برخلاف رانا سانگا سے جا ملا۔ کیونکہ سانگا نے حسن خاں کو یہ کہکر دعوت دی تھی کہ وہ اُس قوم کی مدد کرے جس میں سے وہ خود پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ کہ بابر کی درخواست کو رد کر کے سانگا کا مددگار بن گیا۔

جب بابر حسن خاں کی مدد سے ناامید ہوگیا۔ تو اس نے ناراض ہوکر حسن خاں کو اپنی

وزک میں مرزا ہوا دور ملحد۔ کافر نعمت۔ احسان فراموش۔ کافروں کا مددگار وغیرہ لکھا ہے۔
بابر یہ بھی لکھتا ہے کہ

(میوات میں میرے برخلاف تمام آگ اسی حسن خاں کی لگائی ہوئی تھی۔ افسوس حسن خاں
بابر کی لڑائی میں مارا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد خانزادوں کی موروثی حکومت جو
دو سو سال سے متواتر چلی آتی تھی ختم ہو گئی۔)

اس لڑائی کے بعد بابر نے مرزا چین تیمور کو میوات کا حاکم بنایا۔ اور پھر ہمایوں نے اپنے
ھائی مرزا ہندال کو میوات کی حکومت سپرد کی۔ پھر شیر شاہ سوری نے خواص خاں افغان کو
یوات کا حاکم بنایا۔ سلیم شاہ نے بھی اسی خواص خاں کو میوات کا حاکم بنائے رکھا۔ اس کے
عد اکبر کے زمانہ میں تردی بیگ میوات کا حاکم بنایا گیا۔ پھر جہانگیر نے محمد خاں کو حاکم بنایا۔ اور
ناہ جہاں کے زمانہ میں خلیل اللہ میوات میں گدی نشین ہوا۔ پھر اورنگ زیب نے عبدالرحیم
و حاکم میوات مقرر کیا۔ اورنگ زیب کے بعد دہلی کی سلطنت میں ابتری پھیلنی شروع ہو گئی
ر محمد شاہ کے زمانہ میں نواب ذوالفقار خاں کو میوات کا حاکم بنایا گیا۔ لیکن کسی قصور پر جلد ہی معزول
ر دیا گیا۔ اس کے بعد حکومت نہایت کمزور ہو گئی۔ اب جو سے انگریزی عمل داری ہو گیا۔ اور شاہان دہلی برائے نام
دشاہ ہے۔ دہلی کی حکومت صرف قلعہ کے اندر محدود ہو گئی۔ لیکن غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے یہ قلعہ کے اندر والی
ر بھی جاتی رہی۔ اور انگریز مستقل طور پر تمام ہندوستان کے بادشاہ بن گئے۔ جنہوں نے
ہلی کے آخیر بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کو باغیوں کے ساتھ سازش کرنے کے جرم میں قلعہ
نگون کے اندر قید کر دیا۔ اور وہ وہیں بعارضہ فالج ۱۸۶۲ء میں انتقال کر گئے۔ اور اس طرح
کومت مغلیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ انگریزوں نے اپنے زمانہ میں میوات کا انتظام شاہان سابق کی
رح نہ رکھا۔ بلکہ میوات کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا۔ برٹش انڈیا میں صرف ضلع گوڑگانوہ
ے اندر تحصیل فیروز پور جھرکا اور تحصیل نوح سالم اور کچھ حصہ تحصیل گوڑگانوہ کا شامل ہے۔
قی علاقہ ریاست الور اور ریاست بھرت پور میں شامل ہو گیا ہے۔

۲۔ راجہ سانبھر پال مورث اعلیٰ خانزادگان میوات کا اسلام اختیار کرنا

راجہ سانبھر پال کے مسلمان ہونے کی جو وجوہات مختلف مورخین نے اپنی اپنی تاریخوں میں درج کی ہیں وہ تقریباً سب کی سب یکساں ہیں صرف لفظوں کا الٹ پھیر ہوگیا ہے۔ ورنہ مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ ہم ان تمام وجوہات کو ایک جگہ جمع کرکے ناظرین کی واقفیت کے لئے یہاں لکھتے ہیں۔

(۱) مولوی محبوب علی صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

ابہ خانزادے لوگ گوت جادو اولاد سری کرشن متھرا باشی میں ہیں جن کے آباؤ اجداد تہن گڑھ علاقہ بیانہ میں رہتے تھے۔ ان میں سے تہن پال کی اولاد میں سے سانبھر پال اور شمبھر پال مورثان اعلےٰ خانزادگان علاقہ میوات میں بستے تھے۔ اور ہمیشہ رعایا پر ظلم و ستم کرتے اور رہزنی اور قزاقی سے گذر اوقات اپنی کرتے تھے چنانچہ الغیاث ایذا رسانی و تکلیف دہی ان کی۔ خلائق مظلوم۔ حضور بادشاہ وقت تک ہمیشہ پہنچاتی رہتی تھی۔ انجام کار حضور بادشاہ سے اشتہار ہوا۔ کہ اگر قزاقان و ستمگران مذکور حاضر ہو کر اطاعت سلطانی قبول کریں۔ اور پیشہ قزاقی و رہزنی کو جو کہ سراسر باعث گمراہی و ضلالت ان کا ہے چھوڑ دیں۔ تو واسطے وجہ معاش ان کی سرکار سے تجویز معقول کی جائیگی۔ اور پچھلے قصور بھی ان کے معاف ہونگے۔ باستماع اس خبر کے سانبھر پال و شمبھر پال پسران لکھن پال حضور جناب شیخ نصیر الدین صاحب اودھی چراغ دہلوی کو فیروز شاہ بادشاہ وقت کے پیر تھے باایں غرض حاضر ہوئے کہ وہ اپنے توسل سے بادشاہ کے حضور میں حاضر کرکے عفو تقصیرات ماضیہ کی کرا دیں۔ اور بنا بر وظیفہ آئندہ سفارش فرمائیں۔

پس ایسا ہی ہوا۔ شیخ مذکور نے اول انہیں تلقین بطیع ان کو شرف بہ شریک اسلام کیا

اور پھر زمرہ مریدان خاص شامل فرماکر اور بادشاہ کے حضور میں حاضر کر کے بعد عفو تقصیرات گذشتہ برائے گزارہ آیندہ سفارش کامل فرمائی۔ اور بیشہ رہزنی اور قزاقی سے شہید کرایا)

دیکھو تاریخ حکایت میوات قلمی کتب خانہ جامع مسجد دہلی۔

نوٹ اول: ۔ مولوی صاحب کی اردو پرانے زمانہ کی ہے۔ آج کل اردو کے محاورہ ں سے بہت مختلف ہو گئے ہیں۔

نوٹ دوئم: ۔ پہلے زمانہ میں اہل شجاعت وہمت اکثر ایسا ہی شیوہ اختیار کرتے تھے۔ کہ وہ حکومت چھن جانے کے بعد یا حکومت نہ ملنے کی صورت میں پیشہ رہزنی اور غارتگری ختیار کر کے گرد و نواح کے علاقہ کو تاخت و تاراج بنا کر اپنی حکومت قائم کیا کرتے تھے چنانچہ ہندوستان کے بہت سے راجپوت وغیرہ نے اور خود امیر تیمور نے بھی اپنے اپنے زمانوں میں یسا ہی عمل کیا ہے اس کام میں یا تو یہ لوگ اپنی جان دیدیتے تھے یا گوہر مقصود حاصل کر لیتے تھے۔ پس یہی طریقہ علاقہ بیانہ کی حکومت چھن جانے کے بعد سانبر پال نے بھی علاقہ میوات کے اندر اختیار کیا تھا۔

۲) مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری تحریر فرماتے ہیں کہ

(فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں سانبر پال اور شوپیر پال دونوں بھائی مسلمان ہو گئے۔ ان کے مسلمان ہونے کے باب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ رغبت دلی سے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ دوسرا یہ کہ غارتگری اور ایذا رسانی کی سزا میں قتل کے مستحق ہونے پر مسلمان ہو کر جان بری ہوئی تھی۔) دیکھو

کتاب کارنامۂ راجپوتان ہند مطبوعہ بریلی پریس صفحہ ۳۴۵۔

۳) مولانا اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ

(بہادر ناہر میواتی کا اصل نام ہندوانی سمیر پال یا سانبر پال تھا۔ جس زمانہ میں شہر حصار فیروزہ کی تعمیر کا کام شروع ہو رہا تھا ایک دن سلطان فیروز شاہ تغلق شیر کے شکار کو جنگل میں گیا۔ جو لوگ اس شکار میں سلطان کے ساتھ تھے۔ ان میں سانبر پال بھی تھا۔ سلطان نے شیر کو تیر کا نشانہ بنایا۔ آتفاقاً کاری زخم نہ لگا شیر سلطان کی طرف جھپٹا لیکن عین اسی حالت میں سانبر پال نے بڑھکر شیر کے تیر مار کر کام تمام کر

دیا۔ اور وہ سلطان کے پیشوا سے بیٹے تک بیج جو نہ مسلسل دشمنی اور تاحد
افزودگی سے بادشاہ نے خوش ہو کر سانپر پال کو بہادر ناہر کا خطاب عطا کیا اور تبلیغ دین
ہدی اس کو اسلام میں داخل فرمالیا۔ اور بعد ازاں ایک جاگیر عطا کی۔ جو اب موجودہ
ضلع گوڑگانوہ کی تحصیل نوح میں تھی۔)

دیکھو کتاب آئینہ حقیقت نما جلد دوئم۔

(۴) شیخ محمد مخدوم صاحب لکھتے ہیں کہ

(لکھن پال کے دو بیٹے سانپر پال وشمبھر پال پیدا ہوئے یہ دونوں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ۸۲۶ھ میں مسلمان ہو گئے۔ سانپر پال کا نام بہادر ناہر اور شمبھر پال کا چھجو خان رکھا گیا۔ ان کے مسلمان ہونے کی ایک روایت یہ ہے کہ رغبت دلی سے اسلام کی طرف راغب ہو کر حضرت نصیر الدین صاحب چراغ دہلی کے مریدوں میں داخل ہوئے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ پیشہ رہزنی و غارتگری رکھتے تھے۔ اس وجہ سے اُن کو فیروز شاہ کے سامنے پیش کیا گیا جس پر وہ وعدہ معافی کے بدلے رہا ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے۔)

دیکھو کتاب ارژنگ تجارہ۔

(۵) یہی صاحب اپنی تصنیف مرقع الور میں لکھتے ہیں کہ

(سانپر پال بندوق کا بانی کار تھا۔ اور دل کا دلیر و جرار۔ ایک دن وہ جنگل کو بقصد شکار جا نکلا۔ قضارا فیروز شاہ باربک بھی اُدھر آ نکلا۔ دونوں ایک شیر سے دوچار ہوئے۔ اور در پئے شکار ہوئے۔ فیروز شاہ نے جو تفنگ تا صحرگی۔ گولی سر خطا سے سرکی۔ یعنی وار خالی گیا۔ شیر غرایا اور سیدھا آیا۔ سانپر پال نے فوراً اس کو نشانہ بندوق بنایا۔ گولی اس کی ایسی کارگر ہوئی کہ شیر اپنی جگہ سے ہلنے بھی نہ پایا۔ فیروز شاہ ... باربک نے اس ضرب دست سانپر پال کو بہت پسند کیا۔ اور آداب شاہی سے اس کو خطاب بہادر ناہر سے سربلند کیا۔ جو بخت سانپر پال کا سازگار ہوا۔ مرحمت شاہی پر وہ مسلمان ہونے کو تیار ہوا۔ بادشاہ نے اس کی خوشی میں پاکر شفقت میں اُسے مسلمان بنایا۔)

کتاب مرقع الور صفحہ ۹۰

(۶) حمید قلندر شاعر لکھتے ہیں کہ

(بعہد فیروز شاہ بادشاہ ۷۵۲ھ میں جادو راجپوتوں کے اندر جس شخص نے پہلے پہل غاشیۂ فرمانبرداری دین مذہب کا بطیب خاطر خود اپنے دوش پر لیا ہے اور آبیاری کلمۂ طیبہ سے گلزار ایمان کو سیراب و شاداب بنایا وہ سانبرپال مورث اعلیٰ خانزادگان میوات معہ خلف خود بلی بہادر خاں ہوا ہے جس کے مورثوں کا نام لوم تھن گڑھ علاقہ بیانہ ہے)

دیکھو کتاب خیر المجالس ملفوظات حضرت نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی۔

(۷) ایک قومی روایت جو عربوں کے قاعدہ کے مطابق سینہ بسینہ چل کر تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے اور جس نے معتبر ہونے کا درجہ حاصل کر لیا ہے یہ کہ

(ایک دفعہ فیروز شاہ بادشاہ اجمیر کو جاتے تھے۔ راستہ میں تجارہ کے پاس مقام ہوا بادشاہ شکار کھیلنے کو نکلا۔ اتفاقاً سانبرپال بھی وہاں شکار کو آیا تھا۔ سانبرپال بادشاہ کو فتح آباد کے پہاڑوں میں لے گیا۔ جہاں شیر نے ایک گوجر کی گائے پھاڑ ڈالی تھی۔ شیر پہاڑ کی کھوہ میں پڑا سوتا تھا۔ بادشاہ نے اس پر تیر کا نشانہ لگانا چاہا۔ سانبرپال نے عرض کیا۔ کہ حضور شیر کا شکار تلوار سے کرنے میں زیادہ بہادری ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ اچھا تم ہی تلوار سے شکار کرو۔ سانبرپال نے شیر کو للکار کر ایک تلوار ایسی ماری کہ شیر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سانبرپال کی یہ بہادری دیکھکر بادشاہ نے شفقت سے اپنا ہاتھ سانبرپال کے سر پر پھیرا۔ اور فرمایا کہ شاباش تم بڑے بہادر ہو۔ تمہارا نام بہادر ناہر رکھا جاتا ہے۔ اس روز سے بہادر ناہر خطاب مشہور ہو گیا اس بہادری کے صلے میں بادشاہ نے سانبرپال کو ایک خلعت فاخرہ اور کچھ جاگیر میوات میں عطا فرمائی۔ اور اپنے ساتھ شکار میں رہنے کا حکم دیا۔ اس نوازش خسروانہ کو دیکھکر سانبرپال دلی رغبت سے معہ اہل و عیال داخل اسلام ہو گیا۔

(۸) ہمارے خیال میں فیروز شاہ کی طرف سے ہندوؤں کی تالیف قلوب بھی اُن کو مسلمان بنانے میں سب سے زیادہ کارگر اور موثر ثابت ہوئی ہے۔ بادشاہ خود اپنی کتاب فتوحات فیروز شاہی میں لکھتا ہے کہ

(کہ میں نے اسلام لانے کی ترغیب و تحریص دلانے کے لئے یہ عام اشتہار دے دیا تھا کہ

جو شریف ہندو شاہی مرضی سے اسلام قبول کریگا — وہ عہدہ و تنخواہ سے سرفراز کیا جائیگا۔ جب یہ اشتہار لوگوں کے کان تک پہنچا — تو بہت سے ہندو گروہ کے گروہ اسلام سے مشرف ہونے کے لئے چاروں طرف سے روز روز آتے تھے۔ اور اسلام اختیار کرکے جزیہ سے بری ہوتے تھے — علاوہ معافی جزیہ کے ان کو خطابات — جاگیرات — انعامات اور تحفہ وغیرہ بھی دیئے جاتے تھے — اور ان کی مذہبی تعلیم و تربیت کی جاتی تھی — غرض میں نے ہندوستان کو دار الاسلام بنا دیا — میرے آقا محمد تغلق نے جن مندروں کو توڑ کر رکھا تھا — میں نے ان سب کو معہ ان وقف زمین انعام و وظیفہ و دیگر مرد خوش حال بنا کر بسا کر دیا — اس تالیف قلوب سے مجھے ملکی انتظام کے لئے بہت کم تلوار نکالنی پڑی)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۲۲۳ و ۸۸ ۔ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۱۴۔

فیروز شاہ نے سانبر پال کے علاوہ اور بھی بہت سے شریف راجپوتوں کو مسلمان ہونے پر جاگیریں وغیرہ عنایت کی تھیں — جن میں مفصلہ ذیل اشخاص قابل ذکر ہیں۔

(۱) راؤ رتن سنگھ چند بنجارہ متوطن ہریانہ اسی بادشاہ کے عہد میں حضرت نظام الدین اولیا کے ہاتھ پر معہ عزیز و اقارب اسلام لایا تھا — اس کا اسلامی نام و خطاب [illegible] الدین رکھا گیا۔

(۲) سہارن بھٹی راجپوت مسلمان ہوگیا جس کو فیروز شاہ نے وجیہ الملک کا خطاب دیا تھا۔

(۳) خاندان راجگان پٹھان کوٹ میں راجہ کیلاش معہ اپنے سات بیٹوں کے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا — جو پنج ہزاری منصب پاکر [illegible] الار بھی بنا تھا۔

(۴) قائم خانیوں کا مورث اعلیٰ موٹے راؤ کا بیٹا کرم سی سنہ ۱۳۸۳ء میں فیروز شاہ کے زمانہ میں اسلام لایا — اور قائم خان کا خطاب حاصل کیا — اور حصار کا علاقہ جاگیر میں پایا۔

یہ اقتباسات ہماری کسی تشریح کے محتاج نہیں — اگرچہ [illegible] ظاہر ہے [illegible] حسن سلوک بھی ہندوؤں کو مسلمان بناتا تھا۔

غرض ایسی [illegible] کا یہ نتیجہ نکلا کہ سانبر پال نے معہ اہل و عیال [illegible] مذہب اسلام قبول کر لیا — اور شاہی امراء میں داخل ہوکر [illegible] راجی کو اور اس کی اولاد کو بڑے بڑے عہدے عنایت [illegible] ملتان میں حکومت کی بنیاد قائم ہوگئی۔

۳۔ خانزادہ خطاب کی وجہ تسمیہ

لفظ خانزادہ دو لفظوں خان اور زادہ سے مرکب ہے۔ خان کے معنی۔ سردار۔ رئیس اور امیر کے ہیں اور زادہ کے معنی پیدا شدہ۔ پس خانزادہ کے معنی سردار یا رئیس یا امیر زادے کے ہوئے۔ چونکہ سانپر پال کو شیر کے شکار کرنے پر پہلے بہادر ناہر کا اور مسلمان ہونے پر خان کا خطاب ملا تھا۔ لہٰذا ان کو اردو فارسی کی کتابوں میں بھی ہر جگہ بہادر ناہر اور پورا نام بہادر ناہر خان لکھا گیا ہے۔ لیکن کثرتِ استعمال سے صرف ناہر خان بھی کہنے لگے ہیں۔

پھر ناہر خاں سے جو اولاد پیدا ہوئی اس کو خان کی اولاد ہونے کی وجہ سے خانزادہ کہیں۔ ہندوستان کے فاتح پٹھان اور ترک تھے۔ جو اس خان اور خانزادے کے لفظ کو اپنا قومی اور معزز لفظ سمجھ کر شاہی خاندان کے افراد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اور وہ جب کسی اپنے امیر یا وزیر یا سردار سے خوش ہوتے تھے تو عموماً ان کو بھی اسی معزز لفظ کا خطاب دیتے تھے۔

چونکہ سانپر پال بھی انہیں بادشاہوں کے عہد میں مسلمان ہوا تھا۔ اس لئے یہ اعزازی خطاب اس کو بھی عطا ہوا تھا۔ ان خطابات ملنے کے تاریخی ثبوت بھی درج ذیل ہیں۔

(۱) میر عبدالرزاق صاحب لکھتے ہیں کہ

(میرزا عبدالرحیم خلف الصدق بیرم خاں است والدہ اش از خانزادۂ خاندانِ میوات بود۔ جمال خاں عمزادہ حسن خاں میواتی کہ او از زمینداران معتبر ہندوستان بود۔ چوں بملازمت رسید دو صبیہ داشت۔۔ کلاں را پادشاہ در حبالۂ عقد خود آورد۔ دوم را بہ بیرم خاں تزویج فرمود)"

دیکھو کتاب مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۶۹۳ مطبوعہ کلکتہ پریس ۱۸۸۸ء۔

یہاں پر خان کی جمع خانان لایا گیا ہے۔

(۲) مولوی محبوب علی صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(بعد قبولیت اسلام کے حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی نے سانپر پال اور شمبر پال کو اپنے [illegible] اس میں داخل فرمایا۔ پھر حضور بادشاہ سے خطاب اس گروہ کا باعتبار [illegible] زادہ عطا فرمایا گیا۔ اور خطاب خانزادہ ولایت افغانستان میں اس

خاندان کے واسطے مخصوص ہے جو ہمیشہ سے اپنی قدیم عالی نسب اجداد الٰہ تو دہ خان
ہوتا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ مذکور نے ان کو اپنے مقربان خاص میں شامل فرما کر
سے مواضعات جاگیر میں عطا فرمائے۔ اور میوات کا انتظام تفویض فرمایا۔)
دیکھو حکایات میوات قلمی در کتب خانہ جامع مسجد دہلی۔

(۳) مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر آفتاب میوات لکھتے ہیں کہ
(خانزادوں کا جادو نسل سے ایک ممتاز فرقہ میوات میں ایک مشہور ... تنگر ... ہے جس کا مورث اعلیٰ سانبرپال نامی فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہوا تھا۔ بادشاہ مذکور کی طرف سے پہلے بہادر ناہر کا اور پھر خان کا خطاب ملا تھا۔ چنانچہ میوات میں القاب خطاب راجگی۔ کنور۔ ٹھاکر۔ خان۔ چودھری۔ میاں وغیرہ سے اب ان خانزادوں کو یاد کرتے ہیں اور آج کل عموم خانزادہ کے ہر ایک خرد و بزرگ خان صاحب کہتے ہیں)
دیکھو تاریخ میوات صفحہ ۴۵ ، ۴۴ ، ۵۴ -

(۴) یہی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ
(میوات کے خانزادوں کے مورث اعلیٰ کو ایک پٹھان بادشاہ نے مسلمان بنا کر خان کے خطاب سے نوازا تھا۔ اس وجہ سے یہ لوگ خانزادے کہلانے لگے۔ ورنہ وہ جادو نسل کے راجپوت ہیں)
دیکھو آفتاب میوات مطبوعہ ۶/۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳ -

(۵) ملا عبدالقادر بدایونی تحریر فرماتے ہیں کہ
(خانزادہ ہائے میوات کہ اجداد حسن خاں میواتی بودند سلطان محمود تغلقی را از ماندہ برائے سلطنت دہلی طلبیدند)
منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۰۳ -

(۶) یہی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ
(بعد از چند گاہ بعضے از خانزادہ ہائے میواتی بنا بر تسبب ... [illegible])
دیکھو منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۴۰ -

(۷) یہی صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ
(ابوبکر شاہ بتقویت بہادر ناہر خاں خانزادہ میواتی آمدہ

با محمد شاہ جنگ کردہ منہزم گشت)

دیکھو منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۸ء

(۸) منتخب التواریخ کے اردو ترجمہ میں بھی صاف بہادر ناہر خاں لکھا ہوا ہے۔ دیکھو ترجمہ منتخب التواریخ ملا عبد القادر بدایونی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ مترجمہ مولوی احتشام الدین صاحب مراد آبادی صفحہ ۱۰۲۔

(۹) مصنف تاریخ طلسم ہند لکھتے ہیں کہ

(سانبر پال جادو بنسی کو شیر کا شکار کرنے کے بعد ناہر رائے کہنے لگے تھے۔ پھر مسلمان ہونے کے بعد اس کا نام ناہر خاں مشہور ہو گیا۔)

دیکھو تاریخ خانان میوات مصنفہ خداداد خاں صاحب عظیم آبادی صفحہ ۴۴۔

(۱۰) مصنف تاریخ تیموری لکھتے ہیں کہ

(سانبر پال جادو کو پہلے فیروز شاہ سے بہادر ناہر کا خطاب ملا تھا۔ جب امیر تیمور ہندوستان میں آیا۔ اور بہادر ناہر نے دو سفید رنگ کے طوطے بطور تحفہ امیر مذکور کے پاس بھیجے۔ تو اس نے خوش ہو کر اپنے ملکی قاعدہ کے بموجب اس کو خان کا خطاب مرحمت فرمایا۔ تب سے بہادر ناہر خاں کہنے لگے۔ اور کثرت استعمال سے ناہر خان بھی کہنے لگے۔)

دیکھو تاریخ خانان میوات صفحہ ۴۴ مصنفہ خداداد خاں صاحب عظیم آبادی۔

(۱۱) مسٹر سی۔ اے۔ ہیکیٹ صاحب پولیٹکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ

(بہادر ناہر اپنی قوم کا وہ پہلا شخص ہے جس کا ذکر فارسی تاریخوں میں کیا گیا ہے۔ خانزادے لوگ اپنے آپ کو خان جادو بیان کرتے ہیں۔ یہ خان جادو کا لفظ راجپوت قوم کے شاہزادے کے لئے جس سے وہ نکلے ہیں زیادہ شریف بنانے کی وجہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت [illegible] اصلی اور درست خطاب انکا خانزادہ ہے)

دیکھو گزیٹیر الور انگریزی صفحہ [illegible]

(۱۲) یہ فرمان عالمگیر بادشاہ کی طرف سے بنام لاڈ خان خانزادہ متوطن جھراوٹ پرگنہ فیروز پور جھرکہ اور دوسرا فرمان شاہ عالم بادشاہ کی طرف سے بنام چودھری بلند خاں خانزادہ متوطن مبارک پور ریاست الور چھپا ہوا ہے۔ ان دونوں میں صاف خان کا خطاب تحریر کیا گیا ہے۔

(۱۳) خطاب کے علاوہ لفظ خانزادہ کی افغانوں اور ترکوں میں بڑی عزت و توقیر ہے۔ بابر کی بہن کا نام خانزادہ بیگم تھا۔ مہابت خاں سپہ سالار کے بیٹے کا نام خانزادہ خان تھا۔ ابوالمعالی کے بھائی کا نام جس نے نارنول کا خزانہ لوٹ لیا تھا خانزادہ محمد تھا۔

مرزا عبدالرحیم خاں خانخاناں بہت خوبصورت تھا لوگ اسے دیکھکر پوچھا کرتے تھے یہ کونسا خانزادہ ہے۔ ہماری گورنمنٹ انگریزی بھی اسی قدیم رسم کے مطابق خان صاحب اور خان بہادر کے خطابات مسلمانوں کو اور رائے صاحب اور رائے بہادر کا خطاب ہندوؤں کو عطا فرماتی ہے۔

اسی وجہ سے خان صاحب اور خان بہادر کی اولاد کو خانزادہ اور رائے صاحب اور رائے بہادر کی اولاد کو رائےزادہ کہتے ہیں۔

شیخ زادہ۔ سیدزادہ۔ شاہزادہ۔ شریف زادہ وغیرہ الفاظ جس قاعدہ سے بنائے گئے ہیں۔ بالکل اسی طریقہ پر خانزادہ کا لفظ بھی بنایا گیا ہے۔

خانزادوں کو پٹھان بادشاہوں کی طرف سے ملک کا خطاب بھی ملا ہے۔ غیاث اللغات میں لکھا ہے۔

(کہ ملک بفتح میم وکسر لام بمعنی بادشاہ ونیز بزمانہ قدیم امیر و سردار۔ را ہم ملک مے گفتند۔ و بفتحتین بمعنی فرشتہ و مقدس وغیرہ آمدہ ہے)

دیکھو غیاث اللغات مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ صفحہ ۴۴۴۔

افغانوں کے اندر ملک لفظ کا خطاب بھی بہت معزز سمجھا جاتا ہے۔ اور خانزادے بھی پٹھان بادشاہوں کے وقت میں مسلمان ہوکر ان کے درباروں میں بڑے امیر کبیر سردار گذرے ہیں اس لئے یہ ملک کا خطاب بادشاہوں کی طرف سے ان کو عطا ہوتا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ بھی خانزادوں کا ایک پرانا خطاب ہے۔ مثلاً ملک علاءالدین خاں۔ ملک سراج خاں۔ ملک اہرو خاں۔ ملک مجاہد خاں۔ ملک فخرالدین خاں۔ ملک نند خاں میخو

لیکن معلوم نہیں بعد میں یہ خطاب ملک کا خانزادوں میں سے کیوں متروک ہوگیا ہے۔ ورنہ آجکل تو اس خطاب کو بہت سے خانزادے جانتے بھی نہیں۔

۴- خان خطاب حاصل کرنیوالے دوسرے نومسلم راجپوت

۱- قائم خانی

قائم خانیوں کا مورث اعلیٰ موضع ددریوا کے چوہان موٹے راؤ کا بیٹا کرم سی تھا جس وقت اسلامی دبائو سے چوہان قوم کی طاقت ٹوٹی۔ تو اس کے بارہ چھوٹے سرداروں نے امارت و ریاست حاصل کرنے اور اس کی حفاظت کے خیال سے موقع کی حسب ہدایت اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا تھا۔ جو کہ راجپوتوں کے لئے ایک شاہی حکمت عملی سمجھی جاتی ہے۔ منوسمرتی میں لکھا ہے کہ اپنی زمین یا حکومت کی حفاظت کے لئے عورتوں کی منافرت کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ غرض کرم سی مذکورہ کو سمت ۱۴۴۰ بکرمی مطابق ۱۳۸۳ء میں دہلی کے بادشاہ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں سید ناصر خاں نے علاقہ حصار میں مسلمان بنایا تھا۔ اور بادشاہ کی طرف سے قائم خاں کا خطاب عطا ہو کر اس کو ناصر خاں نے بیٹے کی مانند پالا تھا۔ پھر قائم خاں کے تین بھائی اور بھی مسلمان ہو گئے۔ جن کے نام زین الدین۔ ظہیر الدین اور اختیار خاں رکھے گئے۔ ان چاروں کی اولاد کو قائم خانی ہی کہتے ہیں۔ سید ناصر کے بعد قائم خاں شاہی مصاحبت میں داخل ہو گیا۔ اور پرگنہ حصار اس کو جاگیر میں عطا کیا گیا۔ رفتہ رفتہ اس نے دربار میں بڑا رسوخ حاصل کر لیا۔ لیکن فیروز شاہ کے بعد کسی قصور پر سید خضر خاں بادشاہ نے خفا ہو کر اس کو دہلی کے قلعہ پر سے جمنا میں ڈلوا دیا۔ اور اس کے بیٹے تاج خاں و محمد خاں کو حصار سے نکال دیا۔ وہ دونوں بھائی عرصے تک جیسلمیر اور ناگور میں جا رہے۔ پھر دونوں نے الگ الگ فتح پور اور جھنجھنوں میں جاگیریں قائم کر لیں۔ جن میں ۱۷۳۱ء تک ان کی اولاد برابر کے خطاب سے حکومت کرتی رہی۔ لیکن شیخاوت اور راٹھوروں نے یہ دونوں ریاستیں کامیاب خاں اور سہیل خاں سے چھین لیں۔ مجبوراً وہ مارواڑ میں چلے گئے۔ اور اب کامیاب خاں فتح پور والے کی اولاد مقام کچامن ریاست جودھپور میں آباد ہے۔ قائم خانیوں کی زیادہ تر آبادی علاقہ شیخاواٹی اور ریاست جے پور میں پائی جاتی ہے۔ اسلام لانے کے بعد بھی ان لوگوں کا عمل دخل انہیں علاقوں پر رہا۔ لیکن راجہ اودے کرن جے پور والے نے قائم خانیوں سے یہ علاقہ بھی چھین لیا۔ اور ان کو وہاں سے نکال دیا۔ اب وہ رعایا کی حیثیت سے کھیتی باڑی۔ سپاہ گری۔ تجارت اور مزدوری وغیرہ کرکے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

لیکن بعض قائم خانی علاقہ شیخاواٹی میں جاگیردار بھی ہیں۔ تحصیل سیواڑی ضلع گوڑگانوہ میں بھی قائم خانیوں کا ایک گاؤں موجود ہے جہاں ملا و اس آباد ہے۔ جس میں راجہ عیسیٰ خاں جاگیردار تھا۔ کچھ قائم خانی ہانسی حصار اور نارنول میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو قائم خاں کے شیر سے بیٹے جعفر خاں کی اولاد میں ہیں۔ لیکن مسیرہ سوکھا نگر مت کی وجہ سے حیدرآباد دکن میں بھی قائم خانیوں کے اکثر لوگ اسلامی احکامات سے ناواقف ہیں۔ بہت سے لوگ نماز روزہ کو مطلق نہیں جانتے۔ بلکہ ان کو کلمہ تک یاد نہیں۔ ان میں ہندو راجپوتوں کی بہت سی رسمیں ابھی جاری ہیں شادی کے موقعہ پر تورن باندھا جاتا ہے نکاح کے بعد پھیرے بھی ہوتے ہیں۔ نام بھی دو دو رکھتے ہیں ایک ہندوانی دوسرا اسلامی۔ یہ لوگ گلے میں طلائی پھول اور کانوں میں مرکیاں پہنتے ہیں۔ اچھی مسلمانوں کی طرح لکھتے پڑھتے بھی نہیں۔ علاقہ مارواڑ اور شیخاواٹی میں شیخاوت لوگ سر کے بال رکھتے ہیں بلکہ ایک ہی چوٹی بھی میں رکھتے ہیں۔ بعض قائم خانی ختنہ بھی نہیں کراتے۔ اور کرنٹ سے دھوتی باندھتے ہیں۔ انگے پردہ کا انگرکھا پگڑی پہنتے ہیں عورتیں گھاگرا اور باغی ساتھ کا جوڑا پہنتی ہیں۔ ہولی۔ دیوالی وغیرہ ہندوؤں کے تمام تہواروں کو مانتے ہیں۔ ملتوں میں چچا کی بیٹی سے شادی نہیں کرتے لیکن بعض قائم خانی اب پٹھانوں خانزادوں سیدوں سے بھی رشتہ داری کرنے لگے ہیں۔ مگر پٹھان اور سید ان کو اپنی بیٹیاں دیتے نہیں۔ قائم خانیوں کی رشتہ داریاں زیادہ تر قرولی کے پٹھانوں سے ہوتی ہیں۔ پہلے یہ لوگ ہندو راجپوتوں کی طرح ڈاکہ زنی اور قزاقی بھی کرتے تھے۔ بعض لوگوں کی اب تک بھی ڈکیتی کے مقدموں میں نگرانی رکھی جاتی ہے۔ یہ لوگ ڈیل ڈول کے مضبوط جسیم۔ جفاکش۔ بہادر اور محنتی ہوتے ہیں۔ لیکن ناخواندگی اور افلاس ان میں خصوصیت سے پایا جاتا ہے۔ لیکن اب مذہبی حالتوں میں روزمرہ تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔

۲۔ ثابت خانی

یہ لوگ بڈگوجر راجپوتوں کی اولاد ہیں۔ یہ کیسر سنگھ کے خاندان سے مسلمان ہوئے ہیں۔ راجہ کیسر سنگھ کو محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں نواب ثابت خاں حاکم کول نے مسلمان بنایا تھا۔ چنانچہ اسی ثابت خاں کے نام پر اس خاندان کا نام ثابت خانی رکھا گیا ہے۔ پہلے ان کی ریاست میں بہت گاؤں تھے۔ لیکن اب نہیں ہے کیسر سنگھ ثابت خانی کا تعلقہ بہت بڑا تھا لیکن اب امیر حب اللہ بخش رئیس کا خاندان قابض [illegible] کے باپ نے یہ علاقہ [illegible] سے خرید کر لیا تھا۔ [illegible] تورانی مذکورہ نے اس بیع کے [illegible] کر دیا۔ آخر کار [illegible] کر لیا

دیاستان مختری کے حق میں فیصلہ ہوا۔

ثابت خانی بڈگوجروں میں ایک نامی خاندان بلکھنہ کا بھی تھا جس میں پچھلا رئیس راؤ دولت سنگھ ہوا ہے۔ اس کے زمانہ میں اس کا علاقہ نیلام ہو کر ٹھاکر مردان علی خان کے حوالے کیا گیا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۸۱۵ء کا ہے۔

۴- لال خانی

لال خانی لوگ بھی بڈگوجر راجپوتوں میں سے مسلمان ہوئے ہیں۔ بڈگوجر سورج بنسی خاندان کی ایک شاخ ہے۔ جو راجہ رامچندر کے بیٹے لو کی اولاد میں شمار کی جاتی ہے۔

یہ لوگ زمانہ سابق میں علاقہ ڈھونڈھار کے متعدد مقامات پر جس میں آمیر (جے پور) اور علاقہ ماچیڑی شامل ہے قابض تھے۔ جن کا دارالخلافہ راجور واقعہ کھیری یا ماچیڑی پہاڑی خطہ تھا۔ الور اور راج گڑھ پر بھی ان کی حکومت تھی۔ جب کچھواہہ قوم بڈگوجروں پر غالب آگئی۔ تو ان کو اپنے مقبوضات چھوڑنے پڑے۔ چنانچہ ان کی ایک شاخ نے دریائے گنگا کے ساحل پر انوپ شہر میں سکونت اختیار کی۔ بلند شہر کے راجپوتوں میں کیا باعتبار تعداد اور کیا بلحاظ وسعت زمینداری بڈگوجر لوگ سب سے افضل ہیں۔ اس قوم کی آبادیاں ضلع بلند شہر کے چار مشرقی پرگنوں میں کثرت سے ہیں۔ ان کی زمینداری کے دو سو اٹھاون گاؤں اور قصبے اس ضلع میں اور کچھ اضلاع علی گڑھ۔ بدایوں اور مراد آباد میں ہیں۔

لال خانیوں کا مفصل حال سر ہنری ایلیٹ صاحب کی کتاب میں جو انگریزی میں ہے درج ہے۔ وہ میں بھی تاریخ اشرف نامہ میں ان کے حالات درج ہیں جسے ٹھاکر اشرف علی خاں عرف کوندن خاں لال خانی نے تالیف کیا ہے۔ یہ ٹھاکر اشرف علی خاں نبی لال خانی بڈگوجر تھا جس نے سنہ ۱۸۵۷ء میں بمقام ملکونہ انگریزی فوج کا مقابلہ کیا تھا۔ ٹھاکر مذکور نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب مہاراجہ پرتھی راج چوہان دہلی نے مہوبہ واقعہ بندھیل کھنڈ پر فوج کشی کی تو دیولی واقعہ راجور عرف ماچیڑی کے رئیس کا بیٹا پرتاب سنگھ بھی اس فوج میں معہ دس ہزار سوار کے شامل ہوا تھا۔ اثنائے راہ میں پرتاب سنگھ نے بمقام بھاسو جو بلند شہر سے جنوب مشرق میں ۵ میل کے فاصلے پر ہے قیام کیا۔ اسی سرد زمانہ ایک عورت قوم کی کہاری نے پرتاب سنگھ سے

درخواست کی ۔ کہ میرے شوہر کو کھمبا کے بھتیجہ میو قوں نے قید کر رکھا ہے تم اس کو رہا کرواد و ۔ پرتاب سنگھ کو جب معلوم ہوا کہ یہ بھتیجہ میو لوگ بڑے لٹیرے ہیں سارے ہیں اپنے حاکم راجہ کول کی بھی کم پرواہ کرتے ہیں ۔ اور اپنے ہمسایوں پر ظلم و ستم ڈھاتے ہیں تو عورت مذکور کی مدد کرنے سے انکار کر دیا ۔ لیکن عورت نے طعنہ دیا ۔ کہ تمہارے اس انکار سے راجپوتی کو داغ لگتا ہے ۔ تو اس نے درخواست کو منظور کر لیا ۔ اور فوراً کھمبا کا محاصرہ جا کیا ۔ میو قوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا ۔ مگر آخر کو شکست کھائی ۔ لیکن جس کہار کی رہائی کے واسطے یہ لڑائی ہوئی تھی وہ مارا گیا ۔ اس کی عورت ستی ہو گئی ۔ اور ستی ہوتے وقت اس نے یہ دعا کی ۔ کہ اس جگہ پر پرتاب سنگھ کی اولاد کا راج ہو جائے ۔

اپنی مجروح شدہ کا علاج کرانے کے واسطے پرتاب سنگھ چند روز پہاسو ٹھیرا ۔ اسی عرصہ میں راجہ کول نے اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دی ۔ اور جہیز میں پہاسو کے گردو نواح میں ڈیڑھ سو گاؤں کی زمینداری بھی دی ۔ اور اپنی نئی رانی کو پہاسو میں چھوڑ کر پرتاب سنگھ مھوبہ گیا ۔ وہاں لڑا ۔ اور مھوبہ کے راجہ کو شکست دیکر واپس پہاسو آیا ۔ پھر اس نے اور بھی بہت سے گاؤں پر اپنا قبضہ جما لیا ۔ اور بڑا راجہ بن گیا ۔ اس کے پوتے بین راج نے اپنا دارالخلافہ پہاسو سے بدل کر چھونڈیرہ بنا لیا ۔ یہ وہی چھونڈیرہ ہے جہاں پر بہادر خاں پسر ناہر خاں خانزادہ بیاہا گیا تھا ۔ اور اقبال خاں عرف ملو خاں خانزادہ جو سلطان محمود تغلق کا سپہ سالار تھا ۔ بھی چھونڈیرہ والوں کا نواسا تھا ۔ سنہ ۱۸۰۳ء تک یہ تمام علاقہ ریاست ماچیڑی میں شامل رہا مگر پھر سوائی جے سنگھ والئی جے پور نے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا ۔ پرتاب سنگھ کی نویں پشت میں لال خاں ہوا ۔ اس کا اصلی نام لال سنگھ تھا ۔ اکبر بادشاہ نے اس کو خان کا خطاب دیا تھا ۔ تب اس نے اپنے نام میں بجائے سنگھ کے خان کا لقب شامل کر لیا ۔

اس کے بیٹے سانبا بن نے شاہ جہاں بادشاہ سے پہاسو کے گردو نواح میں جو ۱۲۱ گاؤں کی زمینداری حاصل کی ۔ اور اس کا پوتا اعتماد علی خاں عالمگیر کے عہد میں مسلمان ہوا تھا ۔ اس نے اپنی غفلت سے یہ علاقہ کھو دیا ۔ لیکن اس کی ساتویں پشت میں ناہر علی خاں نے شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں پھر وہی سابقہ علاقہ حاصل کر لیا ۔ یہ وہی علاقہ تھا جسے ناہر علی خاں اور اس کے برادر زادہ اشرف علی خاں عرف دوندے خاں نے سرکار انگریزی کا مقابلہ کر کے ضبط کرایا تھا ۔ لہٰذا کرم دان علی خاں نے علاوہ ان جاگیرات کے جو بعد ضبطی بہادر اور دوندے خاں

ان کو خیر خواہی سرکار میں عطا ہوئے تھے۔ اور بھی بہت سے دیہات نیلام میں خرید کر اپنی
است بڑھائی ہے۔ آجکل انکی اولاد کی زمینداری کے گاؤں ضلع بلند شہر میں ایک سو چھبیس۔ اور
ضلع مظفر نگر میں اور علی گڑھ میں ساٹھ گاؤں ہیں۔ محمد جان علی خاں کے وارثان حسب ذیل ہیں۔
منیر علی خاں۔ شمشیر علی خاں۔ محمود علی خاں۔ نواب علی خاں جہ دان پور۔ حرم پور
نگری اور پہاسو میں تعلقہ دار ہیں۔

لال خانیوں میں بھی اب تک ہندوؤں کے رسم و رواج پائے جاتے ہیں۔ اپنے
ت میں شادی نہیں کرتے۔ گاؤ کشی سے پرہیز کرتے ہیں۔ لڑکوں کے دو دو نام رکھتے
ایک ہندوانی اور دوسرا اسلامانی۔ اور اپنے ہندو بھائیوں کے مطابق شادی کے
وں میں دروازہ پر اس کہاری عورت کی تصویر بنا کر پوجتے ہیں جس کی دعا سے اپنے
رگوں کی ترقی جانتے ہیں۔ پرتاپ سنگھ کے پانچ بیٹے تھے۔ بسنت دیال۔ سورج دیو
تی شاہ۔ راؤ جی۔ جانو جی۔ اسی جانو جی کی اولاد میں مالکان تعلقہ چھتاری پہاسو
دھرم پور دوان پور ضلع بلند شہر ہیں۔

ضلع بلند شہر کے بڈگوجر کیا ہندو کیا مسلمان سب کے سب پانچ شاخوں میں منقسم ہیں
خانی۔ احمد خانی۔ بکرم خانی۔ کمال خانی۔ رائے خانی۔

ان کو جہانگیر بادشاہ کے وقت میں خان کا خطاب ملا تھا۔

بڈگوجروں کے لڑکوں کی شادیاں جنگھارہ۔ گور۔ گوتم۔ ہنڈ۔ اور بیس فرقوں
اور لڑکیوں کی شادیاں کھبریا۔ تنور۔ وغیرہ فرقوں میں ہوتی ہیں۔

۔ خانزادوں کا عروج اور زوال

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

مسلم جادو راجپوت المخاطب بخانزادہ نہ بہادر اور دلاور قوم ہے۔ جس کی بے نظیر
نت کے سامنے علاقہ دیہات۔ صوبہ یو۔پی اور نواح دہلی کی کل قوموں میں اپنا سر تسلیم خم
کیا ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں اگر کوئی قوم ایسی ہے جو اپنی خودداری۔ اور آن بان

قائم رکھنے کی کوشش کرتا چلا آیا ہے۔ اور اپنی قومی شرافت کی حفاظت کے لئے ہر وقت سینہ سپر بن کر اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہی ہے اور آج تک جس کے دل میں موت کا خوف کبھی نہیں پایا گیا۔ اور وہ نامور قوم خانزادہ راجپوت ہے جس کی شجاعت جنگ بہادری بخوبی واضح ہو چکی ہے۔ یہ قوم شجاعت اور مردانگی کا نقشہ دنیا میں آئی ہے جس کا رنگ رگ رگ میں مردانگی سے لبریز ہے۔ اور بہادری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

یہی وہ قوم ہے جو ہندوستان کی راجا مہاراجوں کی اولاد ہے جس کا تعلق ہمیشہ شریف شاہی خاندانوں سے رہا ہے۔ کسی زمانہ میں اپنی قوم اور ملک کی حفاظت کرنا اس قوم کی زندگی کا خاص مشن تھا۔ یہ لوگ بے زور رعایت انصاف کے دل دادہ تھے۔ ہمتیں بلند تھیں طبیعتیں فیاض تھیں۔ بات کے دھنی تھے۔ رعایا کے سچے محب تھے۔ راستی پسند تھے اور راستی کے لئے ہر وقت جان فدا کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اُن کی خوشامد اور ظاہرداری سے سخت نفرت تھی۔ عورت بچے اور کمزور آدمی پر ان کی تلوار کبھی نہ چلتی تھی۔ پناہ میں آئے ہوئے آدمی کے لئے دوست تو درکنار دشمن کے بھی جان نثار دوست بن جاتے تھے چنانچہ خانزادہ قوم کی طرف سے قلعہ کوٹلہ۔ اندور۔ گھر علی اور الور کے دروازے ہمیشہ ایسے ہی لوگوں کو پناہ دینے کے لئے کھلے رہتے تھے۔ اسی لئے اپنی حکومت کے زمانہ میں خانزادوں نے مفصلہ ذیل بادشاہوں اور ان کے امرا اور وزرا کو پناہ دی تھی۔

(۱) خان جہاں عرف میر فیروز شاہ بار بک ناصر الدین محمد کے خوف سے دہلی سے بھاگ کر میوات میں بہادر ناہر خاں کی پناہ میں آ گیا تھا۔

(۲) سید خضر خاں امیر تیمور کے خوف سے شروع میں بہادر ناہر خاں کی پناہ میں میوات میں آیا تھا۔

(۳) محمد تغلق ثانی کو ناصر الدین محمد شاہ کے برخلاف بہادر ناہر خاں نے مدد دی تھی جس سے ناصر الدین محمد نے قلعہ نگر کوٹ میں جا کر پناہ لی۔

(۴) ابوبکر شاہ تغلق کو تین دفعہ میوات سے خروج کے جا کر بہادر ناہر خاں نے تخت پر دوبارہ میں ناصر الدین محمد کے برخلاف مدد دی تھی۔

(۵) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی اپنی تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ... میں لکھتے ہیں کہ

(ابوبکر شاہ اور محمد شاہ کے زمانے میں خانزادوں کی قدر منزلت بڑھ کر ان کا عروج بہت
زیادہ بڑھ گیا تھا جنہوں نے ابوبکر شاہ اور محمد شاہ کی طرف سے ہمیشہ جانیں لڑائیں)

۴) نصرت شاہ اور ناصر الدین محمود کو بہادر ناہر خاں نے مدد دی۔

۰) اقبال خاں عرف ملّو خاں وزیر اعظم نے ناصر الدین محمود کو برائے نام صرف روٹی کپڑے
بادشاہ بنائے رکھا۔ ورنہ دہلی اور فیروز آباد کی دونوں حکومتیں عملاً اسی کے زیر فرمان رہیں

۸) ملک قدو خاں برادر جلال خاں والئی میوات نے مبارک شاہ کے برخلاف سلطان
ہیم شاہ شرقی کی مدد کی تھی۔

۰) سلطان محمد شاہ کے برخلاف میوات کے خانزادوں نے سلطان محمود خلجی کو مالوہ سے
ی سلطنت کے لئے بلایا تھا۔ چنانچہ وہ ۸۴۴ھ میں دہلی آیا اور محمد شاہ سے لڑا۔

۱) سلطان حسین شاہ شرقی کو احمد خاں خانزادہ والئی میوات نے خود نقد مدد دی تھی۔

۱) حسن خاں خانزادہ والئی میوات نے بابر بادشاہ کے برخلاف ابراہیم لودھی کی مدد
ی جسمیں حسن خاں کا بیٹا ناہر خاں بابر کی قید میں جا پڑا تھا۔

۱) محمد خاں اوحدی حاکم بیانہ کو قدو خاں وجلال خاں خانزادگان نے مبارک شاہ کے
اف مدد دی۔

۱) سلطان محمود پسر سکندر شاہ لودھی کو حسن خاں والئی میوات نے بابر کے خلاف مدد دی

۱) بعض دفعہ اس پناہ دہی کی بدولت خود بھی نقصان اٹھاتے تھے۔ چنانچہ حسن خاں نے
کے برخلاف دس ہزار سوار سے جاکر رانا سانگا کی مدد کی تھی جس میں وہ خود بھی مارا گیا۔
ی وجہ سے خانزادوں کی خود مختارانہ حکومت ہمیشہ کے لئے میوات سے جاتی رہی۔
ہ وغیرہ۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی شجاع وبہادر قوم اپنی ترقی کے معیار سے کیونکر گر گئی
کا جواب یہ ہے کہ زمانہ کی نیرنگی اور گردش سے دنیا میں رات دن تغیرات ہوتے رہتے
یس جب یہ قانون قدرت ہے کہ کسی قوم کی ہمیشہ ایک ہی حالت آج تک نہ کبھی رہی
اور نہ آئندہ رہیگی۔ کیونکہ یہ دنیا رہٹ کے پلڑوں کی مانند ہے۔ جس میں کوئی قوم
بالائی ہے اور کوئی نیچے گرتی ہے۔ تو پھر خانزادہ قوم کا بھی عروج سے گر کر پستی کی طرف
ناعقلمند آدمی کے لئے نئی بات نہیں ہے۔ ہر کمالے را زوالے مشہور ہے۔ جس طرح

زمانے کے انقلاب نے دنیا کی بعض متمدن اور مہذب قوموں کو اس طرح نیست و نابود کر دیا ہے کہ آج روئے زمین پر ان کے نشانات ڈھونڈے سے بھی نظر نہیں آتے۔ اسی طرح اس انقلاب نے اپنی عادت کے مطابق قائم خانی قوم کو بھی اپنے غار میں دھکیل دینے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ اس وقت یہ قوم نزع کی حالت میں ہے۔ مگر ان کی رگوں میں ابھی تک اس کے بزرگوں کا خون برابر دوڑ رہا ہے۔ گو وہ شکست کھا چکا ہے۔ مگر ختم نہیں ہوا ہے۔ وہ آتش کو جو انقلاب زمانہ کے گرد و غبار کے نیچے دب گیا ہے لیکن موافق ہوا کا جھونکا لگنے سے اس میں دوبارہ بجلی سی چمک اور تیزی پیدا ہو جانی ناممکن نہیں ہے۔ تاریخوں کے مطالعہ سے اور تجربہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہو چکی ہے کہ قائم خانیوں کی تباہی اور بربادی کا خاص سبب ان کی خانہ جنگی اور آپس کا حسد ہے جو کہ تمام راجپوتوں کا ایک قدیمی خاصہ بن چکا ہے۔ اور بد قسمتی سے جنہوں نے اسلام لانے کے بعد بھی اس قوم کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اور یہی کم بخت بد عادت اس قوم کے تنزل کا باعث ہوئی ہے۔ یہ حسد کی عادت ان میں کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ ان کا موروثی ترکہ ہے جو ان کو ورثہ میں ملا ہے۔

ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ

(راجپوتوں میں حسد کی وجہ سے ایک ایک شخص کے دل میں بدلہ لینے کا جوش بھرا رہتا ہے۔ اور یہ کینہ کسی کے دل سے نہیں نکلتا اگر یہ لوگ اپنے رقیب سے بدلہ نہ لیں یا لڑائی جھگڑے میں طرح دے جائیں۔ تو صرف ان کی کمزوری ہی ثابت نہ ہوگی۔ بلکہ کمینہ پن سمجھا جائے گا۔ اس لئے ہمیشہ خون کا بدلہ خون ہی ہوتا ہے۔ البتہ بدلہ لینے کی آگ دو صورتوں سے بجھ جاتی ہے۔ یا تو معافی مانگ لی جائے یا اپنی لڑکی بیاہ دی جائے۔)

دیکھو تاریخ ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۲۰۳ –

جنگ مہابھارت بھی اسی کم بخت حسد کا کرشمہ تھا جس میں ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا تھا۔ چچا کی تلوار بھتیجوں کی گردنوں پر اور بھتیجوں کے نیزے چچاؤں کے سینوں میں پار ہوئے تھے۔ گرو جی نے اپنے ہاتھوں سے پیارے شاگردوں کا خون بہانے میں اور شاگردوں نے گرو جی کی گردن اڑانے میں دھرم اور ایمان سمجھا تھا۔ یہی موروثی قاعدہ قائم خانیوں نے بھی اختیار کر رکھا ہے۔

ہتے ہیں اس قوم کی سکونت کے چودہ سو چوراسی گاؤں اور قصبے آباد تھے ۔ لیکن آج سالم
دی کے گاؤں شاید چوراسی بھی باقی نہ ہوں ۔

اگرچہ شاہان دہلی اپنے اپنے وقتوں میں خانزادوں پر خاص شفقت اور مہربانیاں
اتے رہے لیکن ان لوگوں نے اپنی رعونت ۔ جہالت اور نافرمانی سے ان بادشاہوں
بھی ناراض بنالیا تھا ۔ کیونکہ یہ لوگ بڑے درجے کے مغرور ہو گئے تھے ۔ اس وجہ سے
ن کی اطاعت کرنا یا سر جھکانا ان کے لئے باعث ننگ و عار تھا ۔ ان لوگوں پر خودمختاری
ر آزادی نے بہت ہی برا اثر ڈالا تھا ۔ ان میں اس عادت سے خود سری پیدا ہو گئی تھی جس
ے انہوں نے اپنی شجاعت اور جرأت کا نشانہ اپنے بھائی بندوں کے علاوہ بادشاہوں تک
بنا لیا تھا ۔ سپاہیانہ تکبر نے جو جہالت کا خاصہ ہے اس قوم کو تمام نعمتوں سے محروم کر دیا
اعت کا لفظ ان کے ہاں بے معنی تھا ۔ وہ اپنی شہ زوری اور آزاد منشی سے کبھی اپنے
م یا بادشاہ وقت کو با ضابطہ شاہنشاہ نہیں مانتے تھے ۔ اگر خاندان تغلق و سادات
ر لودھی بادشاہوں کے زمانوں میں اقبال خاں ۔ فیروز خاں ۔ جلال خاں ۔ نمدو خاں ۔
مخاں اور حسن خاں وغیرہ مشاہیر خانزادگان اپنی رعونت اور نافرمانی کو چھوڑ کر ابوبکر ۔
رت شاہ ۔ ناصر الدین محمد ۔ مبارک شاہ ۔ ناصر الدین محمود ۔ خضر خاں ۔ بہلول لودھی اور
بادشاہ وغیرہ شاہان دہلی سے بگاڑ نہ پیدا کرتے ۔ تو آج میوات اور یو ۔ پی وغیرہ کا
ذ ضرور خانزادوں کی خودمختار ریاستوں میں شامل ہوتا ۔

لیکن ان کی رعونت اور جہالت کا وہی خراب نتیجہ نکلا جو ایسے کاموں کا نکلا کرتا ہے

اشعار حسب حال قوم

کہیں جیب سے گئی ہائے حکومت اپنی
نہ وہ ہے شان ہی پہلی سی نہ شوکت اپنی

تھا اپنا بڑا حاکم میوات سے تھے ہم
خوار و بدنام ہیں اب کھو کے حکومت اپنی

ہی دیس میں پردیس سے بدتر ہیں ہم
کیا کہیں آج جو دکھ دیتی ہے غربت اپنی

ڑ لے بغض و حسد غیروں سے الفت قائم
اس نے لے قوم بنائی ہے بری گت اپنی

تیری رونق وہ تری گرمئی بازار نہیں ۔

[illegible]

تعلیم [illegible] اپنے [illegible]
لیکن قوم [illegible] جھگڑوں میں بیٹھے [illegible]
جہل ہو سکے نہیں [illegible] [illegible]
ہم کو بس اپنے ہی اس جور و جفا نے مارا اپنے ہاتھوں سے کیے [illegible] اپنے

قوم کو ایک بنا [illegible] کوئی [illegible] نہیں
لہذا اپنے [illegible] کے لئے تیار نہیں ۔

کاش اے قوم نصیبہ ترا اچھا ہوتا پھوٹ کی جا تیرے اندر [illegible] ہوتا
اپنے سرداروں میں [illegible] قوم کا جو کوئی ہوتا وہ [illegible] ہوتا
خوب تفریق میں تقسیم میں ماہر ہیں ہم [illegible] ہم نے کبھی سیکھا ہوتا
بھائی سے بھائی لڑا دے کوئی لاکھوں موجود کوئی ان سب کو ملا دے [illegible] ہوتا

حیف ایسے نظر آتے کوئی آثار نہیں ۔
رہنما کوئی ہمارے لئے تیار نہیں ۔

متفق ہوں نہ جو ہم لوگ تو بنتا کیا ہے ایک دو قوم کے غمخوار سے ہوتا کیا ہے
تنگی و ترشی و ذلت میں اگر دن کاٹے خاک اس زیست پہ ہم لوگوں کا جینا کیا ہے
فاقہ و افلاس بلا ۔ بھنگی و بدنامی دور دیکھیے گا ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے
رعب و حشمت نہیں دولت نہیں عزت بھی نہیں اور مٹ جائے گی باقی رہا اپنا کیا ہے

لہذا اپنے مگر [illegible] کی کیا گت ہوگی
واسطے ان کے تو دنیا میں قیامت ہوگی

راہ پر کوئی خدا کے لئے لا سکے ان کو [illegible] ان کو
حسد و بغض کے جھگڑوں سے بچائے ان کو [illegible] ان کو
کوئی مشرق کو رواں ہے تو کوئی مغرب کو [illegible] ان کو
بھائی سے بھائی بڑا کوئی نہیں ہو سکتا اس [illegible] کوئی سکھا دے ان کو

[illegible]
[illegible]

م کا خیال نہیں پاسِ آبرو کا نہ رہا
کیا بتائیں تمھیں ہم لوگوں کا کیا کیا نہ رہا

بدتر قوم ہو گئے اپنی بڑائی پہ ہیں مست
قوم کا ایک بھی اب چاہنے والا نہ رہا

جیسی حالت ہوئی افسوس ہماری بدتر
ہائے ہم لوگوں میں کچھ خوف خدا کا نہ رہا

دشمن جان نظر آتی ہے دنیا ساری
ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا

کوئی کہہ آئے ذرا اپنی زبانی اُن کو
قوم کی موت کا ہم کہتے ہیں بانی اُن کو

ؤ اِن نیند کے ماتوں کو ہی ہشیار کریں
بختِ خوابیدہ کو اپنے کہیں بیدار کریں

ننگ و ناموس بچانے کی کریں کچھ تدبیر
ہو سکے گر تو علاج دلِ بیمار کریں

ؤ مل بیٹھیں ذرا ہم بھی یگانوں کی طرح
لو چلے آؤ منالیں تمھیں ہم پیار کریں

پھر لگالیں تمھیں چھاتی سے خلوص دل کو
عہد کر لیں کہ خفا تم کو نہ زنہار کریں

تم ہو مجروح اگر درد ہمارے اٹھے
غم ہمیں ہو تو دمِ سرد تمھارے اٹھے

ہم وہ ہیں جن کا زمانے میں کوئی یار نہیں
ہم وہ ہیں جن سا زمانے میں کوئی خوار نہیں

ہم وہ ہیں جن کا لہو چوستی ہے سب دنیا
ہم وہ ہیں جن کا کوئی یار و مددگار نہیں

ہم وہ ہیں جن کو تجارت سے نہیں کچھ رغبت
ہم وہ ہیں جن کو زراعت سے سروکار نہیں

ہم وہ ہیں۔ یو۔پی۔ و میوات کے مالک تھے کبھی
ہم وہ ہیں آج کہ ہم سا کوئی لاچار نہیں

ہم وہ ہیں عزت و ناموس بھی کھو بیٹھے ہیں
ہم وہ ہیں نام بزرگوں کا ڈبو بیٹھے ہیں

قومی شرافت

اے کہ باتو نگفتیم و بدل ترسیدیم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اردو فارسی کی مختلف تاریخوں کے مطالعہ سے ہمیں یک نام ایسی تاریخ ایسی بھی نظر آئی ہیں جن میں سے خانزادہ قوم کے متعلق بعض ایسے نوٹ تحریر کئے ہیں جو بالکل غلط اور تمام تاریخوں کے سراسر خلاف ہیں۔ یہ صاحب شیخ محمد مخدوم سابق تحصیلدار تجارہ متوطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر مصنف کتاب ارژنگ تجارہ و مرقع الور ہیں۔ پہلے شیخ موصوف کا نام سن کر ہم بہت حیران ہوئے کہ یا الٰہی یہ کون بزرگ ہیں۔ آیا یہ وہی محمد مخدوم صاحب ہیں جن کی بدگوئی اور بدزبانی شہرۂ آفاق ہو چکی ہے۔ اور اسی بدعادت کی وجہ سے وہ چودھری امیر خاں صاحب خانزادہ متوطن قصبہ تجارہ کے ہاتھوں خفت و ندامت اٹھا چکے ہیں۔ اور کیا یہ وہی محمد مخدوم صاحب ہیں جو اپنی شرافت و نجابت کی ڈینگ مارنے کی بدولت قاضیان تجارہ کی طرف سے اُن کا شجرۂ نسب طلب کئے جانے پر از قدر خود نشناس کا جواب پا چکے ہیں۔ اس شجرۂ نسبی کی طلبی پر وہ کچھ ایسی سٹی بھولے کہ باوجود نام نہاد مورخ ہونے کے اُن کو نادر شاہ کا جواب تک یاد نہ آیا جو اس نے محمد شاہ بادشاہ دہلی کی طرف سے اس کا شجرۂ نسب طلب کئے جانے پر (نادر شاہ بن شمشیر بن شمشیر) ہمچنیں تا ہفتاد و ہشت پشت شمار کہہ کر دیا تھا۔

اور کیا یہ وہی محمد مخدوم صاحب ہیں جن کا آبائی پیشہ [illegible] کے اندر قبل از تحصیلداری تجارہ .... تھا۔

اور کیا یہ وہی محمد مخدوم صاحب ہیں جن کو اپنی کتاب مرقع الور چھپوانا تھا لیکن اس گندگی کے پلندے کی بے قدری اور ناقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اس کو شائع کرانے کے لئے ملک بھر میں کوئی شخص نہ مل سکا۔ آخر متواتر کئی سال تک پڑے رہنے کے بعد خود ہی جودھپور میں جا کر اپنے خرچ سے چھپوا لی گئی۔

غرض جب ہم کو کامل یقین ہو گیا کہ واقعی یہ وہی محمد مخدوم صاحب ہیں جو مندرجہ بالا اوصاف سے موصوف ہیں تو ہمارا دل بیٹھ گیا کیونکہ ایسی قلبی ارادت صداقت کے طفیل

کل نومسلموں کے ساتھ عموماً اور خانزادوں کے ساتھ خصوصاً بدزبانی اور بدگوئی اُس شخص کی پرانی سُنت بن گئی ہے۔ اور بھلے آدمیوں کی پگڑی اچھالنا اس کا خاص شیوہ رہا ہے سچ ہے
جبل گردد جبلّت نہ گردد۔

شیخ صاحب نے خانزادہ قوم پر جو حملے کئے ہیں اگرچہ ان کے جوابات ہم بھی ترکی بترکی ان پر اور ان کی کل قوم پر حملہ کرکے بخوبی دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ عاشق علی خاں صاحب ناطق گلاؤٹھوی اور شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی اور اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی اور مفتی خدا داد خاں صاحب عظیم آبادی نے اپنی اپنی تاریخوں میں ایسے ہی نام نہاد شریفوں کو شرح جواب دیا ہے۔ لیکن ہم کسی برائی کی تقلید میں اپنی پوزیشن کو خراب نہیں کرتے۔ وجہ یہ کہ ایک فرد واحد کے قصور پر کل قوم کے اوپر حملہ کرنا سراسر نیز دلی اور کمینہ پن ہے۔

دوئم شیخ صاحبان کیساتھ ہمارے تعلقات دوستی بہت گہرے اور مخلصانہ ہیں پس ہم ایسی کسی نامناسب حرکت کے مرتکب نہیں ہو سکتے البتہ شیخ جی کی غلط بیانیوں کے جوابات مہذب پیرایہ میں ضرور لکھتے ہیں باقی انکی گالیوں پر صبر اور شکر کیساتھ خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے مذہب میں کسی کی دل آزاری جائز نہیں ہے۔

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن ۔ کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

شیخ صاحب کو خانزادوں کے ساتھ جو ذاتی عداوت ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس زمانہ میں یہ تجارہ کے تحصیلدار تھے۔ انہوں نے اپنے استبدادی دورِ حکومت میں جیسا کہ ریاستی میں اکثر ہوا کرتا ہے مقامی لوگوں کو ناخوش بنا رکھا تھا جن میں زیادہ تعداد خانزادوں کی تھی۔ اس وجہ سے اکثر بار ناواجب احکام کی عدم تعمیل پر بدمزگی پیدا ہو جاتی تھی۔ اسی وجہ سے ایک دو موقعوں پر ان کے ساتھ مقابلہ کی نوبت بھی پہنچ چکی تھی چنانچہ ایک مرتبہ چودھری امیر خاں صاحب خانزادہ متوطن تجارہ کے ساتھ بھی مال گذاری وصول کرانے کے موقعہ پر مقابلہ کی نوبت آگئی تھی۔ اگر اُس وقت تحصیل کے اندر بہت سے آدمی موجود نہ ہوتے۔ تو تحصیلدار صاحب کے ساتھ ہاتھا پائی کی نوبت بھی پہنچ جاتی۔ اسی کم بخت بدمزگی نے شیخ صاحب کو مغلوب الغضب بنا دیا تھا۔ اور اسی وجہ سے خانزادوں کے ساتھ بغض و عداوت رکھنے لگے تھے۔ ورنہ بھلا تحصیلداروں کو قوموں کے حسب و نسب۔ شجرہ خوانی اور رسومات شادی و غمی کی تلاش و تحقیق سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ جب اور کچھ قابو نہ چلا تو سب سے پہلے ارشنگ تجارہ کے اندر خانزادوں کو خانہ زاد شاہی تحریر فرما کر دل کا بخار نکالا۔

جب یہ کتاب منشی احمد خاں صاحب خانزادہ متوطن کوٹ قاسم نے پڑھی۔ تو انہوں نے مختلف تاریخی حوالوں سے اس کتاب کی تنقید بنام تاریخ ارژنگ تجارہ فارسی زبان میں لکھ کر شیخ جی کے پاس تجارہ بھیجی۔ اور اس تنقید کے ساتھ ہی شیخ صاحب کے حسب و نسب پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی تھی۔ شیخ صاحب اپنے اس قوائے پتے کو اور کتاب کی تنقید کو دیکھ کر بہت گھبرائے۔ لیکن نہ تو اپنے حسب و نسب کے انکشاف کا ازالہ فرما سکے۔ اور نہ کتاب کی تنقید کے برخلاف تاریخی ثبوت بہم پہنچا سکے۔

بشو ایام میں جناب میجر پولیٹ صاحب قائم مقام پولیٹیکل ایجنٹ الور کی طرف سے شیخ جی کو ریاست الور کی تاریخ لکھنے کی خدمت سپرد کی گئی۔ یہ موقعہ ان کے لئے خانزادگان کی دل آزاری کا خاص طور پر بہم پہنچ گیا۔

غرض جب اور کچھ بن نہ پڑا۔ تو مجبور ہو کر یہ ذات شریف ذاتیات پر اتر آئے۔ اور اپنے دل کا بخار نکالنے کے لئے کتاب مرقع الور میں انہوں نے تمام قوم خانزادہ کے برخلاف عموماً اور منشی احمد خاں صاحب کے برخلاف خصوصاً سخت زہر اگلا ہے جس سے انہوں نے اپنی تمام نام شرافت کا بیڑا غرق کر دیا۔ اور گالیاں دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ہم اپنے اس بیان کی صداقت کے لئے شیخ جی کی عبارت کا نمونہ بھی بجنسہٖ نقل کئے دیتے ہیں جو انہوں نے مرقع الور میں تحریر فرما کر اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے۔ اس کو پڑھ کر ناظرین پر ان کی دریدہ دہنی اور بخشش کا حال بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ وہ عبارت یہ ہے۔

(خانزادوں نے اپنا ایک نیا قوم بنایا ہے اور سلسلہ اپنی نسل کا باظہار شرافت تہن پال (تہن پال) جادوں راجہ بیانہ سے جا ملایا ہے۔ اور ایک نسب نامہ اس کی صداقت کا لکھ لیا ہے۔ اور جاگوں کو اس کی تصدیق کا شاہد کیا ہے۔ یہ ساخت اس کے نادانفوں کو بہکاتے ہیں جو شخص کچھ بھی سرمایۂ علم وعقل اور تاریخ دانی اور قوت دخل رکھتا ہے اس کے سامنے کچھ بھی پیری ان کی نہیں چلتی۔ اور اس جھوٹ کی ہرگز نال نہیں گلتی دروغ کو کب فروغ ہوتا ہے۔ راستی کبھی کہیں دروغ ہوتا ہے۔ دیکھو وہ خود ہی بہادر ناہر اپنے جد کا مسلمان ہونا عہد فیروز شاہ بادشاہ میں تحریر کرتے ہیں۔ اور بیعت ہونا اس کا دست حق پرست حضرت قطب صاحب پر حوالہ قلم کر کے جھوٹ سے نہیں ڈرتے ہیں۔ کہاں زمانہ حضرت قطب صاحب اور کہاں عہد فیروز شاہ

دونوں کے زمانہ میں دو سو برس کا تفاوت بلا اشتباہ ہے۔ پھر کہئے ایسا جھوٹا
نسب نامہ کس طرح سچا ہو۔ اور یقین اس کی صحت پر کیونکر پیدا ہو۔ اور کاش ان کو
خاندانی فرض بھی کر لیا جائے۔ تو جیسے ہو ویسے ہی وہ بھی ہیں۔ سابرپال جد
اعلیٰ خان افغان جو سلطان ہو کر بہ اسم ناہر تاج پہاڑ ہے وہ بجلی کی اولاد ہے۔ اور جو
خان زادوں کا بیان ہے کہ خطاب بادشاہی ہمارا خان ہے اور اس خطاب سے خانزادہ
برآمد۔ اس وجہ سے ہمارا ہے اسکے ہم لقب نامزد ہوئے۔ یہ بھی انکی ایک بے علمی کی بات
ہے۔ ورنہ تفصیح سے بخوبی اثبات ہے کہ ان کے جدا مجد کا بہادر ناہر نام بالقاب خان
کہیں تحریر میں نہیں آیا۔ جہاں دیکھا بہادر ناہر لکھا پایا۔ پھر بے ثبوت کس طرح
قابل اطمینان ہے کہ لقب خان زادہ مشتق بہ لفظ خان ہے۔ ارژنگ تجارہ میں
حسب و نسب ان کا زیب قلم ہوا تھا۔ جب وہ ہی اپنی اصل پر آگئے۔ تو ہم بھی
ان کی رگ پاگئے ہے

اصل بد از خطا خطا نہ کند ‎ ‎ ‎ ‎ بد گہر با کسے وفا نہ کند

وہ کہ لفظ خانہ زاد سے برآمدگی لقب خان زادہ حوالۂ کلک استان گذار ہوئی۔
اس قوم کج فہم کو نہایت ناگوار ہوئی۔ اسی رنج بے سود سے بہراو نادانی اپنی اصلیت
کی کہانی وہ خود کہنے لگے۔ یہاں حسب ضرورت پوست کندہ کہنا لازم آیا کہ
ایک اسی قوم شریف کا پر مغز نازک دماغ۔ احمق نام سنا گیا ہے۔ جو کہ قفس میں
کوٹ قاسم کے بدالنست خود طوطا بولتا ہوا ہے۔ اور اپنے منہ سے خود میاں مٹھو
بنا ہوا ہے۔ وہ بھی ارژنگ تجارہ کی کسر شان میں اپنی شکر خائی پر پھول
رہا ہے یعنی ہم صفیران بے بال و پر کی بولی سیکھنے پر پھول رہا ہے۔ لیکن جسے
استاد ازل نے کلمۂ دانائی پڑھایا۔ وہ قفس رنج میں کب پڑتا ہے۔ اور جو ناحق
کو بکتا ہے۔ آپ و دانہ ایمان کا کھوتا ہے اور خصیاں کی قبر میں گرتا ہے۔ دانا
وہی ہے جو نادان کی بات۔ اس کان سنے۔ اس کان نکال دے۔ اور کلمۂ خیر پڑھکر
شر کو ٹال دے۔ دریں صورت نفسانی کرنا دلیل ہے اور جامہ سے باہر ہونا عریانی
بس زبان قلم کسی کی ستر کشائی میں مت چلا۔ وائے تیزی عقل پردہ دری مفضوبا
ذکر کر اس میں کیا فائدہ ہے

جب نیا غدر ہم جس سے لے ہو چالاکی کا سوال ۔ ہے شغل مشہور خاموشی ہے نادان کا جواب
بدگمانی بری ہے نیکی کے پھل کو حیا کی چھری ہے۔ اللہ خود جاہل کو جو دین لیں گے
جو بات حق ہے اُسے آپ مان لیں گے۔ بھلا کسی کے کہنے سے برا نہیں ہو سکتا بلکہ
بھلا ہی ہو سکتا ہے۔ جس کے حق میں حاسد برا کہتا ہے۔ الاعمال بالنیات الاعمال
ہو نکرار ہے۔ وہ حال لکھنا چاہیے کہ اب جس کا اظہار ہے
دیکھو کتاب مرقع الور صفحہ ۱۷۱ تا ۱۷۹ ۔

ناظرین! ہم نے اپنے برخلاف مندرجہ بالا تمام عبارت کو بجنسہ بلا خوف و خطر صداقت کے ساتھ اسی واسطے لکھ دیا ہے کہ کتاب مرقع الور کے پڑھنے والوں کو کہیں یہ خیال پیدا نہ ہو جائے کہ خان زادوں کے پاس ان اعتراضوں کا خدانخواستہ کوئی جواب نہ تھا۔ یا ان اعتراضوں میں کچھ صداقت موجود تھی۔ اس لئے خاموشی اختیار کی گئی ہے بلکہ ان اعتراضوں کے جواب دینے کے لئے ہمارے پاس ہر قسم کے مستند اور معتبر تاریخی ثبوت موجود ہیں۔ جو اس تاریخ میں ہر جگہ لکھے گئے ہیں۔ اس لئے ہم نے ڈنکے کی چوٹ ان اعتراضوں کو درج کر دیا ہے۔ اور اب ان کے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) **اعتراض** خان زادوں نے اپنا ایک نیا قوم بنایا ہے۔

جواب اس جگہ لفظ قوم کو مذکر لکھا گیا ہے۔ جو قواعد اردو کے خلاف ہے۔ اس نام نہاد مورخ کو تا ہنوز مذکر و مؤنث کی بھی تمیز نہیں ہے۔ اور اُن کا یہ لکھنا بھی صریح جھوٹ ہے کہ نیا قوم بنایا ہے۔ جو ہندو راجپوت مسلمان بنے ہیں وہ اب بجائے ہندو راجپوت کے مسلم راجپوت کہلانے لگے ہیں۔ قوم وہی راجپوت اب بھی موجود ہے۔ پھر نئی قوم لکھنا صریح مغالطہ دینا ہے۔ اب رہا لفظ خان زادہ۔ تو یہ صرف ایک خطاب ہے جو اسلام کے طفیل خان زادوں کو حاصل ہوا ہے۔ قائم خانی۔ لال خانی۔ ثابت خانی وغیرہ راجپوتوں کے فرقوں کے مانند خان زادہ بھی راجپوت قوم کا ایک فرقہ ہے۔ جو اب قائم خانیوں وغیرہ کی مانند قوم کے معنوں میں استعمال ہونے لگا ہے۔ حالانکہ یہ تمام قومیں بھی مسلم راجپوت ہی ہیں۔ شیخوں میں قریشی۔ صدیقی وغیرہ اور سیدوں میں حسینی رضوی وغیرہ فرقے موجود ہیں وغیرہ وغیرہ۔

لہذا خان زادہ قوم مسلم راجپوتوں کا ایک فرقہ ثابت ہے نہ کوئی دوسری علیحدہ قوم

(۲) اعتراض: خانزادوں نے اپنا سلسلہ نسب تہن پال (اتھن پال) سے جا ملایا ہے۔

جواب: یہ سلسلہ نسب خانزادوں نے ہی نہیں ملایا، بلکہ بہت سے مورخوں نے بھی اپنی تاریخوں میں ملایا ہے۔ جیسے کہ تہن پال سے لے کر بہادر پال مورث اعلیٰ خانزادگان تک۔ انکا شجرہ مع وقائع درج فرمایا ہے۔ جسے ہم نے اسی بیان کے آخر میں درج کر دیا ہے۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔ چشمہ آفتاب را چہ گناہ ۔

(۳) اعتراض: خانزادوں نے اپنا مسلمان ہونا قطب صاحب کے ہاتھ پر اور فیروز شاہ کے زمانہ میں بتایا ہے اور ان دونوں کے زمانوں میں دو سو سال کا فرق ہے اس وجہ سے ان کا نسب نامہ غلط ہے۔

جواب: یہ خانزادوں پر بہت بڑا بہتان ہے۔ شیخ صاحب کو چاہیے تھا کہ خانزادوں کی طرف سے لکھی ہوئی کوئی کتاب یا تاریخ یا کتبہ۔ یا زبانی روایت ہی اپنے دعوے کے ثبوت میں ایسی پیش کرتے جس سے یہ معلوم ہو جاتا کہ واقعی خانزادے مندرجہ بالا دونوں واقعات کو ایک ہی زمانہ میں واقعہ ہونا بیان کرتے ہیں۔ لیکن شیخ جی کی طرف سے ایسا کوئی ثبوت عقلی یا نقلی پیش نہیں کیا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خود ہی خانزادوں کے برخلاف دعوے گھڑ لیتے ہیں اور خود ہی انکی تردید کر کے خانزادوں کو بدنام کرتے ہیں نیز کتاب ارژنگ تجارہ میں وہ خود سانپر پال کو راجہ تہن پال کی اولاد میں اور شیخ نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی کے ہاتھ پر اسلام لانا لکھ چکے ہیں لیکن اب مرقع الور میں اپنی ہی تحریر کے برخلاف لکھتے ہیں۔ اس تلون اور غلط نگاری کا کیا ٹھکانہ ہے اور ایسے مکرنے والے شخص کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ بات در اصل یہ ہے کہ ارژنگ تجارہ کی تصنیف سے پہلے تو شیخ جی کا خانزادوں سے کچھ لگاؤ تھا۔ لیکن اس کے بعد چودھری امیر خاں صاحب کے ساتھ تکرار اور منشی احمد خاں صاحب کی تنقید کے سبب عداوت پیدا ہو گئی۔ اس وجہ سے اپنے ہی قلم سے اپنے بیان کی تردید کرنے سے بھی در گذر نہیں کی۔

مسٹر ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ

(ایرانیوں وغیرہ تاریخوں میں راجپوتوں کے شجرہ ہائے حسب و نسب میں پشتوں کی کمی بیشی سے نام بھی جدے ہوئے ہیں۔ کوئی نام پہلے لکھا گیا ہے اور کوئی بعد میں۔ لیکن اہل نظر اور مبصر لوگ اس تبدیلی یا اختلاف پر مطلق نظر نہیں کرتے)

دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۶۰ —

بیٹھے ٹاڈ صاحب تو اتنے بڑے بڑے تفاوتوں کا بھی خیال نہیں کرتے۔ لیکن یہاں ظاہر بات شیخ صاحب خانزادوں کے شجرہ نسب کو صرف اس موہوم اختلافات پر فاضلانہ بیان فرماتے ہیں کہ سانبھر پال کے اسلام لانے کا زمانہ بجائے شیخ نصیر الدین صاحب کے قریب زمانہ کا بتلایا گیا ہے۔ بفرض محال اگر ایسا ہو بھی۔ تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوسکتے کہ اس سے خانزادوں کا نسب نامہ ہی غلط ہوگیا۔ فرض کیجئے دو مورخ اپنی اپنی تحقیق کے موجب طوفان نوح کے وقت میں دس یا بیس سال کا فرق بیان کرتے ہیں تو اس فرق سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں ہوسکتے کہ طوفان نوح کا واقعہ ہی غلط ہے۔ واقعہ معراج کے متعلق تمام صحاح ستہ کی حدیثوں میں بہت بڑے بڑے اختلافات موجود ہیں۔ لیکن باوجود ان اختلافات کے کوئی مسلمان واقعہ معراج کو غلط نہیں مانتا۔ اسی طرح خانزادوں کے اسلام لانے کی وقت میں فرق ہونے سے اُن کا نسب نامہ کس طرح غلط ہوگیا۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان۔

اگرچہ ہمارے رسول اللہ کے شجرہ نسب میں بھی مورخوں کا بہت بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اس اختلاف کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حضور کا شجرہ نسب ہی غلط ہے۔ علاوہ خانزادوں کے اسلام لانے کے وقت کا فرق بھی شیخ جی کے ذہن کے سوا دنیا بھر کی کسی کتاب یا یادداشت میں موجود نہیں ہے۔

اول تو کسی جھوٹی بات کو پیش کرنے کی انسان میں ہمت ہی نہیں ہوسکتی۔ اور اگر ایسا کیا بھی جائے تو دو دن میں اس کی قلعی کھل جاتی ہے۔ پس یہ سچ ہی کی کرامات ہے کہ خانزادوں نے نہایت جرأت اور صداقت کے ساتھ معتبر اور مستند تاریخوں کے حوالوں سے پبلک کے سامنے اپنا نسب نامہ پیش کر دیا۔ اور جب مورخوں نے بھی اپنی اپنی تاریخوں میں معتبر سمجھ کر درج فرما دیا ہے۔ لیکن آپ کے اندر اتنی بھی ہمت نہ ہوسکی۔ کہ کم از کم اپنا سچا یا یا جھوٹا نسب نامہ قاضیان تجارہ کے طلب کرنے پر پیش کر دیتے۔ اس خاموشی اور مجبوریت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ضرور تھا۔ خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید۔ صد

سنبھ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو　　تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔

(۴) **اعتراض** خانزادے کہتے ہیں خطاب بہادر خان ہے اور اس خطاب سے خانزادہ مراد ہے یہ بے عقلی کی بات ہے کیونکہ تاریخوں میں بہادر ناہر کا نام با القاب خان کہیں تحریر میں نہیں آیا۔

جواب۔ اس اعتراض کے جواب کے لئے ہم ناظرین کی توجہ خطاب خان زادہ ہونے کے بیان کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جو اس باب کے نمبر ۳ میں لکھا جا چکا ہے جس میں ہم نے بہت سے معتبر تاریخی حوالوں سے خان کا خطاب حاصل ہونا ثابت کیا ہے۔ ان حوالوں کو پڑھنے سے شیخ جی کا جھوٹ ظاہر اور لازم ہو جاتا ہے۔ کیا ان کتابوں کے حوالوں کو مطالعہ کرتے وقت شیخ جی نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں جس سے حوالے نظر نہ پڑے ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے است
گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

یہ سب کچھ حسد کے کرشمے ہیں۔ جس کی وجہ سے شیخ جی نے صریح جھوٹ بولنا بھی گوارا کر لیا ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ غیر ملکی مورخوں نے بوجہ تعصب بطور حقارت ہندوستانی راجاؤں اور سرداروں کے آدھے آدھے نام تاریخوں میں لکھے ہیں مثلاً رانا سنگرام سنگھ کو سانگا۔ مہاراجہ رام چندر کو رام۔ رانا ہمیر سنگھ کو ہمیرا۔ رانا امر سنگھ کو امری رانا۔ کرن سنگھ کو کرنا۔ راجہ جلال خاں و قدو خاں خان زادگان والیان میوات کو جلو و قدو وغیرہ لکھا گیا ہے۔ دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۳۸۔

اسی طرح ملا عبدالقادر بدایونی نے سلطان بہادر شاہ گجراتی کو چند جگہ صرف بہادر ہی لکھا ہے۔ اور شاہ کا لفظ بھی اڑا دیا ہے۔ بالکل اسی کے مطابق ناہر خاں کا نام بھی صرف بہادر ناہر ہی لکھا گیا ہے۔ بلکہ فرشتہ نے اور ملا عبدالقادر بدایونی نے تو کئی جگہ صرف ناہری لکھا ہے اور خان تو درکنار۔ بہادر کا لفظ بھی اڑا دیا ہے۔ ایسے مختصر ناموں کی بہت سی مثالیں تاریخوں کے اندر موجود ہیں۔ لہذا شیخ جی کا یہ استدلال کرنا کہ بہادر ناہر کے آگے خان کا لفظ موجود نہیں ہے۔ بالکل غلط اور گمراہ کن ہے۔

(۵۱) اعتراض اگر خان زادوں کو جادو بنسی مان بھی لیا جائے۔ تو جیسے میو ہیں۔ ویسے ہی یہ ہیں۔

جواب اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ شیخ جی تمام جادو بنسیوں کو بھی حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اسی واسطے یہ کہتے ہیں کہ خان زادے جادو بنسی مان لینے پر بھی شریف نہیں بن سکتے۔ کیونکہ جادو بنسی بھی کوئی شریف قوم نہیں ہے۔ دوئم یہ کہ وہ میو قوم کو بھی بہت حقیر اور ذلیل جانتے ہیں۔ اسی لئے خان زادوں کو شرافت سے گرانے کے لئے میو قوم کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ اگر ہم شیخ جی کے اس فارمولا کے مطابق کہ خان زادوں

کو چار دو جیسی بھی مان لیا جائے تب بھی پیچھے پیدا ہیں دیکھے ہی رہ رہیں۔ ہم یہ کہہ دیں کہ اگر محمد
بخش صاحب کو شیخ بھی فرض کر لیا جائے تب بھی پیچھے پچار دیں د بچے ہی رہ رہیں تو ہمارا یہ
استدلال شیخ جی کے اصول موضوعہ کے لحاظ سے بالکل درست ماننا پڑے گا۔

(۶) **اعتراض** اپنی نسل کو قنون یال جاڑا ثابت کرنے کے لئے ناگوں کو بھیس کی
تصدیق کا شاہ بنایا ہے۔

جواب جھوٹے پر خدا کی لعنت۔ اس بیان کے آخر میں ہم نے جو حوالے خان زادوں
کو قنون یال ذیشن بل کی اولاد میں ثابت کرنے کے لئے تحریر کئے ہیں اُن میں ایک بھی حوالہ جاگا کا دیا
کا نہیں ہے۔ حالانکہ جاگا ذات کے حوالوں سے زیادہ معتبر تاریخی حوالے بھی نہیں ہو سکتے۔
لیکن ہم نے تمام حوالے تاریخوں ہی کے لکھے ہیں۔ اس سے زیادہ شیخ جی کا سفید جھوٹ اور
کیا ہو سکتا ہے۔ کیا مزہ کی بات ہے کہ اپنے ثبوت کے لئے تو شیخ جی پوتھی جاگہ کے حوالوں کو
صحیح مان لیتے ہیں۔ جیسا کہ صفحہ ۲۳ میں باڈل کے برآمد ہونے کا ثبوت پوتھی جاگہ سے
دیا گیا ہے۔ لیکن خان زادوں پر باوجود حوالہ نہ دینے کے بھی جھوٹا الزام قائم کرتے ہیں۔

خوب ہے

ہر کسے ناصح برائے دیگراں
ناصح خود یافتم کم درجہاں

پوتھی جاگہ کے اندراج کے صحیح اور معتبر ہونے کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے
کہ وراثتی جھگڑوں کے فیصلوں کے لئے ہندوستان کی ہر ایک عدالت نے اپنے اپنے زمانہ
میں اس کو صحیح اور معتبر مان کر فیصلے صادر کئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ شیخ جی نے یہ اعتراض
کرتے وقت بالکل عقل کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

(۷) **اعتراض** لفظ احمد کو بگاڑ کر احمق لکھا گیا ہے۔

جواب چونکہ شیخ جی نے عداوت کی وجہ سے اپنے مخالف کی تحریر میں اس نام کو
بگاڑ کر لیا ہے۔ جس کے مسمی ہمارے آقا کے دو جہاں ہیں۔ اس نام کی عزت و حرمت ہر مسلمان
پر فرض ہے۔ پس جو شخص دانستہ اس نام کی توہین کرتا ہے۔ اس کے اسلام میں فرق ہے۔
اپنے مخالف کی توہین کے لئے احمد نام کو بگاڑے بغیر بھی اور بہت سے الفاظ استعمال
کئے جا سکتے تھے۔ یہ اس شخص کا عمل ہے۔ جو اپنے تئیں شیخ کہتا ہے۔ ہے

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ دارد — وائے گر در پس امروز بود فردائے

(۸) **اعتراض** جو لا ف بکتا ہے وہ آپ ہی دانا یاں کا کھوتا ہے دانا وہی ہے جو نادان کی بات اس کان سنے۔ اس کان نکال دے۔ اور شور کو ٹال دے بھلا کسی کے کہنے سے برا نہیں بن سکتا۔ بھلا وہی ہے جس کے حق میں حاسد برا کہتا ہے وغیرہ وغیرہ

جواب جب منشی احمد خاں نے رسالہ اسخ ارشنگ تجارہ میں شیخ جی کے حسب و نسب کا پوست کندہ حال تحریر فرمایا تھا۔ تو اس کو پڑھکر یہ بہت بگڑے تھے۔ اور اسی قسم کی بہت سی بہکی بہکی باتیں جو کھو گئے شرما نے ہوئے اور لاجواب آدمی کہا کرتے ہیں یہ بھی بکنے لگے اور تہمت تراشی اور بد گوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور یہ سب کچھ کہنے کے بعد بھی ابھی تک آپ خاموش ہی بنے ہوئے ہیں ؎

زہے ہوشیاری کہ ناداں بن کر ہنسی سے یہ مرا گلا ہو رہا ہے۔

(۹) **اعتراض** لفظ خانہ زادے برآمدگی لقب خانزادہ جو اردو داستان گذار ہوئی تھی جو اس قوم کو ناگوار ہوئی۔

جواب معلوم نہیں شیخ جی کا وہ کونسا خانہ ساز قاعدہ ہے جس کی رو سے انہوں نے لفظ خانہ زادے لقب خانزادہ برآمد کر لیا ہے۔ آج تک تو کسی بھی اہل علم نے کسی صرف و نحو کی کتاب میں ایسا قاعدہ نہیں لکھا۔ یہ ایجاد بندہ اگرچہ گندہ صرف شیخ جی ہی کی بدمذاق طبیعت کا نتیجہ ہے۔

اگر یہ برآمدگی معنوں کے لحاظ سے ہے۔ تو خانہ زاد اور خانزادہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور اگر بناوٹ کے لحاظ سے ہے۔ تب بھی لفظ خانہ زادے خانزادہ ہرگز نہیں بن سکتا۔ تاوقتیکہ اس کے آگے اور پیچھے کچھ گھٹانا اور کچھ بڑھانا نہ پڑے یعنی پہلے خانہ کی ہے کو دور کرو۔ اور اسے زادے کے آگے ایزاد کرو۔ تب لفظ خانہ زادے بنے گا خانزادہ

پس اس سیدھے سادے قاعدہ کو چھوڑ کر جسے تمام دنیا پر تمام صرف و نحو والے استعمال کرتے ہیں کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یعنی جس قاعدے کے مطابق امیر سے امیرزادہ شریف سے شریف زادہ۔ شیخ سے شیخ زادہ اور سید سے سید زادہ بنایا گیا ہے۔ بالکل اسی قاعدہ کے بموجب خان سے خانزادہ بنایا گیا ہے۔ جو ہر طرح اصول صرف و نحو کے مطابق ہے اب ہم فیصلہ اپنے ناظرین پر چھوڑتے ہیں وہ خود بتلادیں گے۔ کہ جس صرف و نحو کے

قاعدہ کے مطابق خان سے خانزادہ بنایا گیا ہے تو یہ درست ہے اگر شیخ جی کا یہ قاعدہ درست ہے تو یہ درست ہے جو کسی بھی قاعدہ اور اصول کے ماتحت نہیں ہے ۔

(۱۰) **اعتراض:** سانبرپال عرف خانزادہ خانزادگان جو مسلمان ہو کر ... ہوئے وہ بیجل کی اولاد ہے ۔

جواب: اول یہ کہ جو شجرہ نسب مختلف تاریخوں کے ذریعہ ہم نے درج کیا ہے اس کی رو سے بیجل مذکور سانبرپال کا چچازاد بھائی ثابت ہوتا ہے ۔ پس ایک بھائی کے نطفے سے دوسرے بھائی کا پیدا ہونا آج تک دنیا میں کہیں نہیں سنا گیا ۔ شاید ایسا کوئی دستور شیخ جی کے ہاں ہوتا ہوگا ۔ تب ہی تو ان کو ایسی ناممکن بات بھی ممکن نظر آگئی ۔

افسوس شیخ جی نے عداوت میں اندھا ہو کر دروغگوئی اور تہمت تراشی کی بھی حد کر دی ہے جس کی رو سے وہ خانزادوں کی تحقیر کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں کرتے ۔ وہ ایسی بیہودہ بات کو بھی جس کا کوئی وجود دنیا بھر کی تاریخوں میں نہ پایا جاتا ہو ۔ خانزادوں کے برخلاف درج کرنے میں وہ ثواب عظیم خیال کرتے ہیں ۔

دوئم یہ کہ گذشتہ زمانہ کے کسی واقعہ کا ثبوت تاریخوں سے ہی لیا جا سکتا ہے ۔ اس لئے ہم شیخ جی کی بکواس کے جواب میں بھی تاریخی حوالے ہی پیش کر سکتے ہیں لیکن جس حاسد اور ناانصاف شخص کے سامنے تاریخی حوالے کاغذ کے ایسے بے قدر پرزے ہوں جیسے جنگ عظیم میں جرمن کے سامنے معاہدات کے کاغذات ہوتے تھے تو اس کا ہمارے پاس کیا علاج ہے ۔ ہاں ایسی بکواس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ ہم بھی شیخ جی سے زیادہ بدزبان بن جائیں ۔ لیکن افسوس یہ تہذیب کے خلاف ہے ۔

سوئم یہ کہ شیخ جی نے اپنی پہلی تصنیف ارژنگ تجارہ میں سانبرپال کو لکھن پال کا بیٹا لکھا ہے ۔ لیکن اب دوسری تصنیف مرقع الور میں اسے بیجل کی اولاد لکھتے ہیں ۔ کیسا یہ دروغگو را حافظہ نباشد [illegible] ہے ۔

چہارم یہ کہ تمام معتبر و مسلم مورخوں نے سانبرپال کو اپنی اپنی تاریخوں میں راجہ تہن پال کی اولاد میں لکھن پال کا بیٹا لکھا ہے ۔ جس کے حوالے بھی صحیح بیان کے آخر میں ہم نے مفصل لکھے ہیں لہذا ایسے صاف ۔ صریح اور معتبر حوالوں کے مقابلہ میں شیخ جی کی لا یعنی کہانی اور صرف زبانی کیا حقیقت رکھ سکتی ہے ۔

مندرجہ بالا اعتراضوں کے سوائے جن کے جوابات ہم نے لکھ دئے ہیں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس میں منشی احمد خاں کے برخلاف خصوصاً اور خان زادوں کے برخلاف عموماً گالیوں اور خرافات کا طومار اور اپنی ستائش کا اظہار ہے۔ جس کا جواب محض تضیع اوقات ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ منشی احمد خاں صاحب نے ان کی تحریر کے جواب میں جو کچھ لکھا تھا۔ اس کو ٹھنڈے دل سے مطالعہ کر کے متانت کے ساتھ معتبر تاریخی حوالوں سے اس کا جواب تحریر فرماتے تاکہ ناظرین تاریخ کو بھی اس علمی بحث میں لطف حاصل ہوتا۔ لیکن افسوس شیخ فوراً بھڑک اٹھے۔ اور معقول جواب کے بجائے وہ گالیاں دیں کہ توبہ ہی بھلی۔ سچ ہے

چوں پیش خصم دلیل و براں نماند۔ سلسلۂ خصومت بجنباند ؎

دلائل قوی باید و معنوی نہ رگہائے گردن بحجت قوی

شیخ جی نے خان زادوں کی اہمیت گھٹانے کے لئے ان کے بنائے ہوئے ان مکانات کا بھی جو کہ انھوں نے تجارہ۔ الور اور بہادر پور وغیرہ میں اپنی حکومت کے زمانے میں بنوائے تھے مطلق ذکر نہیں لکھا۔ اور اگر کہیں ذکر کیا بھی ہے۔ تو ان مکانات کو دوسری اقوام کا بنا یا ہوا لکھ دیا ہے۔ چنانچہ ایک مسجد عالی شان۔ اور گنبد بھرتری کا ذکر انھوں نے کہیں نہیں لکھا۔ اور جس تحصیل کے مکان میں وہ ہمیشہ کچہری کرتے رہے اور جس کی بابت تجارہ کا بچہ بچہ یہ جانتا ہے کہ وہ چودھری ہدایت خاں صاحب خان زادہ کا بنوایا ہے۔ شیخ جی اس ذکر کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے۔

ایسے ہی حاسد مورخوں کی نسبت ابن خلدون فرماتے ہیں کہ

(جو مورخ کسی دوسری قوم کی تاریخ لکھتا ہے وہ اپنی کسی ذاتی عداوت کی وجہ سے یا نااہلی سے تاریخ کو لغو و جہل اور واہیات سے بھر دیتا ہے۔ اور بہت سی بیہودہ باتیں اپنی طرف سے ملا دیتا ہے۔ اور اکثر ضعیف اور اپنی بنائی ہوئی روایات داخل کر دیتا ہے۔ لہٰذا مورخ کو چاہئے کہ جن باتوں کو سُنے یا دیکھے یا تاریخوں سے نقل کرے اگر وہ تاریخی تحقیقات کی رو سے درست ہوں تو قبول کرے ورنہ رد کر دے)

بحوالہ تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد اول صفحہ ۱۹ لغایت ۲۲۔

(۳) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(جس مورخ کی عقل ہٹ دھرمی کی بندہ بنا ہوتا ہے وہ اپنے دوستوں دامیروں

کے لئے چاپلوسی اور خوشامد کی انتہا کر دیتا ہے اور اپنے آقاؤں کی ہجو تحریر کرتا ہے
ایسا شخص مورخوں کی فہرست سے خارج ہونے کے لائق ہے۔ ہمارے
لوگوں کی تاریخیں بہت دھوکا دینے والی ہیں آخر تمام اہل گروہوں کی ہوتی ہیں۔
دیکھو تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۱۲۰۔

(۳) ضیاء الدین برنی صاحب لکھتے ہیں کہ
(اگر مورخ کو کسی قصور یا عیب یا کسی بزرگ وغیرہ سے کوئی رنجش ہو تو تاریخ کی
تالیف کے وقت اس پر اس کی نظر نہ ہو بلکہ مورخ کو دیانت داری، حق گوئی اور انصاف کا
مذہبانہ راست و درست لکھنا منظور نظر ہونا چاہیئے۔ اور قیامت کے جواب کا
خوف اس کو ہونا چاہیئے۔)
بحوالہ تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد اول صفحہ ۸۔

جب ان مندرجہ بالا مورخوں کی رایوں کا مقابلہ کتاب مرقع انور کی تحریرات سے کیا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ جی نے حامد بن گرفاں زادوں کے برخلاف سخت زہر اگلا ہے اور صریح غلط بیانی فرمائی۔

جس کتاب مرقع انور پر شیخ جی کو بڑا ناز ہے۔ اس کو ڈبلیو ہولٹ صاحب پولیٹکل ایجنٹ الور کی ذاتی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ یہ زمانہ مہاراجہ منگل سنگھ کا تھا۔ وہ نابالغ تھے۔ اور اجمیر میں پڑھتے تھے۔ ریاست نے اس کتاب کو اپنی فرمائش سے نہ تو لکھوایا اور نہ چھپوایا چنانچہ اس کتاب کا مسودہ ایک عرصہ تک یونہی پڑا رہا چونکہ اس کتاب میں شیخ جی نے ہولٹ صاحب اور کیڈل صاحب کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے ہیں۔ اور ان کی تعریف میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ بندوں کو خدا بنا دیا ہے۔ اس سے خوشامد ہر کرا نگفتی خوش آمد کے مطابق ہولٹ صاحب نے چند ہی روز جب تبدیل ہو کر شیخ جی کو بھی الور سے ہمراہ لے جا کر جے پور میں حاکم فوجداری بنا دیا۔ چنانچہ شیخ جی نے جے پور پہنچ کر اس کتاب کو اپنے خرچ سے ہی آگرہ پریس میں [illegible] کے اندر چھپوایا۔ لیکن بدقسمتی سے وہاں وہ فروخت نہ ہو سکی تو مجبوراً اپنے الور والے پرانے یاروں دوستوں کے پاس ایک ایک جلد بطور نمونہ بھیجی اور اس طرح پہلے ایڈیشن کی تمام جلدیں مفت تقسیم کر دیں۔ دوسرے ایڈیشن کی نوبت آج تک نہیں آئی۔

جو تقریظ مرقع انور کی بابت سید آصف علی صاحب اہلمد عدالت فوجداری جودھپور نے جو شیخ جی کا ماتحت ملازم تھا صفحہ ۱۹۸ و ۱۹۹ میں تحریر فرما کر اس کتاب کی ناقدر دانی کا رونا رویا ہے اور شیخ جی کے آنسو پونچھے ہیں اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مورخوں کے نزدیک یہ کتاب محض ردی کی ٹوکری کے لائق ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ریاست ضرور اسے اپنے خرچ سے چھپواتی۔

نیز تمام مورخوں کی تاریخیں بڑے بڑے کتب خانوں اور لائبریریوں میں جو دہلی، آگرہ، علی گڑھ، لکھنؤ، پٹنہ، رام پور، حیدرآباد دکن، جیسلمیر، لاہور، جے پور، بھرت پور وغیرہ میں ہیں لیکن مرقع انور کہیں بھی نہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ در اصل یہ تاریخ تاریخ کہے جانیکے لائق ہی نہیں ہے۔

غرض مرقع انور کیا بلحاظ مضامین اور کیا بلحاظ استعارات و کنایات فسانۂ عجائب یا طوطا کہانی ضرور کہی جا سکتی ہے۔ بھلا تاریخوں کو ایسے استعارات و کنایات مبالغہ آمیزی عبارت کی رنگینی اور مقفیٰ ہونے سے کیا نسبت ہے۔ بلکہ تاریخ کے لئے سلیس اور بامحاورہ عبارت کے اندر مضامین کے صحیح، مستند اور معتبر ہونے کی خاص ضرورت ہے مگر شیخ جی نے رنگین اور مقفیٰ عبارت لکھکر اپنی لیاقت دکھائی ہے۔ نمونہ کے لئے ہم یہاں پر چند سطریں مرقع انور میں سے نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائے۔

(جب شاہِ خاور خیمۂ مشرق سے باہر آیا طبل جنگی بجتے ہی آتش تیز جلنے لگی۔ بندوق چلنے لگی ضیائے رنجک بجلی کی چمک دکھاتی تھی۔ صدائے تفنگ کڑک رعد سناتی تھی۔ پھر جب نوبت تلوار آئی چمن کارزار میں گویا فصل بہار آئی۔ گلہائے زخم سے جنگل لالہ زار ہوا۔ ہر نخل قامت کو کثرت جراحت سے سر بار ہوا۔ اعضا اہل دغا صورت برگ خزاں رسیدہ جھڑنے لگے۔ سر بار ہو کر ٹوٹ ٹوٹ پڑنے لگے۔ دُکانِ گُل فروش۔ دشت کارزار ہوا۔ مثل ڈھیر پھولوں کے کشتوں کا انبار ہوا فقط)

مرقع انور صفحہ ۸۴۔

اس عبارت کو پڑھنے سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ جی کو اس مقفیٰ عبارت میں استعارات و کنایات دکھانے منظور تھے نہ کہ مضامین کی صحت و درستی۔

اس قسم کی قومیت سے متعلق ہو ... خاندان سے جو قومیت ... سمجھے ہیں۔
... کی بات ہے ... کی خوشامد کرتے اور ...
... کی تاریخ کی ... ساتھ ...
... تاریخ ... قومیت ہوتا
... اور ... کی ... اور ...
ساتھ ... ہیں۔)

دیکھو مقدمہ تاریخ ہند قدیم صفحہ ۱۰۱۔

اس حوالہ کے بموجب شیخ جی کی ترقی اور بھی ... اعتبار سے ساقط ہو چکی ہے
اب ہم شیخ جی کے اس فریب صحت کا جواب لکھتے ہیں جو انہوں نے کتاب مرقع
کاره کے اندر تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

(خطاب خاں جادون ... باعتبار قومیت جو خانزادہ لوگ اپنا بیان کرتے ہیں
وہ غلط ہے۔ دراصل لقب اُن کا خانہ زاد ہے۔ بادشاہوں کی طرف سے یہ خطاب
خانہ زادگی اکثر ہندو لوگوں کو بھی عطا ہوا ہے۔ اور بادشاہوں کی خانہ زادگی کو ایک
بڑی ... فخر سمجھتا تھا۔ اور یہ خطاب بجز اہل مراتب اعلیٰ اور کسی کو نہیں ملتا تھا۔
... جب کوئی قوم ... ہندو مسلمان ہوتا تھا تو اس کو خانہ زاد قرار دیتے تھے۔)
دیکھو کتاب مرقع کاره صفحہ ۹۔

(۱) اگر ہم فی الحال بفرض محال شیخ جی کی خاطر سے یہی تسلیم کئے لیتے ہیں کہ خانزادوں کو
خانہ زادگی کا خطاب ملا تھا۔ لیکن کسی شخص کے ... خانہ زاد بن جانے سے اُسکی
... اور ذاتی شرافت ... سکتا ہے۔ ... اور ...
... اس ... کہ ... جیسا کہ ... اور
خود ... ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ لیکن ... حقیقت ... ذاتی شرافت
... کوئی ... نہیں رکھتا ... ظاہر ہے
... دیتے ہیں ... قائم ہو سکتا ...
... ہے۔

(۲) ... خانزادوں ... کہ ...

وغیرہ کو ملا کرتا تھا۔ جو شاہی معتمدوں میں داخل ہوا کرتے تھے۔ اسی لئے اس خطاب کے ملنے کی ہر ایک معزز سردار کو خواہش ہوا کرتی تھی۔ اس لئے ہم اس خطاب کو بھی بہت معزز سمجھتے ہیں لیکن جو بات معتبر تاریخوں سے ثابت نہ ہو سکتی ہو خواہ وہ کیسی ہی عزت والی بھی کیوں نہ ہو ہم اسے خانزادوں کے لئے ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ بہادر ناہر کے لئے یہ خطاب کسی بھی تاریخ سے ثابت نہیں ہوا ورنہ اس کے ملنے میں ہمارا کیا حرج تھا۔ نیز اس خطاب کو ماننے کے بعد یہ بھی دیکھنا پڑے گا۔ کہ آیا اس خطاب کا مفہوم صرف وہی ہے جو شیخ جی لینا چاہتے ہیں یا اس کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بعض الفاظ کے کئی کئی معنی بھی ہوتے ہیں۔ اصطلاحی معنی اور ہوتے ہیں اور لغت کے لحاظ سے اور ہوتے ہیں۔ مثلاً ولیدہ۔ جاریہ اَمَت۔ یہ تینوں الفاظ دختر کے معنوں میں بھی آتے ہیں۔ اور لونڈی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ پس ملحاظ محل و موقعہ جو نسے معنی برمحل ہونگے۔ وہی لئے جائیں گے۔

اسی طرح لفظ خانزاد شاہی کے معنی بادشاہ کے گھر کے پیدا شدہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اور بادشاہ کے فرمانبردار اور غلام کے بھی ہو سکتے ہیں۔ چونکہ بادشاہ کے فرمانبردار و جاں نثار اس کے اُمرا۔ وزرا بھی اور خاص بیٹے بھی ہو سکتے ہیں پس اس لحاظ سے لفظ خانزاد شاہی کا اطلاق شاہزادوں پر بھی اور اس کے امیروں۔ وزیروں وغیرہ سب پر ہو سکتا ہے۔ محمد مخدوم صاحب نے اپنی عبارت میں مندرجہ ذیل باتیں لکھی ہیں۔

(۱) خان جادوں کا خطاب غلط ہے۔

جواب بیشک غلط ہے۔ اس خطاب کے ملنے کا دعوے خانزادوں نے نہ کبھی پہلے کیا تھا اور نہ اب کرتے ہیں۔ اس لئے اس پر بحث کرنی فضول ہے۔

(۲) خانزادوں کو خطاب خانہ زاد شاہی ملا تھا۔

جواب یہ خطاب خانزادوں کو ہرگز نہیں ملا تھا۔ بلکہ خان کا خطاب ملا تھا جس کے معتبر تاریخی ثبوت خطاب ملنے کے بیان میں ہم پہلے ہی نمبر تین میں لکھ چکے ہیں وہاں ملاحظہ ہوں۔

(۳) اور لوگوں کو بھی خانہ زاد شاہی کا خطاب ملا ہے۔

جواب بیشک اور لوگوں کو بھی یہ خطاب ضرور ملا ہے۔ جس کے متعلق ہم چند مثالیں اسی بیان میں آگے درج کریں گے۔

(۴) بادشاہوں کی خانہ زادی کو ہر ایک آدمی اپنا فخر جانتا تھا۔

جواب۔ اس تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خانہ زاد شاہی کے خطاب کا مفہوم حقارت آمیز تھا ورنہ بھلا ایسے خطاب پر کون بیوقوف فخر کر سکتا ہے جس سے حقارت ثابت ہوسکتی ہو۔ بلکہ اس سے تو صاف یہ پایا جاتا ہے کہ خانہ زادے لوگ بھی اس خطاب کو اپنی ہرشان کو گھٹانے والا سمجھ کر اس پر فخر کرتے تھے۔ جیسا کہ شیخ جی خود بھی لکھ رہے ہیں۔

(۵) ایسا خطاب بجز اہل مراتب اعلےٰ دوسروں کو نہیں ملتا تھا۔

جواب۔ یہ خطاب اہل مراتب اعلےٰ کو ملنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خانہ زاد لوگ شاہی درباروں میں بہت بڑے درجے والے سمجھے جاتے تھے۔ اور یہ بڑے بڑے مرتبے ان کو شریف اور نجیب الطرفین سمجھ کر دیئے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے بادشاہوں اور ان کے اُمرا اور وزرا کے ساتھ خانہ زادوں کی رشتہ داریاں ہوا کرتی تھیں۔ ورنہ غیر شریف کے ساتھ ایسے ایسے جلیل القدر اُمرا وغیرہ ہرگز رشتہ داریاں کرنا پسند نہ فرماتے۔

صرف ونحو کے اندر خطاب کی یہ تعریف لکھی ہے کہ بادشاہوں یا حاکموں کی طرف سے کسی اعلےٰ کارنامے پر خوش ہو کر اپنے ماتحت سرداروں کو جو عزت کا نام دیا جاتا ہے اُسے خطاب کہتے ہیں۔ اگر واقعی خانہ زاد شاہی کا خطاب عزت کا نہیں ہے تو پھر اس کو خطاب کہنا ہی غلط ہے کیونکہ خطاب تو عزت افزائی کے لئے دیا جاتا ہے۔ لیکن جس خطاب سے بجائے عزت کے اُلٹی ذلت ہوتی ہو وہ ہرگز خطاب نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطاب دہندہ کو خطاب دینے کی بھی تمیز نہ تھی۔ جس نے نادان دوستوں کی طرح خانہ زادوں کو ایسا نامعقول خطاب عطا فرمایا تھا جس سے ان کی عزت ذلت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

(۶) جو ذی عزت ہندو مسلمان ہوتا ہے اس کو خانہ زاد کہتے تھے۔

جواب۔ یہ بیان بھی قطعی غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ راجپوتوں کے بہت سے گروہ مثل تنور جادو ۔ پنوار ۔ کچھواہے ۔ بڑگوجر ۔ چوہان وغیرہ مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں ہندو سے مسلمان ہوئے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کا لقب یا خطاب بھی مسلمان ہونے کے بعد خانہ زاد شاہی نہیں رکھا گیا۔ البتہ ان کو مسلم راجپوت کہا جاتا ہے۔

اسی طرح ساہیوال بھی ہندو جادو راجپوت سے مسلمان ہوا تھا۔ پھر اس کو بھی کس طرح خانہ زاد شاہی قرار دیا جاتا ہے۔

دراصل یہ خانہ زاد کا لفظ ایک اصطلاح یا محاورہ کا لفظ ہے جو عام طور پر اطاعت اور فرمانبرداری کے اُس تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو بادشاہوں کو اپنے امراء، وزراء وغیرہ اور شاہزادوں کے ساتھ اور بڑوں کو اپنے چھوٹوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے جس میں بادشاہ بہ حیثیت مالک یا آقا کے ہوتا ہے اور اس کے امراء، وزراء اور شاہزادے خانہ زاد شاہی شمار ہوتے ہیں۔ یہ محاورہ صرف بادشاہوں اور اسکی اولاد وغیرہ کیلئے ہی مخصوص نہیں ہو بلکہ ہر ایک بڑے اور چھوٹے کے باہمی تعلق کے موقعہ پر بھی اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہو چنانچہ ایک شاگرد اپنے استاد کو۔ مرید اپنے پیر کو۔ بیٹا اپنے باپ کو۔ اور ماتحت اپنے افسر کو ہمیشہ اپنا آقا اور مالک سمجھکر اپنی تحریر و تقریر میں یہی عرض کیا کرتا ہے کہ میں آپکا بندہ ہوں۔ غلام ہوں۔ خانہ زاد ہوں۔ فرمانبردار و دست بستہ حاضر ہوں وغیرہ وغیرہ

حالانکہ ان اصطلاحی الفاظ کو اس طرح استعمال میں لانے سے خدانخواستہ وہ ایسا خدمتگار غلام یا ملازم کی حیثیت رکھتا ہو ہرگز نہیں بن جاتا۔ اس لفظ خانہ زاد کی چند مثالیں بھی ہم یہاں پر درج کرتے ہیں۔ جن سے اس لفظ کی حقیقت اور مفہوم بخوبی واضح ہو جائے گا۔

(۱) جیمز ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ

(جس وقت راجپوت لوگ اپنے سردار وقت سے گفتگو کرتے ہیں تو ان کی زبان سے اکثر ایسے الفاظ نکلتے ہیں جن میں جوش عقیدت اور اظہار وفاداری و جاں نثاری پائی جاتی ہو۔ مثلاً وہ کہتے ہیں میں آپ کا خانہ زاد بھائی ہوں۔ میرا سر آپ کے لئے حاضر ہے۔ میں ہمیشہ غلامی کے لئے موجود ہوں وغیرہ وغیرہ۔)

دیکھو ترجمہ ٹاڈ راجستھان جلد اوّل صفحہ ۲۴۸۔

(۲) جب اکبر بادشاہ اپنے وزیر بیرم خان خانان پر ناراض ہو گیا تو اس کو یہ تحریر کیا تھا کہ

(تمہاری عبودیت اور خانہ زادگی کے بہت سے حقوق ہمارے اوپر ہیں)

دیکھو تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد پنجم صفحہ ۵۴۔

(۳) (شاہ عالم بادشاہ دہلی نے عالم خاں امیر الامراء کو خانہ زاد خاں بہادر کا خطاب دیا تھا)

دیکھو تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد نہم صفحہ ۲۳۔

(۴) بخشی الملک ذوالفقار خاں نے شاہ عالم بادشاہ سے عرض کیا کہ

(اپنے دولتخانہ کی رکاب میں شاہزادوں اور ہم خانہ زادوں کے اندر کوئی فرق نہیں ہو

دیکھو تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد نہم صفحہ ۴۴۴۔

(۵) (جب اکبر بادشاہ جوان ہو گیا تو بیرم خان کے دشمنوں نے اکبر کو بہکا کر اس کے خلاف کر دیا جس سے بچارے بڑے خانہ زاد شاہی کی تمام شفقتیں برباد ہو گئیں)
دیکھو دربار اکبری کا مصنف محمد حسین صاحب دہلوی صفحہ ۱۰۷

(۶) مولانا الطاف حسین صاحب حالی سرسید کی الالف حیات جاوید نامی کے صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں کہ

(سرسید اپنے متعلق بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے سامنے قلعہ کے اندر میں بھی گیا۔ مجھے دیکھ کر بادشاہ نے میرے والد سے فرمایا کہ یہ تمہارا بیٹا ہے والد صاحب نے عرض کیا حضور کا خانہ زاد ہے)

(۷) ہمارے رسول اللہ کے دادا کا نام اصلی شیبہ تھا۔ لیکن وہ تمام عمر مطلب کی خدمت میں رہے اس وجہ سے ان کا نام عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام پڑ گیا تھا)
دیکھو کتاب رحمت للعالمین قاضی محمد سلیمان صاحب صفحہ ۸۴ جلد دوئم۔

(۸) حضرت یوسف بھی عزیز مصر کے خانہ زاد تھے۔ کیونکہ عزیز نے ان کو زرخرید غلام بنا لیا تھا۔

مندرجہ بالا تمام مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خانہ زاد شاہی کا لفظ صرف ایک اصطلاح ہے جو جوش عقیدت اور اظہار وفاداری و جان نثاری کے معنوں میں لی جاتی ہے۔ اور اس لفظ کا مفہوم سچی وفاداری کو ظاہر کرتا ہے۔

پس اگر شیخ محمد مخدوم صاحب نے بھی خانہ زاد شاہی کے معنی و مفہوم کو انہیں معنوں میں تسلیم کر کے خانزادوں کے لئے گو کہ وہ تاریخوں سے تو ثابت نہیں ہو رہا ہے یہ خطاب عطا ہونا لکھا ہے۔ تب تو وہ درست اور صحیح ہے۔ اور اسے تسلیم کرنے میں کسی بھی سمجھدار آدمی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور خانزادوں پر ہی کیا منحصر ہے بلکہ ہر شخص ایسا خانہ زاد شاہی کہلانے میں اپنا فخر سمجھتا ہے۔

لیکن ہم شیخ صاحب کے اس انداز بیان کو دیکھتے ہوئے جبکہ انہوں نے کتاب ارژنگ نگارو میں خانزادوں کے لئے استعمال کیا ہے ان سے اور ان کے ہم خیالوں سے ہرگز ایسے انصاف کی توقع نہیں رکھ سکتے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش   من انداز قدت را مے شناسم

اگر بہادر ناہر خاں واقعی خانہ زاد شاہی ہوتا تو ناصر الدین محمد شاہ نے تمام خانہ زادان فیروز شاہی کو قتل کرا دیا تھا بہادر ناہر کو کیوں قتل نہیں کرایا۔ حالانکہ وہ برابر دہلی میں ہی موجود رہا۔ اور ہمیشہ بادشاہ مذکور سے سرکش ہو کر اس کے دشمن ابوبکر شاہ کا مددگار بنتا رہا۔ اور بادشاہ مذکور نے ملک میوات کو اس کی جاگیر میں کیوں بحال رکھا تھا۔

تعجب اور حیرت تو یہ ہے کہ خود فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے زمانہ کی تاریخ فتوحات فیروز شاہی اپنے ہاتھ سے لکھی۔ جس میں اس نے اپنے زمانہ کے کل حالات مفصل لکھے۔ لیکن خانزادوں کے لئے خانہ زاد شاہی کا لفظ کہیں نہیں لکھا۔ حالانکہ اس سے زیادہ معتبر تاریخ فیروز شاہی زمانہ کی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ دوئم اس کے زمانہ کے حالات کی ایک کتاب تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی نے اور دوسری سراج عفیف نے لکھی۔ یہ دونوں شخص فیروز شاہی زمانہ کے معتبر مورخ گذرے ہیں اور ہر وقت سیر و شکار میں بھی بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے۔ چنانچہ سراج عفیف خود لکھتا ہے کہ

(ہر سال آں خسرو خوش خصال برائے شکار سواری کردے۔ ایں مورخ ضعیف شمس سراج عفیف برابر ہمراہ بودے۔)

دیکھو تاریخ فیروز شاہی سراج عفیف مطبوعہ بیپٹسٹ مشن پریس کلکتہ سنہ ۱۸۹۰ء صفحہ ۳۴۲

چونکہ تمام فیروز شاہی واقعات ان کی آنکھوں کے سامنے گذرتے تھے۔ اور انہوں نے خانزادوں کے حالات بھی لکھے ہیں لہذا شنیدہ کے بود مانند دیدہ کے مطابق انکی تاریخیں نہایت معتبر مانی گئی ہیں لیکن انہوں نے بھی خانزادوں کو کہیں خانہ زاد شاہی نہیں لکھا۔ بابر بادشاہ نے اپنی توزک میں حسن خاں خانزادہ والئی میوات کو کافر نعمت۔ مفسد۔ مردود احسان فراموش وغیرہ سب کچھ لکھا ہے لیکن اس کے لئے خانہ زاد کا لفظ کہیں بھی نہیں لکھا۔ اگر حسن خاں کی قومیت پر کچھ بھی دھبہ ہوتا تو بابر ضرور اس کا اظہار کرتا۔

بعہد اکبر بادشاہ کے زمانہ میں ابو الفضل نے اکبر نامہ لکھا جس میں ہندوستان کے حالات نہایت مفصل لکھے ہیں۔ اور اسی زمانہ میں عبد القادر بدایونی نے کتاب منتخب التواریخ لکھی۔ ان دونوں نے بھی خانزادوں کے حالات اپنی تاریخوں میں لکھے ہیں۔ لیکن خطاب خانہ زاد شاہی ان کے لئے کہیں نہیں لکھا۔ اس کے بعد مرزا محمد قاسم فرشتہ نے تاریخ فرشتہ

میں ہندوستان کے حالات مفصل لکھے ہیں اور خانزادوں کے حالات بھی ان میں موجود ہیں لیکن اس نے بھی ان کے لئے خطاب خانہ زاد شاہی نہیں لکھا۔

بلکہ مندرجہ بالا تمام مورخوں نے ہر جگہ مشاہیر خانزادگان کو میوات کی حکومت کی وجہ سے میواتی ضرور لکھا ہے۔

جس طرح قائم خانیوں کا مورث اعلےٰ موضع دورا رے کے چوہانوں میں سے موٹے راؤ کا بیٹا کرم سی ۷۸۳ھ میں فیروز شاہ باربک کے زمانہ میں اسلام لایا تھا۔ اور قائم خاں کا خطاب حاصل کر کے حصار کا علاقہ جاگیر میں پایا تھا اور اسی طرح راؤ رتن بن میکھ چند جو ادسالکن ہریانہ نے اسی بادشاہ کے زمانہ میں مشرف باسلام ہو کر معز الدین خطاب پایا تھا۔ اور اسکی اولاد وغیرہ بھی اس کے ساتھ مسلمان ہو گئی تھی۔ اور جس طرح خاندان راجگان پٹھانکوٹ میں راجہ کیلاش اسی بادشاہ کے زمانہ میں معہ اپنے بھائی بھتیجوں کے مسلمان ہو کر اور پنج ہزاری منصب پاکر سپہ سالار بنا تھا۔ بالکل انہیں مندرجہ بالا راجپوتوں کی مانند اسی بادشاہ کے عہد میں سانبر پال جادو نے بھی ۷۸۳ھ میں معہ اپنے اہل وعیال اسلام لاکر میوات کا علاقہ جاگیر میں پایا تھا۔ لیکن افسوس شیخ صاحب کی نظر عتاب صرف سانبر پال مورث اعلےٰ خانزادگان پر ہی پڑی۔ جس کو نہایت دلیری سے بغیر کسی عقلی ونقلی ثبوت کے خانہ زاد شاہی میں داخل کر دیا اور قائم خاں، معز الدین، و راجہ کیلاش وغیرہ اس تہمت سے بچ گئے۔ حالانکہ اسلام لانے اور جاگیرات وغیرہ حاصل کرنے میں یہ سب یکساں تھے۔ اور سب کے سب فیروز شاہ ہی کے زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ سانبر پال کی اولاد کیساتھ شیخ جی کی عداوت ہو گئی تھی۔ اور باقیوں کے ساتھ یہ خصومت نہ تھی۔

یہ مثالیں ہم نے اس لئے لکھی ہیں۔ تاکہ ناظرین پر خانزادوں کے ساتھ شیخ جی کی عداوت اور رنجش کا حال بخوبی معلوم ہو جائے۔

ان تمام مندرجہ بالا تاریخی ثبوتوں کو بالائے طاق رکھکر چھ سو سال بعد شیخ جی پر ایسی کونسی وحی نازل ہو گئی تھی۔ جس کے ذریعہ انہوں نے خانزادوں کے لئے خانہ زاد شاہی کا خطاب مسلوم کر لیا تھا۔ حالانکہ تمام تاریخوں میں سانبر پال عرف بہادر ناہر اور اس کے بیٹے پوتوں کے ناموں کے ساتھ آج تک خانہ زاد کا لفظ لکھا ہوا موجود نہیں پایا گیا۔ اور نہ پا سکتا ہے۔ کیا کوئی محمد مخدوم صاحب کا ہم خیال میرے اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے اگر ہے تو

تو وہ مندرجہ بالا تاریخوں میں سے کوئی ایسا ثبوت پیش کریں جس سے خانزادوں کے لئے خانزادہ شاہی کا خطاب ثابت ہو سکے۔ اگر پیش نہیں کر سکتا۔ اور ہم دعوے سے لکھتے ہیں کہ ہرگز پیش نہیں کر سکیگا۔ تو پھر ایسے غلط نگار اور تہمت تراش مورخ کے لئے جو کچھ کہا مناسب ہو وہ ضرور کہا جائے۔

اگر یہی اقوام خانزادے شریف اور نجیب الطرفین نہ تھے۔ تو پھر اکبر بادشاہ۔ اس کے وزیر بیرم خاں خان خاناں۔ اہل سادات۔ پٹھانوں اور لودھیوں کے نو مسلم شریف چوہان راجپوتوں کے ساتھ ان کی رشتہ داریاں کیوں ہو گئیں۔ اور آج تک ہو رہی ہیں اور سید وغیرہ صاحبان کیوں ایسی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ کیا ان کو دوسری جگہ اچھے رشتے ملنے نہیں مل سکتے تھے۔

مندرجہ بالا معتبر تاریخوں کے ثبوتوں کے علاوہ اب چند مثالیں حوالہ کے لئے لکھی گئی اور قومی اور خاندانی روایات کی بھی پیش کی جاتی ہیں۔ جو تواتر کا درجہ حاصل کر کے تاریخوں سے بھی بڑھکر مستند اور معتبر ہیں۔ عربوں نے بھی اپنی تمام تاریخیں اور شجرہ انساب زبانی قومی روایات کو ہی ماخذ مان کر لکھی ہیں۔ حالانکہ زبانی روایات میں اور تحریر میں بڑا فرق ہوتا ہے خاص کر وہ تحریرات جو عین موقعہ پر اور حالات کے مطابق جا گہہ لوگ ہمیشہ لکھتے رہتے ہیں نہایت سچی۔ معتبر ہوتی ہیں۔ اور وہ زبانی روایات جو صدیوں بعد لکھی گئی ہیں مشتبہ ہو سکتی ہیں

(۱) علاقہ میوات میں قدیم زمانہ سے ہی جبکہ خانزادے لوگ داخل اسلام بھی نہیں ہوئے تھے۔ راجپوتوں کے اندر قومی کبیر جنہیں رانا یا بھاٹ یا میراثی بھی کہتے ہیں چلے آتے ہیں یہ لوگ اپنے اپنے ججمانوں کے نسب ناموں کو بڑی تحقیق سے لکھکر اپنے پاس رکھتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں تو جنگوں کے موقعوں پر ان نسب ناموں کو سنا سنا کر لڑنے والے بہادروں کے دلوں میں قومی جوش پیدا کرتے تھے۔ لیکن حکومت جاتے رہنے کے بعد اب شادی وغیرہ خوشی کی تقریبوں میں اہل محفل کے سامنے ان کا حسب و نسب بیان کر کے معقول انعام پاتے ہیں۔ اور اب یہ کام ان کا ایک خاص پیشہ بن گیا ہے۔

ہمارے اس دعوے کی تصدیق سر سید احمد خاں صاحب بھی اپنی کتاب میں اس طرح لکھتے ہیں کہ

اب سب لوگ اپنے نسب ناموں کو یاد رکھنا اپنا فرض جانتے ہیں۔ ہر ایک قوم و

چنانچہ بابا صاحب [illegible] سے [illegible] شیخ [illegible] کو شوبا
بابا تھا۔ اور اپنے [illegible] سب سے بڑا لڑکا تھا [illegible] وہ کانگڑہ میں بود
و باش رکھتے تھے۔ اور [illegible] لڑکے [illegible] اولاد [illegible] کے [illegible]
[illegible] اشعار [illegible] ہیں [illegible] صاحب [illegible]
چندر بنسی راجپوتوں کے خاندان بھی بالکل [illegible] ہیں۔ اگرچہ ان کے [illegible]
محفوظ نہیں رکھے گئے۔ مگر ان کی جدی [illegible] پشت [illegible] ہے [illegible]
ہیں۔ اور ہر ایک شخص اپنی قوم اور گوت سے بخوبی واقف ہے۔ اور ان کے
بزرگ [illegible] لوگوں کے پاس بھاٹ اور [illegible] موجود ہیں۔
دیکھو کتاب خطبات احمدیہ صفحہ ۴۲۳۔

(۲) علاوہ بھاٹ اور قومی [illegible] کے تاریخی حفاظت کا دوسرا طریقہ [illegible] نہایت
عمدہ یہ بھی جاری ہے کہ جا بجا [illegible] تمام [illegible] لڑکیوں کے نام بوقت پیدائش اور بوقت شادی
اپنی اپنی بہیوں میں ہر سال اندراج کرتے رہتے ہیں۔ یہ طریقہ راجپوتوں کے حسب ونسب
محفوظ ہونے کا نہایت عمدہ اور مستحکم ہے۔ جس کی نظیر ہندوستان کے سوا دوسرا کوئی ملک
پیش نہیں کر سکتا۔ چونکہ یہ تحریر کا طریقہ عین موقعہ پر اور اسی وقت ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں
غلطی کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا۔

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ جن بزرگان دین و اولیاؤں کے ہاتھ پر راجپوت لوگ مسلمان ہوتے تھے
ان کی درگاہوں کے مجاور اور پیرزادے یا خادم لوگ سالانہ دورہ کر کے اپنے زیر اثر
نومسلموں کا شجرہ نسب اور ان کے اسلام لانے کا حال سناتے ہیں۔ اور اپنا نذرانہ وصول
کرتے ہیں۔ یہ شجرے ان کے پاس قدیم زمانہ کے تیار شدہ نہایت صحیح اور مستند موجود ہیں
چنانچہ [illegible] قاعدہ کے موجب [illegible] کے پاس [illegible] حال [illegible] اور دہلی
دہلی [illegible] کے پیرزادے جو خواجہ قطب الدین صاحب اور شیخ نصیر الدین صاحب کی درگاہ [illegible]
سے آتے ہیں۔ اور اپنا [illegible] وصول کر کے جاتے ہیں۔ [illegible] صاحب
اور نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی [illegible] خاندان [illegible] معین الدین صاحب اجمیری کے
خاندان [illegible] شجرہ [illegible] شیخ نصیر الدین صاحب خلیفہ [illegible] نظام الدین
اولیا کے اور سلطان المشائخ خلیفہ بابا فرید شکر گنج کے [illegible] خلیفہ خواجہ قطب الدین

بختیار کاکی کے اور خواجہ صاحب خلیفہ حضرت معین الدین صاحب اجمیری کے۔

(۴) چونکہ طریقہ خانزادوں کے حالات معتبر اور صحیح ہونے کا ان کی ملکی اور قومی روایتیں ہیں جو ہندوستانیوں کے قدامت پسند اور رسم و رواج کے پابند ہونے کی وجہ سے بلا کم و کاست تواتر کے ساتھ چلی آتی ہیں۔ جس طرح یہ لوگ اپنے قدیمی رسم و رواج میں تغیر و تبدل کو سخت ناپسند کرتے ہیں اسی طرح اپنی قدیمی روایتوں اور قومی و خاندانی حالات میں بھی کمی زیادتی کو بہت برا جانتے ہیں۔ لہٰذا جو قوم قدیمی قدری اور خاندانی حالات کے اندر تغیر و تبدل کو اس قدر ناپسند کرتی ہو۔ اس کے بیانات کو سچی طرفدار اور مخالف فریق والے مصنف کے محض خیالی وسوسوں کی بنا پر جن کی تائید کے لئے کوئی زبانی یا تاریخی دلیل یا شہادت بھی موجود نہ ہو درست اور صحیح ماننے میں کوئی بھی امر مانع نہیں ہو سکتا۔

ہم اپنے اس بیان کی تائید اور صداقت کے لئے سر سید احمد خاں صاحب کا ایک حوالہ بھی درج کرتے ہیں۔ سید موصوف یہ کہتے ہیں کہ

(حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے باب میں ملکی اور قومی روایتیں ہمارے زمانہ تک پہنچی ہیں اور وہ ایسی ہیں جن کو قوم نے صحیح مان لیا ہے۔ پھر ہم کس طرح کسی عیسائی طرفدار مصنف (سر ولیم میور) کے محض بے دلیل بیانات کو صحیح تسلیم کر سکتے ہیں۔ جس کا یہ بیان ہے کہ یہ روایت ایک کہانی ہے یا توریت سے اخذ کر کے تحریر کر دی گئی ہیں۔)

دیکھو خطبات الاحمدیہ صفحہ ۲۵-۲۶۔

مندرجہ بالا مقامی یکجہتہ ثبوتوں کے علاوہ معتبر اور مستند تاریخی ثبوت بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ جن سے صاف یہ ثابت ہو رہا ہے کہ سری کرشن جی جادونسل کی بارھویں پشت میں راجہ تھن پال والئی تھن گڑھ علاقہ بیانہ پیدا ہوا اور اس کی ساتویں پشت میں سانبر پال اور سوبر پال پسران لکھن پال پیدا ہوئے۔ جو فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں شیخ نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی کے ہاتھ پر اسلام لا کر خانزادوں کے مورث اعلے بنے تھے۔ جن کے اسلامی نام بہادر ناہر خاں اور چھجو خاں رکھے گئے تھے۔

(۱) مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری لکھتے ہیں کہ

(میوات کے پرگنہ تجارہ میں جو الور سے تیس میل شمال میں ہے ایک قوم خانزادہ

نام قدیم سے آباد ہے ۔ جو چندر بنسی سری کرشن جی کی جادو نسل میں سے ہے ۔ سری کرشن کی بارھویں پشت میں ایک شخص راجہ تہن پال ہوا جس نے شہر بیانہ کے قریب قلعہ تہن گڑھ بنایا ۔ تہن پال کا بیٹا بانند پال ہوا جس نے سمت ۱۱۰۳ بکرمی میں قصبہ اجان گڑھ آباد کیا ۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اننتے پال اس کا جانشین ہوا ۔ اننتے پال کا بیٹا اودھان پال ہوا ۔ اور اودھان پال کا بیٹا انراج ہوا ۔ انراج کے چند بیٹے پیدا ہوئے ۔ ان میں سے لکھن پال پسر انراج کے دو بیٹے سانبر پال اور شوبر پال پیدا ہوئے ۔ یہ دونوں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہو گئے ۔ سانبر پال کا نام نو بہادر ناہر اور شوبر پال کا چھجو خاں رکھا گیا ۔ ان خانزادوں کا تاریخی سلسلہ کتابوں میں بہت مذکور ہے اس طرح وہ تاریخوں کے ذریعہ نو مسلم چندر بنسی راجپوت ثابت ہوتے ہیں ۔)

دیکھو تاریخ کارنامۂ راجپوتان ہند مطبوعہ بریلی پریس صفحہ ۳۴۵ ۔ نیز کتاب تاریخ راجگان ہند موسوم بہ وقائع راجستھان مطبوعہ سدم برقی پریس لکھنؤ ماہ جون ۱۹۲۷ء

(۲) مولوی مظہر الدین صاحب مالک اخبار الامان دہلی لکھتے ہیں کہ

(قوم خانزادہ سری کرشن جی کی جادو نسل میں سے ہے ۔ جس کی بارہویں پشت میں ایک شخص تہن پال پیدا ہوا ۔ یہ تہن پال جادو خانزادوں کا مورث اعلےٰ ہو ۔ تہن پال کی ساتویں پشت میں سانبر پال اور شوبر پال پیدا ہوئے ۔ یہ دونوں فیروز شاہ کے زمانہ میں تخت نشین ہوئے ۔ اور اس کے بعد برضا و رغبت دونوں نے اسلام قبول کر لیا ۔)

دیکھو ضمیمہ الامان الور نمبر مطبوعہ ۲۲ جنوری ۱۹۳۳ء

(۳) مولوی محبوب علی صاحب دہلوی کہتے ہیں کہ

(یہ خانزادے لوگ گوت جادو اولاد سری کرشن جی متھرا باشی میں ہیں جن کے آبای اجداد تہن گڑھ علاقہ بیانہ میں بستے تھے ۔ جن میں سے سانبر پال و شوبر پال مورث اعلےٰ خانزادگان علاقہ میوات میں رہا کرتے تھے)

دیکھو حکایات میوات قلمی در کتب خانہ جامع مسجد دہلی ۔

(۴) پنڈت جوالا سہائے صاحب مؤلف وقائع راجپوتانہ لکھتے ہیں کہ

خانزادے لوگ اگرچہ علیحدہ علیحدہ قوم بنتے ہیں۔ مگر جادو راجہ کی اولاد میں سمجھے جانے کی وجہ سے بہت بہادر اور مشہور ہیں۔ اسی وجہ سے چندر بنسی کی عمدہ نسل سے شمار ہوتے ہیں۔ راجہ جادو خاندان سے دو بھائی سامبر پال و سوپر پال فیروز شاہ تغلق کے عہد میں تقریباً پانچ سو پچاس سال مسلمان ہوئے تھے۔ اور بادشاہ کے عہدوں اور منصبوں میں شمار ہو کر خطاب خانی تجارہ اور دیوارٹی کے نواح میں مسکن گزیں ہوئے تھے۔)

دیکھو تاریخ وقائع راجپوتانہ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۲۷۶ ۔

(۵) مسٹر پی۔ اے ہیکٹ صاحب پولیٹیکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ

(خانزادوں کے مورثوں میں سے ایک شخص اودھان پال نامی نے جو کہ تہن پال کی چوتھی پشت میں تھا اپنے آپ کو ان پہاڑوں میں مقیم کر لیا تھا۔ جو کہ تجارہ کو فیروزپور جھرکہ سے علیحدہ کرتے ہیں اور اس خاص جگہ پر بود و باش اختیار کر لی تھی جس کو ندوراہ کہتے تھے۔ اور جس کے کھنڈرات اب تک بھی ملتے ہیں۔ اس کے بعد وہ وہاں سے اکلیر سرہٹی میں چلا گیا۔ جو کہ اس سے چند میل جنوب کی طرف اسی پہاڑی سلسلہ پر واقع ہے۔ جہاں پر اب کافی کھنڈرات موجود ہیں۔ اس کا پڑپوتا سامبر پال فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اپنے تئیں کوٹلہ میں آباد کیا تھا۔)

ترجمہ گزیٹیر الور صفحہ ۲۰۳ ۔

(۶) مسٹر الفنسٹن صاحب سابق گورنر بمبئی لکھتے ہیں کہ

(نواب حسن خاں کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ وہ نو مسلم راجپوت راجہ ہے اور میوات کا ملک اس کا پہاڑی خطہ ہے۔)

ترجمہ تاریخ ہندوستان صفحہ ۵۰۷ ۔

(۷) عاشق علی خاں صاحب ناشق کلانوری لکھتے ہیں کہ

(خانزادے لوگ علاقہ میوات کے رہنے والے ہیں۔ اور جادو بنسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تین بڑی بڑی شاخیں تنور۔ جادو۔ بگوتے ہیں)

مرقع التواریخ صفحہ ۵۲۳ ۔

(۵) مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر تاریخ میوات لکھتے ہیں کہ
خانزادوں کا خاندان نسل سے ایک [illegible]
پر حکومت کرتا رہا ہے جس [illegible]
عہد میں مسلمان ہوا تھا۔)
دیکھو تاریخ میوات صفحہ ۱۵۵ و ۱۵۶ ۔

(۶) حمید قلندر شاعر لکھتے ہیں کہ
(بہادر فیروز شاہ بادشاہ کے [illegible]
پہلے پہل اسلام اختیار کیا تھا [illegible]
غلطت اس کے یہاں بہت رواں ہوا ہے [illegible]
حالات بیان ہے ۔
دیکھو کتاب خیر المجالس ملفوظات حضرت نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی ۔

جناب شیخ صاحب خانزادوں کو تو خدا نے اپنی مہربانی سے وہ فخر عطا فرمایا ہے جس کی بدولت وہ کرشن جی اوتار کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے بحوالہ [illegible] وغیرہ اوتار ذات (یعنی خدا کی ذات) ثابت ہوتے ہیں اور بحوالہ کتاب کرشن جی مصنفہ [illegible] دہلوی اور بحوالہ مقدمہ تاریخ ہند قدیم مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی [illegible] بحوالہ تصانیف معتقدان مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جنہوں نے کرشن جی کو اپنی اپنی تحقیقات کے بموجب ہندوستان کا پیغمبر ثابت کیا ہے پیغمبر زادے یا نبی زادے ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ انسانی [illegible] خود خدا نے بھی یہ فرمایا ہے کہ ہم نے ہر قوم اور ہر ملک میں نبی بھیجے ہیں اس لحاظ سے ہندوستان کے نبی کرشن جی ثابت ہوتے ہیں۔ لہذا اس خدائی حکم کے بموجب بھی خانزادے نبی زادے ثابت ہوتے ہیں۔ اور پھر اسلام لانے کے بعد شاہزادے اور خانزادے ثابت ہو رہے ہیں [illegible] کو حاصل ہو سکتا ہے جسے مہربان خدا بخشتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

ہم تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے [illegible] ہندوستان کو دار الحرب سے دار الاسلام [illegible]

بہ ہیں کرامت بت خانہ مرا اے شیخ ۔ کہ چوں خراب شود خانہ خدا گردد

اے شیخ صاحب جن خانزادوں کو آپ حقارت کی نظر سے دیکھکر اِن کو خانہ زاد ہونے کی تہمت لگا رہے ہیں ان میں ایسے ایسے اولیا اللہ ہو گذرے ہیں جن کے خوشہ چین آپ کے بہت سے بھائی بند شیخ و سید صاحبان ہوئے ہیں ۔ اور جن کی زندہ مثالیں موجودہ سجادہ نشین صاحبان خاندان شعیبیہ قصبہ تجارہ و فیروز پور جھرکہ وغیرہ موجود ہیں ۔

تجاہل عارفانہ امر دیگر ہے ورنہ تجارہ کی تحصیلداری کے زمانہ میں آپ سب کچھ معلوم کر چکے ہیں سہ

دیکھ اے چشم عدو مجھکو حقارت سے نہ دیکھ ۔ جسپہ خالق کو بھی ہے ناز وہ انسان ہوں میں

ہمارے بعض ناصح مشفق صاحبان شاید ہمارے مندرجہ بالا دعوے کو پڑھکر ہم کو یہ طعنہ دیں کہ جناب باپ دادا کی بڑائی پر فخر کرنا عقلمندوں کے نزدیک درست نہیں ہے ۔ کیونکہ اسلام کے اندر شرافت و رذالت کا معیار صرف عمل اور تقوےٰ ہے ۔ ہم اس بات کو بالکل صحیح مانتے ہیں ۔ لیکن معترضوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے ۔ کہ یہ کتاب ایک دنیاوی تاریخ ہے مسئلہ یا مسائل کی کوئی مذہبی کتاب نہیں ہے ۔ اس میں دنیاوی حکومتوں اور قوموں کے نسلی امتیازات اور ملکی نظم و نسق اور قوموں کا عروج و زوال لکھا جا رہا ہے ۔ دوئم یہ کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں خاندانی اور قومی امتیاز و خصوصیت ہماری مجلسی زندگی پر بہت بڑا اثر ڈالا کرتی ہے اس قسم کے خاندانی حالات بیان کرنے نہایت ضروری ہو گئے ہیں خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ شیخ محمد مخدوم جیسا ایک حاسد شخص ہماری قوم پر بیجا حملے کر رہا ہو جواباً لکھنا کسی طرح بھی معیوب نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بصورت خاموشی الزام صحیح ہونے کا خطرہ ہے ۔ خیر ہم تو ایک دنیادار آدمی ہیں ۔ لیکن اس قومی شرافت و بزرگی کے لئے تو عیسائیوں کے حملوں کے جواب میں خود ہمارے رسول اللہ بھی باوجود اس تحمل و بردباری کے خاموش نہ رہ سکے ۔ جیسا کہ سر سید صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

قیدار کی اولاد میں ہونے کا باتخصیص قوم قریش کے لوگ جو مکہ کے والی اور کعبہ کے محافظ تھے ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے اور خود محمد رسول اللہ نے بھی قرآن شریف میں اپنی قوم کی ریاست و اعجاز کے دعوؤں کی اسی بنا پر تائید کی ہے ۔ کہ آپ اسمٰعیل کی اولاد میں قیدار کے سلسلہ سے تھے ۔)

دیکھو کتاب خطبات الاحمدیہ صفحہ ۶۲

مندرجہ بالا عقلی و نقلی ثبوتوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ خانزادے راجہ تہن پال اور تہن گڑھ کی اولاد میں ہیں۔ اور راجہ تہن پال سری کرشن جی کی خاندان نسل میں ہوئے ہیں۔ ایسے معقول اور معتبر ثبوتوں کے مقابلہ میں شیخ جی کی بلا ثبوت صرف زبانی ہوا اس کیا حقیقت رہ سکتی ہے؟

محمد مخدوم صاحب کی تاریخی ناواقفیت

ایک مختصر سی فہرست ہم ایسی بھی پیش کرتے ہیں جس سے شیخ صاحب کی تاریخی ناواقفیت صاف ظاہر ہوتی ہے۔ وہ فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) شیخ جی لکھتے ہیں کہ

(شیخ ہوشدار خاں۔ نبی بخش خاں۔ جیون خاں؛ اور الٰہی بخش خاں وغیرہ پرتاپ سنگھ رئیس الور کے مشیر تھے۔ وہ سات بھائی تھے اُن سے بڑے بڑے کارنمایاں ہوئے جو تحسین و آفرین کے شایاں ہوئے)

دیکھو کتاب مرقع الور صفحہ ۱۲۱۔

اس عبارت میں مندرجہ بالا اشخاص کو شیخ لکھا ہے۔ حالانکہ وہ معتبر تاریخوں سے میواتی مسلم راجپوت سردار ثابت ہوتے ہیں۔ جس کے مندرجہ ذیل حوالے درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری لکھتے ہیں کہ

(نواب نجف خاں سپہ سالار شاہ عالم ثانی نے پرتاپ سنگھ کو شکست دی۔ اور بھگا دیا۔ مگر راجہ مذکور نے پرگنہ بسوہ علاقہ جے پور کو چھین کر بیس لاکھ روپیہ کا مال حاصل کر لیا۔ اور الور کے گرد و نواح کا بہت سا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ ان کارناموں میں اس کے ہمراہی میواتی مسلمان راجپوت سردار ہوشدار خاں۔ جیون خاں۔ نبی بخش خاں اور الٰہی بخش وغیرہ نے اس کا بہت مدد کی تھی۔ جس کی وجہ سے پرتاپ سنگھ کو یہ مرتبہ حاصل ہوا۔)

دیکھو تاریخ راجگان سند مطبوعہ چہارم برقی پریس لکھنؤ صفحہ ۲۹۴ ۔

(۱) مولوی منظور الدین صاحب لکھتے ہیں کہ

"بابر تاب سنگھ اپنی آرزو میں ہرگز کامیاب نہ ہوتا اگر میواتی مسلمان راجپوتی سردار اس کا ساتھ نہ دیتے ۔ چنانچہ راجہ مذکور کے ساتھ ہوشدار خاں ۔ نبی بخش خاں الٰہی بخش خاں اور جیون خاں وغیرہ نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں کیے ہیں جو تاریخوں میں درج ہیں ۔"

دیکھو ضمیمہ الامان الور نمبر مطبوعہ ۲۲ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء

ان اقتباسوں سے ظاہر ہے کہ محض غلط نگاری سے کام لے کر شیخ جی نے میواتی مسلمان راجپوت سرداروں کی دلاوری و عظمت کو دانستہ چھپا کر اپنی دلی کدورت کا ثبوت دیا ہے ۔ اور اپنی طرف سے زبردستی ہوشدار خاں وغیرہ میواتی مسلمان راجپوت سرداروں کو شیخ بنا ڈالا ہے ۔ مندرجہ بالا ناموں پر سرسری غور کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ۔ کہ شیخ قوم میں ایسے نام بالکل نہیں رکھے جاتے ۔ اور خاں کا لفظ تو نام کے آخر میں کوئی بھی شیخ نہیں لاتا ۔

(۲) قصبہ ریواڑی کو قطب الدین ایبک کا بسایا ہوا لکھا ہے جو کہ محض غلط ہے ۔ تمام سرکاری جغرافیوں میں جو سکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں ریواڑی کو راجہ ریوت کی بیٹی ریوتی کے نام پر بسایا ہوا لکھا گیا ہے ۔

(۳) میوات کے معنی میو قوموں کے رہنے کی جگہ لکھا ہے یہ بھی غلط ہے بلکہ میوات کے معنی پہاڑی جگہ کے ہیں جو دوسرے تمام مورخوں نے بھی لکھے ہیں ۔

(۴) قوم نکوم کو کچھواہہ لکھا ہے لیکن تمام مورخوں نے نکوم قوم کو جادون قوم کی ایک شاخ لکھی ہے ۔ نیز کچھواہہ سورج بنسی ہیں اور جادون اگنی بنسی ہیں ان دونوں قوموں میں بلحاظ نسل و گوت بہت بڑا فرق ہے ۔ لیکن شیخ جی کے نزدیک سب گڑ سترہ سیر بکتا ہے ۔

(۵) سانبریال کو بندوق ... کا لفظ بنیا و ڈالنے والا لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندوق کا بنانا اور چلانا انہیں سے شروع ہوا ہے ۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے ۔ ہندوستان میں بابر بادشاہ سے پہلے نہ تو کوئی بندوق بنانا جانتا تھا نہ اس کا استعمال ہوتا تھا ۔

دیکھو تاریخ پنجاب مولوی فیروز الدین صاحب لاہوری صفحہ ۲۰۲
نیز منشی اشفاق حسین صاحب وکیل مراد آباد کی ایک کتاب ہے جس کے پہلے حصہ اوّل کے صفحہ ۱۸۸ میں لکھتے ہیں کہ

(دنیا نے سب سے پہلے بابر کے ہاتھوں میں بندوق دیکھی تھی۔ یہ ایجاد غالباً کسی چینی یا کسی ترک کی ایجاد ہے۔)

اور سراج عفیف صاحب بھی اپنی تاریخ میں یہی لکھتے ہیں کہ

(الحاصل ہر سال آں خسرو خوش خصال از شہر فیروز آباد برائے شکار سواری کردے
ایں مورخ ضعیف شمس سراج عفیف برادر ہمراہ بودے۔ شاہنشاہ بر شکار شیر
تیر آتشیں انداختے
از گرگ و گوزن و گور نخچیر — جز شیر نزد بدگیسے تیر۔)
دیکھو تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۲۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ شیر کا شکار تیر آتشیں سے کرتا تھا۔ تیر کا نشانہ بندوق سے بڑھکر نہیں ہے۔ ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ سانپر پال اور فیروز شاہ کے زمانہ میں جنگ اور شکار کے لئے تیر ہی کام آتے تھے نہ کہ بندوق۔ لیکن شیخ جی نے فیروز شاہ کے لئے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بندوق سے شکار کرتا تھا جو محض غلط ہے۔

(۶) کتاب ارژنگ تجارہ میں تو لکھا ہے کہ ٹھاکر جاہو سنگھ نے اپنے داماد سانپر پال کو اپنے گھر بلاکر قتل کرا دیا۔ لیکن مرقع الور میں اس کی تردید کرتے ہیں۔ دروغگو را حافظہ نباشد یہی تو ہے۔

(۷) کتاب ارژنگ تجارہ صفحہ ۹ میں بہادر پور کو بہادر خاں پسر تاہر خاں خانزادہ کا بسایا ہوا لکھا ہے۔ لیکن کتاب مرقع الور میں اس بیان سے انکار ہے اگر بہادر پور بہادر خاں کا بسایا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ ادھوال کے جاٹوں کا بسایا ہوا ہے جیسا کہ شیخ جی لکھتے ہیں تو یہ ہندو لوگ اس قصبے کا نام بہادر پور کیوں رکھتے جو کہ اسلامی نام ہے بلکہ کوئی ہندوانی نام رکھتے۔ بہادر پور نام خود یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی ہندو کا بسایا ہوا نہیں بلکہ بہادر خاں کا بسایا ہوا ہے۔ بہادر خاں کو اپنا بسایا ہوا شہر اتنا پیارا تھا کہ اس نے الور کو چھوڑ کر اپنا دارالریاست بھی اسی کو بنا لیا تھا۔

(۸) موضع فتح آباد متصل شاہ آباد کو اپنی حکومت کے زمانہ میں خانزادوں نے اجاڑا تھا جیسا کہ مشہور ہے۔ اسے ہیکٹ صاحب بھی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں لیکن شیخ جی اس کو ملک قوم کا اجاڑا ہوا لکھتے ہیں حالانکہ تاریخوں میں ملک قوم کوئی علیحدہ نہیں ملتی۔ اسی طرح موضع سونکھاٹہ پرگنہ الور میں خانزادے آباد تھے۔ لیکن شیخ جی نے اس میں بھی ملک قوم کی آبادی لکھی ہے۔ یہ وہی سونکھاٹہ ہے جہاں کے خانزادوں نے ملک مجاہد خاں خانزادہ کی دہائی سن کر دریا خاں میو کو مینوں سے بچایا تھا جبکہ وہ شمش علی اپنی عورت کو لا رہا تھا۔ چونکہ خانزادوں کا پرانا خطاب بھی ملک ہے اس وجہ سے محمد مخدوم صاحب نے دانستہ یا غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ملک اور خانزادہ دو الگ الگ قومیں شمار کر لی ہیں حالانکہ یہ دونوں خطاب ایک ہی قوم کے ہیں۔

(۹) راجہ سورج مل والئی بھرت پور جب بتقریب دورہ بہادر پور گیا تو شیخ جی لکھتے ہیں اس زمانہ میں وہاں معزز رئیس اور زمیندار صرف سادات عظام تھے۔ اس میں خانزادوں کا نام مطلق نہیں لکھا۔ حالانکہ وہاں کے سادات تو خانزادوں کے بسائے ہوئے ہیں جو بہت بعد میں آئے تھے اور بہادر پور دو سو سال تک خانزادوں کا دارالریاست رہا ہے اور انہیں کا بسایا ہوا ہے اور آج تک بھی خانزادے وہاں کے مالک اور رئیس ہیں۔ لیکن شیخ جی کو سادات کے سوا وہاں کوئی بھی رئیس نظر نہ آیا۔ دوئم یہ کہ جب سورج مل نے خفا ہو کر بہادر پور کو اجاڑا تو سادات لوگ علاقہ گھساولی میں پناہ لینے کیلئے نواب ذوالفقار خاں خانزادہ کے پاس کیوں گئے انہیں وہاں کیا امید تھی اس سے صاف ظاہر ہے کہ سورج مل کے معتوب رئیس صرف خانزادے تھے اور ان کے ساتھ سادات بھی شامل تھے یہ خانزادے بوجہ قرابت اور تعلق برادری کے نواب مذکور کے پاس برائے سفارش گئے تھے کیونکہ نواب صاحب راجہ مذکور کے دوست تھے۔

(۱۰) راجہ پرتھی راج چوہان والئی دہلی و اجمیر کو رانا سانگا کا ہم جدی و ہم قبیلہ لکھا ہے۔ حالانکہ پرتھی راج چوہان اور اگ بنسی تھا اور رانا سانگا سورج بنسی تھا لیکن شیخ جی کے نزدیک یہ کچھ بات ہی نہیں ہے

(۱۱) راجہ پرتاپ سنگھ بانی ریاست الور جو کہ قوم کا کچھواہہ اور سورج بنسی تھا شیخ جی نے اسے چندر بنسی لکھا ہے یہاں تو شیخ جی نے اپنی تمام تاریخ دانی ختم کر دی۔ بقول شخصے تمام

تفسیر یوسف زلیخا میں زلیخا کے مرد یا عورت ہونے کی تمیز ہو گئی۔
افسوس اس وقت اگر شیخ جی موجود ہوتے تو ہم ان کے ساتھ ان کی خدمت میں [illegible]
[illegible]
[illegible]
با حسب [illegible] صاحب [illegible]

جیسے کہ سمجھتے تم نہ تھے ویسے ہو۔
چھٹے جاتی ہے یہ دیکھو تو [illegible]

سید الطاف حسین صاحب

شیخ محمد مخدوم صاحب کے بھائی بھی ایک شخص سید الطاف حسین صاحب ہو گزرے ہیں جنہوں نے تاریخ ضلع گوڑگانوہ تالیف فرمائی ہے۔ سید صاحب ضلع گوڑگانوہ کے محکمہ بندوبست ۱۸۷۴ء میں افسر مال تھے۔ اقوام ضلع کی تحقیقات کے لئے انہوں نے اپنی طرف سے کوئی تکلیف گوارا نہیں فرمائی۔ بلکہ یا تو کتاب ارژنگ تجارہ مولفہ محمد مخدوم صاحب کا حرف بحرف نقل فرما کر نقل را چہ عقل پر عمل فرمایا ہے یا زبانی بے سروپا حکایات درج کر دی ہیں۔ لیکن دوسری اقوام خصوصاً میو قوم کی بدگوئی میں یہ شخص شیخ محمد مخدوم صاحب سے بھی بڑھ گئے۔ بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔

شیخ صاحب نے تو صرف نومسلم راجپوتوں پر ہی عنایت فرمائی تھی لیکن سید صاحب نے بجز شیخ، سید، مغل اور پٹھان کے باقی ضلع بھر کی تمام اقوام کو خواہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان غیر شریف ثابت کرنے کی ناجائز کوشش فرمائی ہے جس سے ہر ایک قوم نالاں ہے۔ اس بھلے مانس کو بجز مندرجہ بالا چار اقوام کے ضلع بھر میں کوئی قوم شریف ہی نظر نہیں آئی۔ نہ معلوم بعض لوگوں میں یہ بدگوئی کا مرض کیوں پھیل گیا ہے۔ کہ وہ اپنی شرافت کو ثابت کرنے کے لئے دوسری اقوام کی بدگوئی پر اتر آتے ہیں۔

بے شک ہر ایک قوم کو یہ تو حق حاصل ہے کہ وہ بذریعہ تحقیق تاریخی ثبوتوں سے اپنی قومی شرافت کو ثابت کرے۔ لیکن باقی تمام اقوام کو برا بھلا کہہ کر اپنی شرافت ثابت کرنا کہاں کی شرافت ہے۔

ہمارے خیال میں پیغمبر کی حدیث [illegible]
[illegible] بہ سبب [illegible] کر سکتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جو شخص [illegible] ہوگا تو

وہ تو ان کے جواب میں شیخ بہ سید وغیرہ اقوام کے برخلاف ہرگز زبان نہ ہلا سکیگا۔ لیکن آخر کب تک کوئی خاموش رہیگا۔ تنگ آمد بجنگ آمد کے مطابق مجبوراً دوسری قوموں کو بھی ترکی بترکی جواب دینے کی ضرورت پڑیگی۔

کیا اپنی شرافت کو ثابت کرنے کے لئے ان کے پاس صرف یہی ایک بدگوئی کا طریقہ باقی رہ گیا ہے۔ جس سے باہمی منافرت اور خانہ جنگی پھیلنے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اگر واقعات کی یہی رفتار رہی تو لامحالہ مسلمانوں میں سخت بدامنی اور تصادم پھیل جائیگا۔ اور اس کی ذمہ داری اپنے ہی متعصب اور بدگو اشخاص پر عاید ہوگی۔

تاریخ نویسی کسی خاص قوم یا شخص کا ورثہ نہیں ہے۔ اور قدیم و جدید تاریخوں میں ہر ایک قوم کے پوست کندہ حالات درج ہیں۔ جن کے ذریعہ ہر قوم پر نکتہ چینی کی جا سکتی ہے۔ لیکن ہم اس باہمی تصادم کو موجودہ صورت میں خصوصاً ہندوستان کے اندر نہایت برا سمجھتے ہیں۔ اسلئے سید صاحب اور شیخ صاحب کے ہم خیالوں کو دوستانہ مشورہ دیتے ہیں کہ اس رفتار بے ڈھنگی کو جلد از جلد بند کر دیا جائے۔ ورنہ یاد رہے یہ زمانہ آزادی کا ہے اور ہمارے منہ میں بھی زبان ہے ؎

مانو نہ مانو دوستو یہ اختیار ہے۔ ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے دیتے ہیں

اس بیان کو ختم کرنے سے پہلے اس بات کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص یا قوم پر اعتراض کر دینا بہت آسان بات ہے۔ ایک معمولی لیاقت کا آدمی بھی جس پر چاہے اعتراض کر سکتا ہے۔ لیکن کسی اعتراض کا صحیح اور معتبر جواب دینا بہت ہی مشکل کام ہے۔ محمد مخدوم صاحب نے جو چاہا اپنی ترنگ میں خانزادوں پر فرضی اعتراض جڑ دیا لیکن اگر میں ان کے اہل خاندان سے یہ دریافت کرنا چاہوں کہ جناب مہربانی فرما کر آپ اپنا شجرہ نسب بذریعہ تواریخ شیخان عرب تک پہنچا دیجئے۔ تو میں دعوے سے یہ کہتا ہوں کہ وہ قیامت تک ایسا نہ کر سکیں گے۔ ہاں فرضی اور خانہ ساز شجرہ تیار کر لیا کوئی بڑی بات نہیں۔ اور شیخ صاحب پر ہی کیا منحصر ہے بلکہ معدودے چند کے سوا غیر ملکی قوموں کے اکثر و بیشتر خاندان اس امتحان میں فیل ہو جائیں گے الا ماشاء اللہ۔

سر ولیم میور نامی ایک انگریز مورخ نے اپنی کتاب امہات المومنین میں ہمارے رسول مقبول کے خاندانی حالات پر بمشکل بیس (۲۰) سطروں کے اندر چند فرضی اعتراض کر دیے ہیں

لیکن ان فرضی بے اصل اعتراضوں کو غلط ثابت کرنے کے لئے سر سید احمد خاں صاحب کو خطبات الاحمدیہ نامی کتاب پانچ سو صفحے کی لکھنی پڑی تھی۔ اس کتاب کے لکھنے میں سر سید نے جو جو تکالیف برداشت کی ہیں وہ حیات جاوید نامی کتاب مصنفہ مولانا الطاف حسین صاحب حالی کے مطالعہ سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس خود دار اور غیرت مند شخص کو خطبات الاحمدیہ کے لئے بڑی بڑی قیمتی کتابوں کو خریدنے کے لئے اپنا خانگی سامان تک بیچنا پڑا تھا اور ولایت کا سفر بھی اسی مطلب کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔

بالکل اسی کے مطابق فرضی اور مہمل اعتراض جڑنے میں ہمارے مہربان دوست شیخ محمد مجاہد صاحب بھی سر ولیم میور سے کچھ کم نہیں ہیں۔ بجز ان کے بیہودہ اور ناملائم الفاظ نے تیر و نشتر بن کر میرے دل و جگر کو چھلنی بنا دیا ہے اگرچہ ان کے اعتراضوں کے جوابات اب سے بہت پہلے مجھ سے بہتر اور کسی لائق شخص کو لکھنے واجب تھے۔ کیونکہ کتاب تاریخ الو [illegible] کو شائع ہوئے تقریباً پچاس سال گذر چکے ہیں لیکن افسوس اس طرف کسی خاں صاحب کی توجہ مبذول نہیں ہوئی۔ آخر شدید انتظار کے بعد اس کام کے متعلق جو کچھ مجھ سے بن پڑا وہ محض قوم کی دلسوزی اور محبت کا تقاضہ ہے مجھے اس عالم ضعیفی میں متواتر پانچ سال تک قومی تاریخ کے لئے مضامین جمع کرنے میں جو کچھ تکالیف اور مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں ان کو میرا ہی دل جانتا ہے۔ لائبریریوں اور کتب خانوں کے مطالعہ کے لئے بہت سے شہروں اور قصبوں کی خاک چھاننی پڑی۔ شیر علی گڑھ کی سرائے میں مچھروں کی مہمان نوازی اور الور آگرہ۔ رام پور۔ لکھنؤ۔ دہلی اور اٹاوہ وغیرہ شہروں کی دلگداز گرمیاں مجھے تمام عمر یاد رہینگی۔ رام پور کے کتب خانہ مطالعہ کرنے کی امیدواری میں دس روز گذر گئے تھے۔ صبح و شام کتب خانہ میں آنے اور جانے کے وقت چوروں کی مانند میری تلاشی بھی لیجاتی تھی۔ علاوہ ازیں سینکڑوں تاریخی کتابوں کے لاکھوں ورقوں کو مطالعہ کرنے کے لئے جو دیدہ ریزی مجھے کرنی پڑی ہے اس کا لطف کچھ میری ہی آنکھیں بہتر جان سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری قوم کو توفیق اور ہدایت دے۔ تاکہ وہ سمجھ سکے کہ میں نے اس کی محبت میں کیا کچھ کام کیا ہے۔

اگرچہ ہم نہ ہونگے۔ لیکن ہاں آئندہ ایک وقت ایسا بھی ضرور آئیگا جس میں انشاءاللہ میرے اس کام کو [illegible] قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اور [illegible] میری تحقیق

نقشِ ہستی کی ذرا بھی نہ کریں گے پرواہ

بھیجے جی ندر بسنری کی نہیں ہمدرد پیارے
یاد آئینگی تجھے میری وفا میرے بعد

۷۔ لفظ میواتی کی تحقیق

تاریخوں سے ناواقف اصحاب بعض دفعہ میو اور میواتی الفاظ کا ایک ہی مفہوم سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ امر تاریخوں کے ذریعہ بالکل غلط ثابت ہو چکا ہے۔

میواتی لفظ کا اطلاق دو موقعوں پر کیا جاتا ہے۔

(۱) اول اس لفظ کا اطلاق بلا تفریق مذہب و ملت کل باشندگان میوات پر کیا جاتا ہے۔

(۲) دوئم اردو فارسی کی تاریخوں میں بوجہ حکومت میوات یہاں کے جاگیرداروں اور حاکموں وغیرہ پر بھی میواتی کا لفظ لکھا گیا ہے۔ اس لئے ان دونوں موقعوں کا مفصل بیان ہم یہاں پر لکھتے ہیں۔

(۱) کل باشندگان میوات کا میواتی کہلانا

لفظ میو صرف ایک ہی نومسلم قوم کا نام ہے جو میوات کی دوسری قوموں کی مانند یہاں رہتی ہے۔ لیکن میواتی کا لفظ ان تمام اقوام پر بولا جاتا ہے جو بہیت مجموعی بلا اختلاف قوم و مذہب علاقہ میوات میں رہتی ہیں۔ یا یوں کہو کہ لفظ میواتی علاقہ میوات کے مجموعہ اقوام کا نام ہے۔ لیکن لفظ میو اس مجموعہ کا ایک جزو یا حصہ ہے۔

لفظ میواتی میں یائے نسبتی ہے جس کے معنی میوات سے نسبت رکھنے والا ہوئے پس اس لحاظ سے جتنی قومیں میوات میں آباد ہیں وہ سب میوات سے نسبت رکھتی ہیں اور اسی لئے سب میواتی کہلانے کی مستحق ہیں۔ ہر ایک مورخ نے بھی میوات کے کل باشندوں کو بہیت میواتی لکھا ہے۔ محمد مخدوم صاحب بھی مرقع الور کے صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں کہ

(اکثر تاریخوں سے ظاہر ہے کہ باشندگان میوات کا لقب قدیم سے میواتی مقرر ہے)

مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر آفتاب میوات لکھتے ہیں کہ

جس طرح مارواڑ کے کل باشندوں کو مارواڑی اور میواڑ والوں کو میواڑی کہتے ہیں اسی طرح میوات کے کل باشندوں کو میواتی کہتے ہیں۔
دیکھو تاریخ میوات صفحہ ۴۴ ۔

مسٹر منور خاں ساغر اکبرآبادی تحریر فرماتے ہیں کہ
راجپوتانہ کے تین حصے میواڑ، مارواڑ اور میوات ہیں۔ جن کے باشندے تمام طور پر بلا امتیاز ذات و مذہب میواڑی، مارواڑی اور میواتی کہلاتے ہیں۔
دیکھو سہ ماہی رسالہ راجپوت امرتسر جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۲۱ ۔

دیکھئے ساغر صاحب بھی کل میوات والوں کو میواتی لکھ رہے ہیں۔

اس میواتی لفظ میں بلحاظ مذہب ہندو مسلمان عیسائی وغیرہ اور بلحاظ قوم شیخ، سید، برہمن، مہاجن، میو، خانزادے، جاٹ، راجپوت وغیرہ سب شامل ہیں۔ جس طرح پنجاب سے پنجابی، ہندوستان سے ہندوستانی، دیہات سے دیہاتی، پہاڑ سے پہاڑی اور جنگل سے جنگلی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح میوات سے میواتی کہا جاتا ہے۔ اگر پنجابی، ہندوستانی، دیہاتی، پہاڑی اور جنگلی وغیرہ الفاظ کسی خاص قوم کے نام ہو سکتے ہوں۔ تو پھر میواتی بھی ایک خاص قوم کا نام ہو سکتا ہے۔ اگر میواتی کا لفظ صرف میو قوم کے لئے ہی مخصوص خیال کیا جائے۔ تو پھر جو دوسری قومیں میوات میں آباد ہیں۔ ان کے لئے بہ ہیئت مجموعی کونسا لفظ تجویز ہو سکیگا۔

یہ لفظ میواتی صرف باشندگان میوات پر ہی منحصر نہیں ہے۔ بلکہ میواتی گاؤں، میواتی آدمی، میواتی علاقہ، میواتی زبان وغیرہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ حالانکہ گاؤں، آدمی، علاقہ اور زبان وغیرہ کسی خاص قوم کا نام نہیں ہے۔

میوات کے آگے یائے نسبتی لگانے سے تو لفظ میواتی بن جاتا ہے۔ لیکن میو کے آگے یائے نسبتی لگانے سے میواتی لفظ نہیں بن سکتا۔ بلکہ میوی لفظ بنتا ہے جو بالکل بے معنی ہے۔ ان سے ظاہر ہے کہ میو اور میواتی دونوں الفاظ بالکل الگ ہیں۔

ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا — ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

دیکھو ڈاکٹر صاحب بھی ہندوستان کی سکونت کی وجہ سے اپنے آپ کو ہندوستانی

فرماتے ہیں۔ اہل عرب تمام ہندوستانی حاجیوں کو ہندی کہتے ہیں یہ خطاب ان کو ہندوستان کی سکونت کی وجہ سے ملا ہے۔

مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی جو آج کل ایک معتبر مورخ مانے جاتے ہیں اس طرح فرماتے ہیں کہ

(ہندوستان کی رہنے والی تمام اقوام ہندو، مسلمان، سکھ، پارسی، بودھ اور عیسائی وغیرہ لفظ ہندوستانی یا ہندی میں شامل ہیں۔ لیکن لفظ ہندو کے مفہوم سے یہ اقوام سب جدا جدا ہو جاتی ہیں۔)

دیکھو مقدمہ تاریخ ہند قدیم صفحہ ۸۶۔

اس حوالے سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح ہندی یا ہندوستانی لفظ سے ہندوستان کی کل قومیں مراد ہیں اسی طرح میواتی کے لفظ سے میوات کی کل قومیں مراد ہیں۔

میوات کے گرد و نواح کے باشندے بھی میوات کے رہنے والوں کو میواتی کہتے ہیں۔ جن میں کوئی خصوصیت میو اور غیر میو کی یا ہندو اور مسلمان کی نہیں کی جاتی۔ یہ ایسی صاف اور صریح اور معتبر مثالیں ہیں جو روزمرہ سنی اور دیکھی جاتی ہیں اور عیاں را چہ بیان کی مصداق ہیں۔

دویم میوات کے حکام

جاگیرداروں اور سرداروں کا میواتی کہلانا

(۱) سب سے پہلے علاقہ میوات میں اب سے تقریباً پانچ ہزار برس پہلے جادو خاندان کے راجہ شمسر پاجیت، تیج پال اور راجہ چند وغیرہ حکومت کرتے تھے۔ تاریخوں میں یہ سب لوگ میواتی لکھے گئے ہیں۔ پھر قوم تنوری کی حکومت ہوئی جو جادو کی ایک شاخ کہی جاتی ہے ان کو بھی میواتی لکھا گیا ہے۔ جن کی نسبت یہ لکھا ہے کہ

(سید سالار مسعود غازی نے ان کو سنہ ۴۲۳ھ میں مسلمان بنایا تھا۔ ان کے بعد [illegible] میں محمد غوری نے بدگوجر میواتیوں کو شکست دی۔ اور مسلمان بنایا۔ یہ بھی میوات

زرِ حکومت کی وجہ سے میواتی کہلاتے تھے۔ سید وجیہہ الدین بن سید سالار کی نسبت
لکھا ہے کہ وہ میواتی بدگوجروں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ان کے مارنے والے
بھی ہندو بدگوجر تھے۔ ان کے بعد میراں حسین خنگ سوار میوات میں بھیجا گیا
ان کے سامنے بعض میواتی بدگوجروں نے جزیہ دینا قبول کیا اور اپنی جانیں
بچائیں۔ اور اکثر نے مسلمان ہو کر امان پائی۔ پھر ملک قوم کا دور دورہ ہوا یہ
بھی میواتی کہلائے۔ ملک قوم کے خانزادہ قوم کی میوات پر حکومت ہوئی۔ تمام تاریخوں
میں انکو بھی میواتی کہا گیا ہے۔ انکے بعد پٹھانوں کا زمانہ آیا چنانچہ عالم خاں پٹھان کو بھی تاریخ
فرشتہ جلد دوم ص ۷۸۷ بالتحقیق ۸۵۱ھ و ۸۸۷ لغایت ۹۸۹ میں خانزادہ بھی اور میواتی
بھی صاف لکھا ہے اور رانا سانگا کو بھی تاریخ ظہیر الدین بابر بادشاہ میں میواتی لکھا ہے۔ اور
منتخب التواریخ کے صفحہ ۲۱۱ میں پٹھانوں کے سردار شادی خاں پٹھان کو بھی میواتی لکھا ہے۔
مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے میوات، کرہ شالک اور رنتھمبور کے ہندو راجاؤں
کو اپنی تاریخ ہندوستان جلد اول کے صفحہ ۳۸۲ میں میواتی لکھا ہے۔ قائم خانیوں کے مورث اعلیٰ
قائم خاں کو جو فیروز شاہ کے عہد میں مسلمان ہوا تھا میواتی لکھا ہے) ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۲۴۲۔
غرض تاریخوں کے اندر میوات کی حکومت کی وجہ سے ان تمام قوموں کو میواتی
لکھا گیا ہے جنہوں نے یکے بعد دیگرے میوات پر حکومت کی ہے۔

سوم۔ خانزادوں کا بوجہ حکومت میوات میواتی کہلانا

(۱) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے اپنی تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۳۱۲
۳۳۹ - ۳۴۰ میں ہر جگہ ملک قدو خاں۔ جلال خاں۔ احمد خاں۔ ملک فخر الدین خاں
حسن خاں وغیرہ خانزادگان والیان میوات کو میواتی لکھا ہے۔

(۲) محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۳۳۸ تا ۳۵۴ میں بار بار
مندرجہ بالا خانزادوں کو میواتی لکھا ہے اور صفحہ ۳۰۰ میں ناہر خاں پسر حسن خاں خانزادہ
والیٔ میوات کو بھی میواتی لکھا ہے۔

(۳) ملا عبد القادر بدایونی نے بھی کتاب منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۰۰ میں راجہ

جلال خاں خانزادہ والئی میوات کو میواتی لکھا ہے ۔

(۴) مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری لکھتے ہیں کہ

(نواب حسن خاں جو میوات کی حکومت کے سبب سے فارسی کی تاریخوں میں حسن خاں میواتی کے نام سے مشہور ہے ۔ اسی خانزادہ قوم میں سے ہوا ہے)

دیکھو کارنامۂ راجپوتان ہند مطبوعہ بریلی پریس صفحہ ۴۵۳ ۔

(۵) ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں کہ ۔

(خانزادہ ہائے میوات کہ اجداد حسن خاں میواتی بودند سلطان محمود خلجی را از مالوہ برائے سلطنت دہلی طلبیدند)

منتخب التواریخ فارسی جلد اول صفحہ ۳۰۳ ۔

(۶) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(حسن خاں میواتی کو میوات کی حکومت جس کی آمدنی چار کروڑ ٹنکہ نقری سالانہ تھی وراثت میں ہاتھ آئی تھی اور وہ بادشاہ دہلی کا برائے نام مطیع تھا)

تاریخ ہندوستان جلد سوئم صفحہ ۱۱۰ ۔

(۷) مولوی عبد الشکور صاحب ایڈیٹر آفتاب میوات لکھتے ہیں کہ

(ہندو مسلم تاریخوں میں ان خانزادوں کو میواتی کہا گیا ہے اور وہ میواتی ہی کہلاتے رہے ہیں)

دیکھو تاریخ میوات صفحہ ۵۴ ۔

(۸) مولوی محمد حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(عبد الرحیم خاں خاناں کی ماں کا حال بھی سن لو ۔ جمال خاں میواتی کی بیٹی ۔ اور حسن خاں میواتی کی بھتیجی تھی ۔)

دیکھو دربار اکبری صفحہ ۵۶۷ ۔

(۹) مسٹر سی ۔ اے ۔ ہیکٹ صاحب لکھتے ہیں کہ

(۱۴۲۹ء میں بادشاہ نے میوات پر قابو پایا ۔ لیکن ریواڑی اس زمانہ میں بھی میواتی خانزادوں کے قبضے میں تھی ۔)

ترجمہ گزیٹیر الور انگریزی صفحہ ۱۶۱ ۔

(۱۰) مولوی ذکاء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ

(۸۲۴ھ میں سلطان مبارک شاہ میوات کی طرف گیا۔ بہادر ناہر میواتی کے پوتوں جلال خان۔ احمد خان۔ احمد خاں ملک فخر الدین خان میواتیوں نے کوہستان اندور کو اپنا مقام بنایا۔)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۱۲۰۔

(۱۱) ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ

(بعد از چند گاہ قطب از خانزادہ با سید میواتی بنابر قبیحت و غیرت اورا بقتل رسانیدند)

منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۴۰۔

(۱۲) ملا مذکور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

(ابوبکر شاہ بتقویت بہادر ناہر خاں خانزادہ میواتی صف آرائی کردہ با محمد شاہ جنگ کردہ فیروز گشت)

منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۲۵۹۔

(۱۳) مسٹر سی۔ اے بیکٹ صاحب پولٹیکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ

(میوات کے میوؤں کو اُن مسلمان میواتی سرداروں سے ہرگز خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ جن کا ذکر فارسی تاریخ دانوں نے اپنی اپنی تاریخوں میں کیا ہے۔ کیونکہ وہ میواتی مسلمان سردار صرف خانزادے ہی ہیں۔ اور انہیں کو تاریخوں کے اندر میواتی کہا گیا ہے نہ کہ میوؤں کو۔

درحقیقت تاریخوں کے اندر میواتی لفظ کا مفہوم صرف حکومت کرنے والی جماعت کے لئے مقرر ہے۔ اور میو کا لفظ محکوم جماعت کے لئے آیا ہے۔

اگرچہ میو کا لفظ موجودہ زمانہ کی ساخت نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ تاریخوں کے اندر کہیں نہیں ملتا۔ لیکن یہ میواتی کا لفظ غیر معمولی طور پر خانزادوں کے لفظ سے تبدیل ہو چکا ہے)

دیکھو ترجمہ گزیٹیر الور انگریزی صفحہ ۱۰۸۔

اس کی اصل انگریزی عبارت بھی یہاں پر لکھی جاتی ہے۔

The mass population of Mewat are called Meos; They are Musalman, and claim to be of Rajput extraction. They must not, , be confounded with the Mewat chiefs of Persian historian, who were probably, the represen-tative of the ancient lords of Mewat. These Mewaties were called "Khanzadas" a race which though Musalmans like the Meos, was and is socially far superior to the meos, who have no love for them, but who in times past united with them in the raids and insurrections which made it throw in the side of Delhi Emperors, In fact the expression "Mewatti" usually represents the ruling class, while "Meos," designates the lower orders. The later terms evidently of modern origin, thougt it is a not with in history and the formes is now usual "Khanzadas" having taken its place.

Page – 168
Para 18

By. Mr. C. A. Hocket.

ان تمام حوالوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خانزادہ اصل کو ہستھوں سے ہوا ہے کی حکومت کی وجہ سے میواتی بھی لکھا ہے اور خانزادہ بھی تحریر کیا ہے۔

اس مفصل اور مدلل بیان کو پڑھ کر ناظرین تاریخ پر اختلاف میواتی کی حقیقت کھل روشن ہو جائیگی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ تاریخوں کے اندر صرف میوات پر حکومت کرنے والے نومسلموں کو ہی میواتی لکھا گیا ہے نہ کہ میو قوم کو۔

نوٹ :۔ ہمیں یہاں پر صرف لفظ ۔۔۔ میواتی کی تشریح کرنی مقصود تھی لیکن اس تشریح سے حاشا وکلا کسی کی دل آزاری ہرگز مدنظر نہیں ہے ؎

آزاد رہوں اور مرا مسلک ہو صلح کل — ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
رو سے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ — سودا نہیں۔ جنوں نہیں۔ وحشت نہیں مجھے

۸۔ خانزادوں کی رشتہ داریاں شاہانِ دہلی اور دیگر شرفا کے ساتھ

خانزادوں کی رشتہ داریاں بہلول لودھی۔ سکندر لودھی۔ ابراہیم شاہ۔ ہمایوں۔ اکبر۔ بیرم خان خاناں وزیر اعظم اکبر۔ ہمایوں اعظم خان شروانی افغان امیر الامراء اور سیدوں۔ پٹھانوں۔ الور اور ہریانہ کے نومسلم چوہانوں، جادونوں وغیرہ کے ساتھ ہوئی تاریخوں سے ثابت ہوتی ہیں۔ اور بعض جگہ اب تک بھی برابر ہو رہی ہیں۔ ان ناطے رشتوں کے حوالے معتبر تاریخوں کے ذریعہ درج کئے جاتے ہیں۔

اوّل شاہانِ دہلی کے ساتھ

(۱) اعظم ہمایوں خاں شروانی افغان جو بہلول لودھی کے دربار میں بڑا امیر کبیر سردار تھا اس کی دو لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کی شادی سکندر شاہ بن بہلول لودھی بادشاہ دہلی سے ہوئی تھی۔ اور دوسری علاول خاں بن زکریا خاں خانزادہ والئی میوات سے بیاہی گئی تھی جس کے بطن سے نواب حسن خاں خانزادہ شاہ میوات پیدا ہوا تھا۔)

دیکھو تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۴۷ و مرقع الور صفحہ ۳۲ و دیگر تواریخ گزیٹیر الور و کارنامۂ راجپوتان ہند وغیرہ۔

اس رشتے کی وجہ سے سکندر شاہ بادشاہ دہلی اور علاول خاں خانزادہ دونوں ہم زلف بھائی ہوئے۔ اور ابراہیم شاہ لودھی بادشاہ دہلی اور حسن خاں خانزادہ شاہ میوات دونوں خالہ زاد بھائی ثابت ہو رہے ہیں۔

(۲) مرزا محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں کہ

(امرائے نامی جو سلسلۂ یگانگی اور نسبتِ خویشی بہلول لودھی بادشاہ دہلی کے ساتھ رکھتے تھے۔ وہ تعداد میں چونتیس ۳۴ تھے۔ جن میں سے ایک احمد خاں خانزادہ والئی میوات بھی تھا)

دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۲۵۱۔

(۳) چونکہ جمال خاں برادر حسن خاں خانزادہ والئی میوات کی دو لڑکیاں تھیں جن میں سے چھوٹی لڑکی کی شادی نواب بیرم خاں وزیر اعظم اکبر سے ہوئی تھی جس کے بطن سے مرزا عبدالرحیم خاں خانخاناں پیدا ہوا تھا۔ جو اکبری نورتنوں میں بڑا مشہور سردار گذرا ہے۔ لیکن بڑی لڑکی کی شادی میں مورخوں کا اختلاف ہے۔ چنانچہ تاریخ فرشتہ۔ دربار اکبری۔ کارنامۂ راجپوتان ہند۔ مرقع الور۔ ارژنگ تجارہ۔ تاریخ ضلع گوڑگانوہ۔ تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ وغیرہ میں تو یہ شادی اکبر بادشاہ کے ساتھ ہوتی لکھی گئی ہے۔ لیکن گزیٹیر الور۔ انگریزی اور ماثر الامرا فارسی میں ہمایوں بادشاہ کے ساتھ عقد ہوتا لکھا ہے اس لئے ہم ان تمام حوالوں کو ناظرین کی دلچسپی اور آگاہی کے لئے تاریخوں سے انتخاب

[illegible]

(۱) مولوی احمد حسین صاحب [illegible] لکھتے ہیں کہ

حسن خاں کی ایک بیٹی ماہ جاں تھا [illegible] عبدالرحیم خاں خانخاناں کی [illegible]

جمال خاں میواتی کی بیٹی اور حسن خاں میواتی کی بھتیجی [illegible]

کی بیٹی تھی۔ اور بھوپالی وزیر مذکور کے [illegible]

تاریخ اکبر [illegible] کے مصنف سے تعجب ہے کہ اس نے [illegible] ہمایوں بادشاہ سے [illegible]

یہ بات پہلے ہی تحقیق ثابت ہو چکی ہے کہ خانزادوں کو تاریخوں کے اندر میوات کی

حکومت کی وجہ سے میواتی لکھا گیا ہے جس [illegible] خاں [illegible]

حسن خاں کا بھائی ثابت ہوتا ہے۔ [illegible] اکبر بادشاہ [illegible]

بیرم خاں سے ہوئی ثابت ہوتی ہیں۔

(۲) مولوی ظہیر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ

(فارسی تاریخیں حسن خاں خانزادہ کے تذکرہ سے لبریز ہیں۔ اس کی ایک دختر

اکبر کے مشہور وزیر بیرم خاں کے عقد میں آئی تھی۔ جس سے عبدالرحیم خاں خانخاناں

پیدا ہوا تھا۔)

ضمیمہ الامان الور نمبر مطبوعہ ۲۳ر جنوری ۱۹۲۳ء

(۳) مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری لکھتے ہیں کہ

(نواب حسن خاں جو میوات کی حکومت کی وجہ سے فارسی کی تاریخوں میں حسن

خاں میواتی کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بھتیجی سے اکبر کے وزیر بیرم خاں

کا بیٹا عبدالرحیم خاں خانخاناں پیدا ہوا تھا اسی قوم خانزادہ میں ہوا ہے)

دیکھو کارنامہ راجپوتان ہند صفحہ ۱۹۴ء

(۴) شیخ محمد مخدوم صاحب لکھتے ہیں کہ

(حسن خاں خانزادہ رئیس میوات کا ایک بھائی جمال خاں تھا۔ اس کی دو لڑکیاں

تھیں۔ ایک اکبر بادشاہ کے عقد میں آئی تھی اور دوسری بیرم خاں مدار المہام

سلطنت کو بیاہی تھی۔ جس سے عبدالرحیم خاں خانخاناں پیدا ہوا تھا۔)

دیکھو کتاب ارژنگ تجارہ صفحہ ۲۹۔

(۵) سید الطاف حسین صاحب لکھتے ہیں کہ

(جب ۹۶۸ھ میں بیرم خاں وزیر بدست مبارک خاں لوحانی پٹھان مارا گیا۔ تو بیرم خاں کے ملازموں نے اس کے چار سالہ بیٹے عبدالرحیم کو معہ اُس کی والدہ کے جو کہ دختر جمال خاں چچازاد بھائی حسن خاں خانزادہ کی تھی احمد آباد گجرات میں پہنچا دیا۔)

تاریخ ضلع گوڑ گانوہ صفحہ ۱۴۔

(۶) یہی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

(حسن خاں خانزادہ کے چچازاد بھائی جمال خاں کی بیٹی۔ اور بیرم خاں ترکمان شریف قوم کی زوجہ۔ عبدالرحیم ملقب بہ خان خاناں کی والدہ تھی)

تاریخ ضلع گوڑ گانوہ صفحہ ۷۶۔

(۷) مرزا محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں کہ

(محمد امین دیوانہ اور بابا زنبور وغیرہ ملازمین بیرم خاں نے اُس کے فرزند مرزا عبدالرحیم کو جو کہ ماہ صفر ۹۶۴ھ میں پیدا ہو کر اس وقت چار سال کا تھا۔ اس کی والدہ کے ہمراہ جو کہ دختر جمال خاں چچیرے بھائی حسن خاں میواتی کی تھی احمد آباد گجرات میں لے گئے۔)

تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۵۷۔

(۸) مسٹر سی۔ اے۔ ہیکیٹ صاحب پولیٹکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ

(ہمایوں بادشاہ نے جمال خاں خانزادے کی بڑی لڑکی سے شادی کر کے خانزادوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی تھی۔ یہ جمال خاں حسن خاں خانزادہ کا جو کہ بابر بادشاہ کا حریف تھا چچازاد بھائی تھا۔ اس کی چھوٹی لڑکی کی شادی بیرم خاں خان خاناں سے ہوئی تھی جس سے عبدالرحیم پیدا ہوا تھا۔)

دیکھو ترجمہ گزیٹیر الور صفحہ ۱۷۰۔

(۹) میر عبدالرزاق صاحب لکھتے ہیں کہ

(مرزا عبدالرحیم خلف الصدق بیرم خاں است۔ والدہ اش از نژاد خانانِ میوات بود۔ چوں جنت آشیانی در سن نہصد و شصت و یک بدارالملک

وبیاہ شدن ایشان فرمودہ مرتبہ ثانی سریر آرائے ہندوستان شدند۔ برائے استمالت و
تالیف زمینداران اطراف و جوانب اولیائے دولت را با فرزندان آں طبقہ نسبت
میکردند۔ چناں چہ خان زادہ حسن خان میواتی کہ او از زمینداران معتبر ہندوستان بودہ۔
چوں بملازمت رسید۔ دو صبیہ داشت۔ کلاں را بادشاہ در حبالۂ عقد خود آوردہ

دوم را بہ بیرم خان تزویج فرمودہ۔)

دیکھو کتاب مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۳۰۸ مطبوعہ کلکتہ پریس ۱۸۸۸ء

(۱۰) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(میوات کے زمینداروں کی تسلی و تشفی کرنے کے واسطے اکبر بادشاہ نے میواتیوں
کے ساتھ ناطے رشتے کرنے شروع کئے۔ چنانچہ حسن خاں میواتی کے چچا زاد بھائی جمال خاں
کی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک کے ساتھ خود اکبر بادشاہ نے شادی کی۔ اور دوسری
کے ساتھ بیرم خاں وزیر اعظم کی شادی کرائی اُس وقت یہ ناطے رشتے کرنا انتظام
ملکی کے حق میں اکسیر کا حکم رکھتا تھا)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۲۷ -

دوم - دیگر شرفا کے ساتھ

(۱) سید الطاف حسین صاحب لکھتے ہیں کہ

(سادات اور خانزادوں کا باہم رشتہ ناطہ ایک عرصے تک ہوتا رہا ہے۔ مگر اب
تھوڑے عرصہ سے یہ عمل مسدود ہو گیا ہے۔)

تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۷۶ -

نوٹ یہاں پر سید صاحب نے جو فرمایا ہے کہ اب یہ عمل مسدود ہو گیا ہے۔ درست نہیں
کیونکہ بہادر پور وغیرہ تحصیل ریاست الور میں اب تک یہ عمل جاری ہے -

(۲) مولوی خدا داد خاں صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ

(چند بڑے بڑے دیہات مثل بہادر پور۔ نوانگر۔ بھوکر۔ منڈھاوار پور
تحصیل وغیرہ میں سیدوں کی آبادی ہے۔ ان کے بندگ اقلیم خاں اور بہادر خاں

خانزادگان والیان میوات کے زمانہ میں اپنی ولایت سے یہاں آئے اور خانزادوں نے ان کو یہاں بساکر ان کے ساتھ رشتے ناطے کرنے شروع کردیے)
دیکھو تاریخ خانان میوات قلمی تحریر کردہ ۱۳۰۲ھ

(۳) مولوی محبوب علی صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ
(خانزادوں کی رشتہ داریاں اکثر سادات سے ہوتی رہی ہیں ۔)
کتاب حکایات میوات قلمی در کتب خانہ جامع مسجد دہلی ۔

(۴) مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری لکھتے ہیں کہ
(خانزادوں کا تاریخی سلسلہ کتابوں میں بہت مذکور ہے۔ وہ تاریخوں کے ذریعہ نومسلم چندربنسی راجپوت ثابت ہوتے ہیں۔ جن کی رشتہ داریاں اکثر شریف لوگوں اور اُن نومسلموں سے ہوتی رہی ہیں جو جوہانا وغیرہ قوم میں سے مسلمان ہونے کے بعد الور اور ہریانے کے علاقہ میں رانگھڑ کہلاتے ہیں)
دیکھو تاریخ کارنامۂ راجپوتانِ ہند صفحہ ۵۴۳ مطبوعہ بریلی پریس۔

(۵) پنڈت جوالا سہائے صاحب عدالتی راج بھرت پور لکھتے ہیں کہ
(خانزادوں کی رشتہ داریاں سیدوں اور پٹھانوں سے ہوتی رہتی ہیں۔ مگر رانگھڑ لوگ سیدوں اور پٹھانوں سے رشتے ناطے نہیں کرتے)
وقائع راجپوتانہ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ صفحہ ۲۷۶ ۔

(۶) شیخ محمد مخدوم صاحب لکھتے ہیں کہ
(خانزادے لوگ بعض رسومات شادی ہنود کے مطابق پہلے سے کرتے آئے ہیں۔ ان کی رشتہ داریاں سادات اور مسلمان چوہانوں سے ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اب دوسرے مسلمانوں کی طرح آپس میں بھی رشتے ناطے کرنے لگے ہیں ۔)
کتاب ارژنگ تجارہ صفحہ ۳۰ ۔

(۷) مسٹر رام سروپ صاحب گپتا سابق اتالیق راجا صاحب ریاست دھامی تحریر فرماتے ہیں کہ
(خانزادے انگریزی علاقہ میں زیادہ تر نوح اور فیروز پور جھرکہ کی تحصیل میں جو ضلع گوڑگانوہ میں ہیں پائے جاتے ہیں۔ ان کا نکاس یادوبنسی راجپوتوں سے

ہے جن کے بزرگ سمبھر پال یا سانبھر پال کو فیروز شاہ بادشاہ نے مسلمان بنایا تھا
یہ لوگ میووں کے ساتھ تعلق بیاہ شادی نہیں کرتے۔ بعض عادات سے تک بھی
ان کی ہندوانی عظمت و شان کو ظاہر کرتی ہیں۔

جغرافیہ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۹۵ مطبوعہ سنہ ۱۸۸۲ء

(۸) چودھری نذیر احمد خاں صاحب مرحوم مندوبی کوٹ قاسم کا رشتہ بھی جو شہر جے پور میں وکیل تھے ۱۹۴۲ء میں قصبہ کلانور ضلع رہتک کے ذی علم خانزادہ گھرانے میں ہوا ہے۔

(۹) قصبہ کھیرتھل پرگنہ کشن گڑھ اور بہادر پور پرگنہ الور میں تا حال خانزادوں کی شادیاں سیّدوں سے ہو رہی ہیں۔ چنانچہ قصبہ بہادر پور میں شیخ احمد خاں خانزادہ اور فضل علی سید دونوں ماموں پھوپی کے بھائی حال میں موجود ہیں۔

مندرجہ بالا قوموں کے سوا اور کسی قوم کے ساتھ آج تک خانزادوں کے رشتے ناطے تاریخوں کے ذریعہ ثابت نہیں ہوتے۔ اور بغیر تاریخی حوالوں کے کسی عمر، بکر و زید کا زبانی قول قابل سند نہیں ہو سکتا ہے

ور امتحان بغیر تو یہ دوست آپ کا۔ قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

مندرجہ بالا ناطے رشتوں کو پڑھ کر شاید کوئی شخص یہ خیال کرنے لگے کہ شاہانِ دہلی کے ساتھ خانزادوں کے جو رشتے ناطے ہوئے تھے وہ کسی خوف یا دباؤ یا لالچ سے ہوئے ہونگے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم چند تاریخی حوالے ایسے پیش کرتے ہیں جن کو پڑھ کر معترض کا ضرور اطمینان ہو جائیگا۔ حوالے حسب ذیل ہیں۔

(۱) میر عبد الرزاق صاحب المخاطب بہ نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خاں خوافی اورنگ آبادی لکھتے ہیں کہ

میرزا عبدالرحیم خلف الصدق بیرم خاں است۔ والدہ اش از میرزادہ خانان میوات بود۔ چوں جنت آشیانی در سنہ نہصد و شصت و یک (۹۶۱) بدار الملک دہلی نزولِ اقبال نمودہ مرتبہ ثانی سریر آرائے ہندوستان شد۔ برائے استمالت و تالیف زمینداران اطراف و جوانب۔ اہلیہء دولت را با فرزندان

آں طفہ نسبت میکرد۔ جمال خاں عم زادہ حسن خاں میواتی کہ از زمینداران معتبر ہندوستان بود۔ چوں بملازمت رسید۔ دو صبیہ داشت۔ کلاں را بادشاہ درحبالۂ عقد خود آوردہ۔ و دُوم را بہ بیرم خاں تزویج فرمودند)
کتاب مآثر الامراجلد اول صفحہ ۳ ۹ ۶ مطبوعہ کلکتہ پریس ۱۸۸۸ء

اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ سے صاف بادشاہ کی خواہش پائی جاتی ہے جو بصورت درخواست ہے۔

(۲) مولوی ذکاءاللہ صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ
(میوات کے زمینداروں کی تسلی وتشفی کے واسطے اکبر بادشاہ نے میواتیوں سے ناطے رشتے کرنے شروع کروئے۔ چنانچہ حسن خاں میواتی والئی میوات کے چچازاد بھائی جمال خاں کی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک کے ساتھ خود اکبر بادشاہ نے شادی کی۔ اور دوسری کے ساتھ بیرم خاں وزیر کی شادی کرائی۔ اُس وقت یہ ناطے رشتے کرنا انتظام ملکی کے حق میں اکسیر کا حکم رکھتا تھا)
دیکھو تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۳۶۔

اس حوالہ میں صاف لکھا ہے کہ میواتیوں کی تسلی وتشفی کے واسطے اکبر نے خانزادوں کے ساتھ رشتہ ناطے کئے تھے تاکہ ملک کا انتظام قائم رہے اور یہ لوگ ناخوش ہو کر بغاوت نہ کردیں۔

(۳) مسٹر سی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب پولٹیکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ
(ہمایوں بادشاہ کی جو لڑائی تخت دہلی کو واپس لینے کے لئے شیر شاہ کے خاندان والوں سے ہوئی تھی۔ اس میں ہمایوں کے برخلاف خانزادوں نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ کیونکہ ہمایوں نے جمال خاں خانزادے کی بڑی لڑکی سے شادی کرکے اُن خانزادوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی تھی۔)
ترجمہ گزیٹیر الور انگریزی صفحہ ۱۸۴۔

اس حوالہ میں صاف اپنی طرف ملانے کا ذکر موجود ہے۔

(۴) سلطان بہلول لودھی کے خاندان میں احمد خاں خانزادہ کے ساتھ رشتے کا تعلق اسی وجہ سے ہوا تھا کہ وہ خانزادوں کی بغاوت سے ڈر کر ان کو اپنے ساتھ ملانا چاہتا

تھا نیز ظلاول خان خانزادہ والئی میوات کا رشتہ بھی ہمایوں اعظم خان افغان شیروانی امیرالامرا دربار بہلول لودھی۔ کے ساتھ اسی غرض سے کرایا گیا تھا۔ تاکہ ملکی انتظام قائم رہے۔

(۵) جہانگیر بادشاہ خود اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ

(راجاؤں کی ملکی ضرورتیں ایسی تھیں جن سے وہ بادشاہوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے لیکن بادشاہ بھی ان سے یگانگت اور دوستی پیدا کرنے کے لئے اسی طرح خواہشمند تھے جس طرح خود راجپوت تھے۔ اس غرض سے دوسرے خاندانوں میں بھی سلیم کی شادیاں کیں۔)

بحوالہ کتاب کارنامہ راجپوتان ہند صفحہ ۳۰۶ نجم الغنی صاحب۔

چنانچہ اسی غرض کے لئے اکبر نے شہزادہ سلیم کی شادیاں دوسرے راجپوت خاندانوں میں بھی کی تھیں۔

(۶) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(ترکوں کی عادت میں یہ بات داخل تھی کہ جہاں وہ جاتے تھے وہیں کی قوموں سے رشتہ مندی بھی پیدا کر لیتے تھے۔ اسی وجہ سے اکبر نے یہ عزم مصمم کر لیا تھا۔ کہ چنگیز۔ تیمور اور بابر کی رگوں کے خون کو راجپوتوں کے خالص خون سے مخلوط کر دیں۔ تاکہ اس رشتہ مندی کے ہونے سے راجپوت راجا اور ان کے عزیز و اقارب میری اعانت اور مدد پر مستعد ہو جائیں گے چنانچہ یہ خیال اس کا صحیح نکلا۔ اسی واسطے مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کے راجاؤں کے ساتھ رشتہ مندی کا جو رواج دیا۔ اس سے بادشاہوں کو دو فائدے حاصل ہوئے۔ اول یہ کہ راجپوتوں کا تعصب مسلمان بادشاہوں کے ساتھ کم ہو گیا۔ دوئم یہ کہ راجپوتوں کی تلواریں بادشاہوں کی حمایت کرنے لگیں۔ اور ان کی برچھیوں کی نوکیں شاہی تخت کو سہارنے لگیں۔ اگر کل بادشاہ اکبر کا ہی طریق کار اختیار کرتے۔ تو ان کی سلطنتیں لازوال ہو جاتیں۔ مگر اورنگ زیب وغیرہ نے سلطنت کو بگاڑ دیا انہوں نے ان راجپوتوں کو ناراض کر دیا جنہوں نے سلطنت کو عروج پہنچا دیا تھا۔ اسی وجہ سے ان کی سلطنت کی خاک اڑ گئی)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد ششم صفحہ ۷۵۵

ان تمام اقتباسوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ شاہان دہلی کے ساتھ خانزادوں اور دوسرے ہندو راجپوتوں کی رشتہ داریاں کسی لالچ یا دباؤ یا ڈنڈ کی وجہ سے نہیں ہوئی تھیں بلکہ شاہان دہلی اپنی حمایت اور مدد حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں کے ساتھ ناطے رشتے کرنے کے لئے خود اپنی طرف سے درخواستیں کرتے تھے۔ اور ان کی "تالیف قلوب" کو نہایت ضروری سمجھتے تھے۔ تاکہ یہ لوگ ہندوستان کی تسخیر اور حکومت کی بقا اور مضبوطی کے لئے ہمیشہ کام آتے رہیں۔ خانزادوں نے اپنی طرف سے کوئی سبقت نہیں کی تھی۔ اور یہ معاملہ بالکل ایک مساویانہ حیثیت رکھتا تھا۔ بعض راجپوت اس درخواست کو منظور کر لیتے تھے اور بعض رد کر دیتے تھے۔ مثلاً بہاری مل و بھگوانداس رئیسان آمیر نے یہ درخواست منظور کر لی تھی۔ اور رانا پرتاپ سنگھ رئیس میواڑ نے رد کر دی باوجودیکہ وہ اس انکار سے ہمیشہ دُکھ اٹھاتا رہا۔

۹۔ خانزادوں کی پولیٹکل طاقت وعظمت پر چند مورخوں کی مختصر رائیں

خانزادوں کے مورث اعلےٰ سانبرپال کے آباؤ اجداد کے پاس سے میوات کی خود مختار حکومت تو اسی وقت جاتی رہی تھی جبکہ راجہ تہن پال والئی تہن گڑھ علاقہ بیانہ سے محمد غوری نے ۵۹۲ھ میں تہن گڑھ کا قلعہ فتح کر کے اپنے سردار بہاءالدین طغرل کو دیدیا تھا۔ اس کے بعد سانبرپال کے اسلام لانے تک جو لوگ پیدا ہوئے۔ وہ بلحاظ حکومت بہت مشہور نہیں ہوئے۔ بلکہ صرف چھوٹی چھوٹی جاگیروں کے مالک تھے۔ جن پر اُن کی گذر اوقات منحصر تھی۔ ان لوگوں نے اپنی سکونتیں زیادہ تر پہاڑوں کے اردگرد بنائی ہوئی تھیں۔ یہ سکونتیں ایک طرف تو الور سے دہلی تک اربلی پہاڑ کی اُس شاخ کی گرد و نواح میں تھیں جسے عام لوگ کالا پہاڑ کہتے ہیں۔ اور دوسری طرف اس کے مشرق میں اس کی ایک بڑی شاخ کے اردگرد جو شمالاً جنوباً قصبہ تہنہ کے مشرق سے لیکر کلینجر۔ بازید پور

بنگواں ۔ قاں پور ۔ جھرا وٹ لسی خانزادہ یعنی قصبہ پہاڑی اور قصبہ کاماں ریاست بھرت پور تک چلی گئی ہے انہیں لوگوں کی آبادیاں پائی جاتی ہیں ۔ سوشیر پال کے باپ لکھن پال اور بہادر ناہر نے خود اپنی سکونت مقام سرہٹہ پرگنہ تجارہ میں رکھی تھی ۔ جو بعوج اہم کھنڈ میں واقع ہے ۔ چونکہ یہ مقامات ان لوگوں کے محدود تھے ۔ جو میوات کے نزیش علاقہ میں آباد ہیں ۔ اس علاقہ میں گھنے درخت بکثرت پائے جاتے تھے ۔ اور پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہ مقامات دشوار گذار بھی ہیں ۔ ان وجوہات سے یہ بات قطعی ثابت ہو جاتی ہے کہ ان لوگوں کے لئے اپنی راجپوتی آن بان قائم رکھنے ۔ بادشاہ وقت سے بغاوت و سرکشی اختیار کرنے اور اپنی آزادی اور خود مختاری کو برقرار رکھنے کے لئے یہ مقامات نہایت موزوں اور مناسب تھے ۔ اسی وجہ سے یہ لوگ بادشاہ وقت سے جب چاہتے تھے بگڑ بیٹھتے تھے ۔ اور خود مختاری کا جھنڈا نصب کر کے علاقہ میوات کا حاکم بن بیٹھتے تھے ۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی بھی اپنی تاریخ میں میوات کے انہیں خانزادوں کی خود مختاری کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ

(حسن خاں میواتی اور اس کے آباؤ اجداد شاہانِ دہلی کے برائے نام مطیع تھے ۔ ان لوگوں کے زمانہ میں ملک میوات کے اندر سلاطین دہلی کو مستقل حکومت کرنی کبھی نصیب نہیں ہوئی ۔ کیونکہ میوات کا علاقہ بہت فراخ ہے ۔ اور اس میں پہاڑ اور خودرو جھاڑیاں ایسی ہیں جن میں ان میواتی سرداروں اور جاگیرداروں کو حملے کے وقت پناہ لینے کا خوب موقع مل جاتا تھا ۔ چنانچہ جب کبھی ان پر دہلی کی طرف سے فوج کشی ہوتی تھی ۔ تو یہ لوگ برابر مقابلہ کرتے تھے ۔ لیکن جب کبھی میدانوں میں جم کر مقابلہ نہیں کر سکتے تھے ۔ تو فوراً پناہ لینے کے لئے پہاڑوں میں جا گھستے تھے ۔ جس کی وجہ سے حملہ آور اکثر محروم ہو کر واپس جاتے تھے)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد سوئم صفحہ ۱۱۰ ۔

اس بیان سے صاف پایا جاتا ہے کہ میوات کی حکومت پر خانزادوں نے ہمیشہ خود مختارانہ حکومت کی تھی ۔

پہلے زمانہ میں آجکل کا سا عمدہ انتظام نہ تھا ۔ بلکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا حال ہو رہا تھا ۔ اس وجہ سے ہر ایک زبردست شخص کچھ علاقہ دبا کر خود مختار حاکم بن بیٹھتا

تھا جس کی وجہ سے ملک کے اکثر حصوں میں بدامنی ۔ بغاوت اور شورش پھیلتی رہتی تھی چنانچہ خاندان تغلق ۔ سادات اور لودھی بادشاہوں کو کبھی چین سے حکومت کرنی نصیب نہ ہوئی ۔ جس زمانہ میں سلطنت دہلی کے اندر ابتری اور طوائف الملوکی ہونے سے ضعف پیدا ہو گیا تھا ۔ تو اس ضعف سے فائدہ اٹھا کر بہادر ناہر خاں اور اس کے بیٹے پوتوں نے سلطنت دہلی کے اندر بہت بڑا رسوخ اور اقتدار حاصل کر لیا تھا ۔ یہ لوگ کبھی ایک بادشاہ کے مددگار بن جاتے تھے اور کبھی دوسرے کے ۔ اگر اس لحاظ سے خانزادوں کو شاہانِ دہلی کی طوائف الملوکی کے زمانہ کا بادشاہ گر کہدیا جائے تو کچھ بھی مبالغہ نہیں ہے ۔ کیونکہ بہادر ناہر خاں ۔ اقبال خاں جلال خاں ۔ احمد خاں اور حسن خاں وغیرہ والیان میوات نے تغلق بادشاہوں میں سے غیاث الدین تغلق ثانی ابوبکر ۔ ناصر الدین محمد ۔ ناصر الدین محمود اور سیدوں میں سے خضر خاں ۔ محمد شاہ مبارک شاہ ۔ علاءالدین اور پٹھانوں میں سے بہلول لودھی اور سکندر شاہ لودھی وغیرہ بادشاہوں کو کٹ پتلی بنا کر نچایا تھا ۔ ابوبکر اور نصرت شاہ کو دہلی اور فیروز آباد کے اندر تین سال تک متواتر آپس میں لڑایا ۔ اور ان کی طاقت کو کمزور بنایا ۔
اقبال خاں وزیر اعظم ناصر الدین محمود نے اپنے بادشاہ کو برائے نام بادشاہ بنا رکھا تھا ورنہ وہ اقبال خاں کے ہاتھوں کا کھلونا بنا ہوا تھا ۔ کیونکہ حکومت دہلی کے کل اختیارات اقبال خاں ہی کے ہاتھوں میں تھے ۔ اقبال خاں کے اس اقبال کا ذکر مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے اس طرح لکھا ہے کہ

> (امیر تیمور کہتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق کے مرنے کے بعد اس کے امرا میں سے دو بھائی جن میں سے ایک کا نام ملو خاں عرف اقبال خاں اور دوسرا سارنگ خاں ہے ۔ بالکل سلطنت کے کاموں کا اختیار اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں ۔ اور خود مختار ہو گئے ہیں اور سلطان فیروز شاہ کے بیٹوں میں سے سلطان محمود کو برائے نام بادشاہ بنا رکھا ہے ۔ ورنہ حقیقت میں وہ خود ہی بادشاہ بن بیٹھے ہیں)
> دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوئم صفحہ ۸۰ نمبر ۴ ۔

اس تحریر سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ خانزادے لوگ اپنے زمانہ میں بہت بڑے عروج پر پہنچے ہوئے تھے ۔ اور خود مختارانہ حکومت کرتے تھے ۔

یہی وجہ تھی کہ جس بادشاہ سے یہ لوگ خوش ہو جاتے تھے اس کو سلطنت دلاتے تھے اور جس سے ناخوش ہوتے تھے اس کو تخت کے بدلے تختہ ہی نصیب ہوتا تھا۔

خانزادوں کے اس اقبال و عروج کا سلسلہ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ سے بابر بادشاہ کے زمانہ تک رہا۔ اس کے بعد حسن خاں کے مارے جانے پر ان کی یہ مشکل طاقت کم ہو گئی اب ہم مختلف مورخوں کی رائیں پیش کرتے ہیں جو انہوں نے خانزادوں کی اس طاقت و عظمت پر اپنی اپنی تاریخوں میں تحریر فرمائی ہیں۔

۱۔ حمید قلندر شاعر کی رائے

(بعہد فیروز شاہ باربک شہ [illegible] میں پہلے پہل جس جادو بھنی راجپوت نے غاشیہ فرمانبرداری دین و مذہب کا دوش پر اپنے رکھا اور آبیاری کلمہ طیبہ سے گلزار ایمان کو سیراب و شاداب بنایا۔ وہ نامہر خاں موسوم اعلیٰ قوم خانزادگان میوات اور اس کا خلف بہادر خاں ہوا ہے جن کے مورثوں کا زاد بوم مقام تہن گڑھ علاقہ بیانہ ہے۔ اقبال کی رہبری سے وہاں سے برآمد ہو کر اپنی ہمت و شجاعت کی بدولت ملک میوات کو تاخت و تاراج کیا۔ اور پیشہ راہزنی اور غارتگری کا اختیار کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ شدہ شدہ ایک بڑی جماعت بہم پہنچائی اور اس دیار میں بڑے نامی و گرامی ہو کر عنایات شاہی کی بدولت معزز و رئیس میوات ہو گئے۔ چنانچہ اس زمانہ سے لیکر تا عہد بابر بادشاہ کہ اس وقت میں ان کی اولاد سے حسن خاں خانزادہ حاکم و مالک تھا تو بر ریاست و حکومت ولایت میوات کی بالاستقلال قریب دو تین سو سال کے خاندان میں ان کے رہی اس عرصے میں یہ لوگ کبھی تو اطاعت و فرمانبرداری شاہان دہلی کی کرتے تھے۔ اور کبھی خود با اختیار ہو کر جنگ و سرکشی اور بغاوت پر کمر باندھ لیتے تھے)

دیکھو کتاب تیر انجام مصنفہ حضرت نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی۔

۲- پنڈت جوالا سہائے صاحب عبدالغنی راج بھرتپور کی رائے

رپورٹ [illegible] سے معلوم ہوتا ہے کہ

(خانزادے لوگ اگرچہ باعتبار تعداد تھوڑے ہیں۔ مگر جادو راج کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے بہت مشہور اور بہادر ہیں اور اسی سبب سے جیندبنی کی عمدہ نسل سے شمار کئے جاتے ہیں۔ اس جاتی خاندان سے دو بھائی سانبرپال اور سوپرپال فیروز شاہ کے عہد میں بروز عرصہ پانچ سو پچاس سال مسلمان ہوئے تھے۔ اور بادشاہ مذکور کے متوسلوں اور معتمدوں میں داخل ہوکر بخطاب نوابی جھجر اور ریواڑی کے نواح میں مسکن گزیں ہوئے تھے۔ ان کے پاس صدہا دیہات تھے۔ مگر جب حکومت جاتی رہی۔ تو اب صرف زمیندار رہ گئے ہیں۔ ملک میوات کی نزاعوں اور تکراروں میں جو اکثر بادشاہان دہلی کے ساتھ ہوتی رہی ہیں۔ خانزادے صدہا سال سے اُن میں کارہائے نمایاں کرتے اور داد شجاعت دیتے رہے ہیں۔ لیکن اس موجودہ صدی کے شروع سے ان کی اس علاقہ میوات میں کہیں حکومت باقی نہیں رہی۔ آج کل بھی اگرچہ اُن کی آبادی بہت تھوڑے دیہاتوں میں رہی ہے۔ تاہم یہ بہت دلاور اور مہم آور قوم مانی جاتی ہے۔ علاقہ الور کی دیگر اقوام کی بہ نسبت انگریزی رسالوں میں خانزادے لوگ سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ مسلمان راجپوت جو رانگھڑ کہلاتے ہیں۔ وہ خانزادوں سے بالکل علیحدہ ہیں۔ اور دو بادشاہوں کے عہد حکومت میں حکماً مسلمان ہوئے ہیں مثل خانزادوں کے انہوں نے دل سے کبھی اسلام قبول نہیں کیا۔ خانزادوں کی تو سیدوں اور پٹھانوں سے اکثر رشتہ داریاں ہوتی رہی ہیں۔ مگر رانگھڑوں کی سیدوں وغیرہ دیگر اقوام سے رشتہ داریاں نہیں ہوتیں)

دیکھو کتاب وقائع راجپوتانہ صفحہ ۲۷۶۔

۳۔ مولوی مظہر الدین صاحب مدیر اخبار الامان دہلی کی رائے

جیسا کہ قلعہ الور کے نام سے بھی ثابت ہے کہ یہ قلعہ مسلمانوں نے تعمیر کرایا تھا۔ پہلے یہاں چوہان راجپوت رہتے تھے۔ جو نکمب کے لقب سے مشہور تھے۔ سمت ۱۲۴۲ بکرمی میں علاول خاں بہادر نے جو ایک خانزادہ سردار تھا نکمبوں کو شکست دی۔ اور انہیں قتل کیا۔ اس لئے کہ رہزنی اور غارتگری ان نکمبوں کا پیشہ تھا۔ اور مخلوق خدا ان کے ہتھکنڈوں سے تنگ تھی۔ پہلے یہاں صرف پتھروں کا ایک احاطہ تھا جس کے اندر نکمب رہتے تھے لیکن علاول خاں خانزادے نے اسے ایک قلعہ کی شکل میں تعمیر کیا۔ یہ شخص افغان بادشاہوں کے زمانہ میں ایک بڑا بہادر امیر گذرا ہے جو افغانوں کی حمایت میں بابر سے بھی لڑا تھا اور جب اس کا بیٹا حسن خاں بابر کے مقابلہ میں مارا گیا۔ تو مغلوں نے الور کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

الور کی وجہ تسمیہ میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ علاول خاں بانی کے نام پر اس کا نام علاول مشہور ہو گیا۔ اور پھر تبدیل اسمار کے مختلف مدارج سے گذر کر الور ہو گیا۔ یہ قوم خانزادہ چندر بنسی سری کرشن جی کی جادو نسل میں سے ثابت ہوتی ہے سری کرشن کی بارہویں پشت میں ایک شخص تہن پال تھا جس نے شہر بیانہ کے قریب قلعہ تہن گڑھ تعمیر کیا یہ تہن پال جادو خانزادوں کا مورث اعلےٰ ہوا ہے۔ اسکی ساتویں پشت میں سانبر پال اور شوپر پال دو بھائی تھے یہ دونوں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں تخت نشین ہوئے اسکے بعد برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا۔

خانزادوں نے بڑے بڑے کارہائے سلطنت انجام دئے ہیں۔ اور ان میں بہت نامور اصحاب پیدا ہوئے ہیں جن کا حال مختصراً اتنا ظاہر کر دینا مناسب ہوگا کہ (علاول خاں بانی قلعہ الور کا فرزند نواب حسن خاں میواتی تاریخ میں ایک خاص شہرت رکھتا ہے۔ اور تاریخی تاریخیں اس حسن خاں میواتی کے تذکروں سے لبریز ہیں۔ اس نے دس ہزار سواروں کے ساتھ بابر جیسے باعظمت بادشاہ سے جنگ کی تھی۔ اسی کی ایک دختر اکبر بادشاہ کے مشہور سپہ سالار بیرم خاں کے عقد میں آئی تھی جس کے بطن سے عبدالرحیم خانخاناں پیدا ہوا

تھا۔ یہی الغ خان کی آغوشِ تربیت تھی جس سے نکل کر خان خانان دورِ اکبری
کے آسمان پر سب سے زیادہ روشن ستارہ بن کر چمکا تھا۔
شاہ جہان بادشاہ کے دور میں فیروز خان خانزادہ نے دہلی میں خاص رسوخ
حاصل کیا۔ اور نواب کے خطاب سے مشرف ہوا۔ اس نے شاہ جہان کے
نام پر شاہ آباد بسایا تھا)

دیکھو ضمیمہ اخبار الامان الور نمبر مطبوعہ ۲۲ جنوری ۱۹۳۲ء

۳۔ شیخ محمد مخدوم صاحب کی رائے

ہمارے نامہربان شیخ صاحب بھی یہ لکھتے ہیں کہ

(یہ خانزادے لوگ سابق میں بہت معزز اور نامور ہوئے ہیں۔ پہلے ان کی
جاگیریں بہت تھیں۔ اب عہدۂ چودھرات زمانہ اکبر بادشاہ سے تجارہ والوں
کے قبضے میں چلا آتا ہے۔ امیر خان اور ننھے خان چودھریان تجارہ اس وقت
مقرر ہیں۔ تمام سلطنت تیموریہ سے بڑے سند لشکر خان کو عالمگیر بادشاہ
کے عہد تک بابت حقِ چودھر معقول رقم ملتی رہی ہے۔

اطرافِ پورب میں جو خانزادے یہاں کے سابق سے گئے ہوئے ہیں۔ وہ
اب تک بھی وہاں پر رئیس اور جاگیر دار ہیں۔

رسم ہنود جو ان میں قدیم سے چلی آتی ہیں بعض ان میں سے موقوف ہو گئی ہیں
اور بعض اب تک مروج ہیں۔ ان کی رشتہ داریاں سادات اور مسلمان
چوہانوں سے ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اب دوسرے مسلمانوں کی طرح آپس میں بھی
رشتہ کرنے لگے ہیں۔

اولاد ملک علاء الدین خان خانزادے سے تجارہ میں اکرام خان اور شاہ آباد
میں نواب فیروز خان جاگیردار ہوئے ہیں۔ مگر ایسے مشہور و نامور نہیں تھے
جیسے بہادر خان برادر ملک علاء الدین خان کی اولاد میں سے ہوئے ہیں مثلاً
ممدو خان۔ جلال خان۔ احمد خان۔ عالم خان۔ ملک فخر الدین خان حسن خان وغیرہ)

دیکھو کتاب ارژنگ تجارہ صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۰

۵۔ مولوی نجم الغنی صاحب رامپوری کی رائے

بصورت سے پرگنہ تجارہ جو الور سے تیس میل شمال میں ہے ایک قوم خانزادہ نام قدیم سے آباد ہے۔ جو چندر بنسی سورما کرشن جی کی جادو نسل میں سے ہے۔ سری کرشن جی کی بارھویں پشت میں ایک شخص تہن پال تھا۔ جس نے شہر بیانہ کے قریب تاھن گڈھ بنایا۔ تہن پال کا بیٹا جاند پال مدت تک ادھر ادھر پھرتا رہا۔ آخر اس نے سمت ۱۱۲۳ بکرمی میں اجان گڑھ آباد کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اننتے پال جانشین ہوا۔ اننتے پال کا بیٹا گودھان پال ہوا۔ اور گودھان پال کا بیٹا اسراج ہوا۔ اس اسراج کے چند بیٹے تھے۔ ان میں سے لکھن پال پسر اسراج کے دو بیٹے سانبر پال اور سوپر پال پیدا ہوئے۔ یہ دونوں فیروز شاہ کے عہد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے مسلمان ہونے کے باب میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ رغبت دلی سے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ غارتگری کی سزا میں قتل کے مستحق ہونے پر مسلمان ہو کر جان بری ہوئی تھی۔ خانزادوں کا بیان ہے کہ ہمارے بزرگوں کو خان جادو کا خطاب ملا تھا عوام غلطی سے خانزادہ کہنے لگے۔ لیکن محققین تاریخ کا گروہ اس پر ہے کہ اسلام لانے کے بعد بادشاہ نے ان کو خانزادہ کا خطاب دیا تھا جو بہت عزت کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ اور جو کوئی معزز ہندو مسلمان ہوتا تھا وہ خانزادہ کہلاتا تھا بہرصورت سانبر پال ایک شیر کو مارنے کی وجہ سے بہادر ناہر کے خطاب کا مخاطب ہوا اور سوپر پال چھجو خاں کہلایا۔

سانبر پال کے نو بیٹوں میں سے ملک علاء الدین نامی کی اولاد زیادہ پھیلی۔ ان خانزادوں کا بہت سی کتابوں میں تاریخی سلسلہ مذکور ہے۔ ان دونوں صورتوں میں وہ نومسلم چندر بنسی راجپوت ثابت ہوتے ہیں جنکی نسبت نیا اکثر شرایف لوگوں اور ان نومسلموں سے منسوب ہیں [illegible]

قوم میں سے مسلمان ہونے کے بعد الور اور ہریانے کے علاقہ میں خانگھر کہلاتے ہیں خانزادے لوگ چار پانچ سو برس سے اکثر نامور چلے آتے ہیں۔ نواب حسن خاں جو میوات کی حکومت کے سبب سے فارسی کی تاریخوں میں حسن خاں میواتی کے نام سے مشہور ہے اور جو بابر بادشاہ کے مقابلہ پر رانا سانگا کے ہمراہ دس ہزار سوار سے جاکر مارا گیا تھا اور جس کی بیٹی سے اکبر کے وزیر بیرم خاں کا بیٹا عبدالرحیم خان خانان سپہ سالار پیدا ہوا تھا۔ اسی خانزادہ قوم میں سے ہوا ہے۔

عہد شاہجہاں بادشاہ میں فیروز خاں خانزادے نے رسوخ حاصل کرکے خطاب نوابی پایا تھا۔ اور شاہ آباد کو آباد کیا۔ سو ڈیڑھ سو برس کے قریب جاگیر اور حکومت جاتی رہنے کے سبب اب وہ انگریزی رسالوں وغیرہ میں نوکری کرتے ہیں۔ یا تجارت وغیرہ مقاموں میں زمینداری کر رہے ہیں)

دیکھو تاریخ کارنامہ راجپوتان ہند مطبوعہ بریلی پریس ۱۹۲۷ء صفحہ ۳۴۵ - ۳۴۶ -

۶ مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر اخبار آفتاب میوات کی رائے

خانزادوں کا مورث اعلےٰ سانبر پال نامی جادو چھتری تھا جس کی مسلمان ہونے کی روایت مولانا اکبر شاہ خانصاحب اپنی قابل قدر کتاب آئینہ حقیقت نما میں اس طرح لکھتے ہیں کہ

(بہادر ناہر میواتی کا اصل ہندوانی نام سمیر پال یا سانبر پال تھا جس زمانہ میں شہر حصار فیروزہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ ایک دن سلطان فیروز شاہ تغلق جنگل میں شیر کے شکار کو گیا۔ جو لوگ اس شکار میں سلطان کے ساتھ تھے ان میں سانبر پال بھی تھا۔ سلطان نے شیر کو تیر کا نشانہ بنایا۔ اتفاقاً کاری زخم نہ لگا۔ شیر سلطان کی طرف جھپٹا۔ اسی حالت میں سانبر پال نے شیر کے تیر ملا اور وہ سلطان تک پہنچنے سے پہلے ہی زمین پر گر پڑا۔ سلطان نے اس

چاپلوسی اور خاطر مدارات سے خوش ہو کر ساہر پال کو بہادر ناہر کا خطاب دے کر میوات میں ایک جاگیر عطا کی۔ جو موجودہ ضلع گوڑگانوہ کی تحصیل نوح میں تھی۔ بہادر ناہر نے اس جاگیر میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک قلعہ بنایا۔ جو کوٹلہ بہادر ناہر کے نام سے مشہور ہوا۔ اس قلعہ کے نشانات اب تک موضع کوٹلہ میں موجود ہیں۔ بہادر ناہر نے کچھ دنوں بعد ہی اسلام قبول کر لیا۔ اور فیروز تغلق کی وفات کے بعد سلطنت دہلی کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر میوات پر قابض و متصرف ہو گیا۔ بہادر ناہر کو بعد میں اسی بادشاہ کی طرف سے خان بہادر کا معزز لقب ملا تھا جس کو بعد میں خانزادہ بنا لیا گیا۔

بہادر ناہر کی اولاد بہت دنوں تک برسر عروج رہی ہے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کو انہوں نے اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا لیا تھا۔ خانزادوں کی قوم ایک بڑی قوم ہے جو یو۔پی پنجاب اور راجپوتانہ وغیرہ مقامات میں بکثرت ملتی ہے۔ خانزادے کئی نسلوں سے ہیں۔ بعض ان میں سے اپنے کو ملک بھی کہتے ہیں جو خانزادوں کا ہی پرانا نام ہے)

دیکھو رسالہ حالات میوان صفحہ ۳۳،۳۴۔

یہی صاحب اپنی دوسری کتاب تاریخ میوات میں لکھتے ہیں کہ

(خانزادہ جو جادو نسل سے ایک ممتاز فرقہ ہے۔ ایک عرصہ دراز تک اپنے میواتی مسلمان بھائیوں پر حکمرانی کرتا رہا ہے۔ چنانچہ مسلم تاریخوں میں ان خانزادوں کو میواتی ہی کہا گیا ہے اور وہ میواتی ہی کہلاتے رہے ہیں۔ میوات میں القاب و خطاب راجگی۔ کنور۔ ٹھاکر۔ چودھری۔ میاں۔ خان وغیرہ سے ان کو یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ خانزادہ قوم کا مورث اعلیٰ ساہر پال فیروز شاہ بادشاہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا جس نے اسے بہادر ناہر اور خان کا خطاب دیا تھا۔ اسی واسطے اب خانزادہ قوم کے ہر ایک فرد کو خان صاحب کہتے ہیں۔ اور یہ خانزادہ قوم اسی نام سے موسوم ہوئی۔

خانزادے بھائی اپنی قومیت کے بارہ میں مختلف رائے رکھتے ہیں کبھی مغل بنتے ہیں کبھی پٹھان۔ جو سراسر علم تاریخی سے لاعلمی پر دال ہے۔ [illegible]

نسل کے چھتری ہیں۔ جب بہادر ناہر میوات کا حاکم بن بیٹھا تو سلطان ابوبکر تغلق نے کئی بار اس سے مدد مانگی تھی۔ میوات کی حکومت مدت تک اس کی اولاد کے پاس رہی کیونکہ اس نے اپنی عین حیات میں ہی اپنا علاقہ اپنے نو بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا) دیکھو تاریخ میوات صفحہ ۵۸ لغایت ۸۰۔

نوٹ :۔ یہاں پر مولوی صاحب نے غلطی کھائی ہے۔ اول ان کا یہ لکھنا غلط ہے کہ خانزادے اپنا خطاب خان جادو بتاتے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ خانزادے اپنا خطاب خان اور خانزادہ بتلاتے ہیں جس کا مفصل بیان خطاب کے بیان میں گذرا۔ دوئم یہ بھی غلط لکھا ہے کہ خانزادے کبھی مغل بنتے ہیں اور کبھی پٹھان۔

بھلا خانزادوں کو مغل اور پٹھان بننے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ قوم سے یہ نجیب الطرفین حکومت ان کے گھر کی لونڈی۔ ان کا خاندان پانچ ہزار سال سے ہندوستان پر حکومت کر رہا ہے۔ پھر انہیں کسی دوسری قوم کی طرف منسوب ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے اس غلطی کا باعث یا تو مولوی صاحب کا سہو اور تاریخی ناواقفیت ہے یا محض ایجاد بندہ ہے۔ ورنہ اصلیت اس کی کچھ بھی نہیں ہے۔

۷۔ مسٹر سی اے ہیکٹ صاحب پولٹیکل ایجنٹ الور کی رائے

میوات کی آبادی کا زیادہ حصہ میو پر مشتمل ہے۔ جو کہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ لیکن ان میوؤں کو ان مسلمان میواتی سرداروں سے ہرگز خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے جن کا ذکر فارسی تاریخ والوں نے اپنی اپنی تاریخوں میں کیا ہے۔ کیونکہ وہ میواتی سردار صرف خانزادے ہیں۔

خانزادہ وہ قوم ہے جو کہ میوؤں کی طرح سے مذہب سے اگرچہ مسلمان ہو مگر طرز تمدن اور معاشرت میں پہلے سے بھی اور اس موجودہ وقت میں بھی اُن سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے۔ اور اُن کو میوؤں کے ساتھ کوئی بھی نسبت یا تعلق نہیں ہے لیکن بہت پرانے

زمانہ میں بغاوت اور شورش کے موقعوں پر وہ میواتیوں کے تابع ہو جاتے تھے۔ انہیں لوٹ مار کے واسطے میوات بہت شہرت پا چکی ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ میوات شاہان دہلی کے پہلو میں ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔

درحقیقت میواتی لفظ کا مفہوم صرف حکومت کرنے والی جماعت کے لئے مقرر ہے اور میو کا لفظ صرف محکوم جماعت کے لئے آیا ہے۔

اگرچہ میو کا لفظ موجودہ زمانہ کی ساخت نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ تاریخوں میں نہیں ملتا۔ لیکن میواتی لفظ غیر معروف طور پر خانزادہ کے لفظ سے تبدیل ہو گیا ہے۔ میواتی اور خانزادہ یہ دونوں الفاظ ایک ہی معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں۔ چند بھاٹ نے بھی پرتھی راج راسا کتاب میں میوات کا بہت جگہ ذکر کیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ میوات کے حکمران جادو بنسی خاندان سے ہوئے ہیں۔ جس کا ثبوت مقامی روایتوں سے بھی بخوبی ہوتا ہے۔ اور فارسی تاریخ دانوں نے بھی ان جادو لوگوں کو جو بعد میں مسلمان ہو گئے میواتی کے نام سے پکارا ہے۔ وہ میواتی کا لفظ چاند بھاٹ نے بھی ان سرداروں کے واسطے استعمال کیا ہے جو کہ جادو بنسی خاندان سے تھے۔ اور جادو مہاراجہ قرولی اپنے آپ کو جن کا بڑا سردار کہتے ہیں۔

میوات کے حکمرانوں کے تعلقات شاہان دہلی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ فیروز شاہ بادشاہ کی وفات یعنی ۱۳۸۸ء کے بعد بہادر ناہر میواتی ایک شخص ملتا ہے جس کا ہندوانی نام سانبھر پال تھا۔ اور جس کا قلعہ کوٹلہ تجارہ کی پہاڑیوں میں ہے۔ اس بہادر ناہر کی دہلی دربار میں بڑی زبردست شخصیت تھی۔ یہ بہادر ناہر جو کہ یادو نسل جادو قوم کا تھا قوم خانزادہ کا مورث اعلیٰ ہوا ہے۔ جس کی سلطنت کی تاریخ بعد میں بہت مشہور ہو گئی تھی۔

بہادر ناہر نے فیروز شاہ کے پوتے ابوبکر کی بڑی مدد کی تھی۔ [illegible] کی تھی کہ وہ اپنے چچا ناصر الدین محمد شاہ کو دہلی سے نکال کر خود تخت نشین ہو جائیں لیکن [illegible] ناصر الدین محمد شاہ سے مقابلہ [illegible] بہادر ناہر کے پاس [illegible] کے قلعہ میں [illegible] [illegible] کا انتخاب کیا [illegible] [illegible] کے واسطے لشکر بھیجا گیا [illegible] [illegible] ہو گیا۔ بہادر ناہر نے [illegible]

سے پہلے کہ پوری طرح صحت یاب ہو میوات میں کوٹلہ کے مقام پر حملہ آور ہوا۔ بہادر ناہر بھاگ سے فیروز پور جھرکہ کو چلا گیا۔ لیکن ۱۳۹۴ء میں ناصر الدین محمد مر گیا تو بہادر ناہر (اپنے بیٹے) ملو اقبال خاں کے ساتھ مل گیا۔ ان دونوں نے ملکر تخت دہلی کے لئے دو جانشین پیدا کر دئے یہاں تک کہ تین سال تک نام نہاد دو بادشاہ حکمران رہے بہت سے مورخ اور خود بادشاہ بھی بہادر ناہر کے چال چلن اور رسم و رواج کا ذکر نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یہ واقعہ تیمور لنگ کے وقت ۱۳۹۸ء کا ہے۔ تیمور خود بیان کرتا ہے کہ میں نے ایک سفارت کوٹلہ کے مقام پر بہادر ناہر کے پاس بھیجی تھی۔ جس کا خیر مقدم بہادر ناہر نے اچھی طرح سے کیا اور عمدہ جواب لکھا۔ جواب کے ساتھ ہی دو سفید طوطے جو کہ شاہان دہلی سے تعلق رکھتے تھے بھیجے۔ تیمور نے ان طوطوں کی بہت تعریف کی ہے۔ اس کے بعد بہادر ناہر اور رائس کے بیٹے معہ ان آدمیوں کے جو کہ میوات میں تیمور کے ڈر سے پناہ گزین ہوئے تھے۔ تیمور کو سلام کرنے کے واسطے آ گئے۔ ان میں سے ایک شخص خضر خاں بھی تھا۔ جو کہ مغلوں کا منظور نظر تھا۔

بہادر ناہر نے تیس سال سے کچھ زیادہ عرصے تک پولیٹکل سٹیج پر نہایت دانشمندانہ پارٹ انجام دیا تھا۔

پہاڑوں کا وہ سلسلہ جہاں اس نے اپنی رہنے کی جگہ مقرر کی تھی وہ پناہ کی نہایت موزوں جگہ تھی۔ ان پہاڑوں پر خود اس نے اور اس کے خاندان کے دیگر اصحاب نے بہت سے قلعے بنائے ہیں جن کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔

۱۴۲۱ء میں سید مبارک شاہ خضر خاں کی جگہ تخت نشین ہوا۔ جس نے ۱۴۲۵ء میں میوات پر چڑھائی کی۔ میواتی شہزادوں نے اپنے ملک کو اجاڑ کر تجارہ کی پہاڑیوں میں پناہ لے لی۔ یہ پہاڑیاں ایسی تھیں کہ بادشاہ کو بغیر ان کے فتح کئے ہوئے ہی مجبوراً دہلی کو واپس جانا پڑا تھا۔ ایک سال بعد بادشاہ نے پھر میوات کی طرف مارچ کیا۔ اس وقت جلال خاں اور قدو خاں بہادر ناہر کے پوتے اور کئی اور میواتی بھی جو کہ ان کے ساتھ مل گئے تھے۔ انہوں نے وہی پرانا طریقہ جو کہ پہلے سال استعمال کیا تھا اب بھی استعمال کیا۔ اور اپنے ملک کو اجاڑ کر اندرور میں پہنچ گئے۔ جو کہ کوٹلے سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ کچھ عرصے بعد وہاں بادشاہ کے ساتھ مقابلہ کر کے اندرور سے بھی نکل گئے۔ اس

کے بعد بادشاہ نے اندور کو بھی برباد کر دیا ۔ پھر وہ الور کی پہاڑیوں میں جا پہنچے ۔ جہاں انہوں نے خوب جم کر مقابلہ کیا ۔ مگر آخر کار وہاں بھی مغلوب ہو گئے ۔

الغرض پے در پے حملوں نے خانزادوں کو خاموش نہیں بٹھایا ۔ اس واقعہ کے [illegible] پھر بادشاہ نے فوجیں بھیجیں ۔ ان فوجوں نے میوات میں جگہ جگہ آگ لگا دی اور خوب دل کھول کر قتل و غارت کیا ۔ ۱۴۲۱ء میں بادشاہ نے [illegible] خاں کو قتل کرا دیا اور پھر میوات کے برخلاف فوجیں روانہ کیں ۔ میوات کے باشندے اپنے پہلے رواج کے مطابق اپنے اپنے شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں بھاگ گئے ۔ جلال خاں خانزادے نے معہ احمد خاں اور مبارک خاں کے جو کہ اس کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے ایک اور فوج الور کے قلعہ میں جمع کی ۔ اور نہایت بہادری سے لڑے ۔ کہ بادشاہ کی فوج کے کمانڈر کو واپس جانا پڑا ۔ ۱۴۵۱ء میں بہلول لودھی تخت نشین ہوا ۔ اس کی پہلی حرکت میوات پر فوج کشی تھی ۔ احمد خاں خانزادہ جو کہ اس وقت مہرولی سے لاڈو سرائے متصل دہلی تک اور پورے میوات کا حاکم تھا بادشاہی فوج سے مغلوب ہو گیا ۔ اور سات پرگنے بادشاہ کی نذر کئے ۔ ۱۴۸۹ء میں سکندر لودھی تخت پر بیٹھا ۔ اس زمانہ میں تجارہ میں ایک گورنر بادشاہ کی طرف سے رہتا تھا ۔ اس کے نہایت معتمد اور مشہور و معروف افسروں میں سے ایک افسر عالم خاں خانزادہ بھی تھا ۔

۱۵۲۶ء میں ہندوستان کے اندر ایک نئی طاقت ظاہر ہوئی ۔ یعنی بابر نے جو کہ تیمور کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا پانی پت کی لڑائی فتح کرنے کے بعد دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا ۔ اس نے یہ ارادہ کیا ۔ کہ میرا حملہ صرف لوٹ مار کرنے کا نہیں ۔ بلکہ ایک سلطنت کی بنیاد ڈالنی ہے ۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ راجپوتوں نے اپنی آخری کوشش آزادی کے واسطے کی تھی ۔ رانا سانگا جو میواڑ کا راجہ تھا اس کی سرکردگی میں یہ لڑائی ہوئی تھی ۔ رانا سانگا نے حسن خاں میواتی کو نصیحت دی ۔ کہ وہ اس قوم کی مدد کرے جس میں سے وہ خود پیدا ہوا ہے ۔ تاکہ مسلمانوں کی طاقت کو جو کہ شمال کی طرف بڑھ رہی ہے روکا جا سکے ۔ اس وقت حسن خاں خانزادہ کی پولیٹکل پوزیشن بڑی زبردست تھی ۔ بابر اپنی سوانح حیات (تزک بابری) میں ذکر کرتا ہے ۔ کہ اس زمانہ میں جو کچھ فساد یا گڑبڑ وہ چاہتا تھا کر سکتا تھا ۔ وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ میں نے بے قاعدہ حسن خاں کے ساتھ [illegible] کیا ۔

کیونکہ حسن خاں کی تمام حمایت ہندوؤں کے ساتھ تھی۔ اور اس کے علاقہ کی موجودگی نے جو
کو دہلی کے سامنے تھی تھا بابری مخالفت کو بہت کافی خطرناک بنا دیا تھا حسن خاں کے مرنے
کی جگہ اس وقت الور میں تھی۔ مگر بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ بہادر بعد میں غالباً
خود حسن خاں شدید یا تو اس لڑائی میں مارا گیا۔ یا لڑائی کے بعد ہی اس کے رشتہ داروں
کی سازش سے قتل کرا دیا گیا۔

بابر نے فتح پور سیکری سے چل کر الور سے چھ کوس کے فاصلہ پر آن کر ڈیرے ڈال
دیئے یہاں پر ایک پیغام حسن خاں کے بیٹے ناہر خاں نے معافی کا بابر کے پاس بھیجا اور
بابر سے جان کی حفاظت کا وعدہ لیکر خود اس کے پاس آیا۔ اور بابر سے سات لاکھ روپیہ
کا ایک پرگنہ جاگیر میں حاصل کیا۔

بابر بیان کرتا ہے کہ حسن خاں کے آباؤ اجداد نے تجارہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا مگر جب میوات میں
آیا۔ تو اس وقت اس کا دارالخلافہ الور تھا۔ بادشاہ نے تجارہ کا علاقہ فتح کرنے کے بعد چین تیمور کو بخش
دیا۔ اور الور۔ اللہ وردی خاں کو دیدیا۔ جس نے فتح پور سیکری میں بابر کی مدد کی تھی۔

خانزادے سرداروں کی پولٹیکل طاقت اس وقت بالکل درہم برہم ہو گئی تھی
اور اس کے بعد بہادر ناہر اور حسن خاں جیسے آدمی اس قوم میں دکھائی نہیں دیئے
جو کبھی بادشاہ کے موافق اور کبھی مخالف بن جاتے تھے۔

اکبر اور شاہ جہاں کے وقتوں کے خانزادوں کی مقامی حیثیت پھر بھی بڑی زبردست
تھی جو کہ موجودہ صدی تک قائم رہی۔ جیسا کہ آگے بیان کیا جائیگا۔

جس ملک پر خانزادوں نے حکومت کی تھی۔ اس کی وسعت مسلمان مورخوں کی
کتابوں، مقامی روایتوں اور ان عمارات کے کھنڈرات سے جو کہ انہوں نے بنائے تھے
بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ دور کے قلعوں کے ریواڑی، پٹہنہ۔ گوڑگانوہ وغیرہ مقامات
بھی جو تجارہ سے بہت دور نہیں ہیں وہ سب کے سب بہت مدت بعد تک انہیں کے
قبضے میں رہے تھے۔ اور بہت سے مقبرے اور مسجدیں اور کھنڈرات جو اب تک پٹہنہ
وغیرہ میں موجود ہیں۔ انہیں کے بنائے ہوئے ثابت ہوتے ہیں۔

خود خانزادوں کا یہ بھی بیان ہے کہ ہمارے جد وہ سو جو دراصل کیرے تھے۔
ہمایوں بادشاہ کو جو لڑائی تخت دہلی واپس لینے کے لئے شیر شاہ کے خاندان

والوں سے ہوئی تھی اس میں خانزادوں نے بادشاہ کے برخلاف متفق ہو کر کوئی حصہ نہیں لیا۔ کیونکہ ہمایوں نے جمال خاں خانزادے کی بڑی لڑکی سے شادی کر کے ان خانزادوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی تھی۔ یہ جمال خاں خانزادہ حسن خاں کا جو کہ بابر کا حریف تھا چچا زاد بھائی تھا۔ اور اس کی چھوٹی لڑکی کی شادی بیرم خاں خانخاناں سے ہوئی تھی۔

اس کے بعد بھی اکبر بادشاہ کے زمانہ میں خانزادے لوگ بادشاہ کی فوجوں کے بڑے زبردست اور مشہور سردار اور سپاہی ثابت ہوئے تھے۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں میوات کے پرانے حاکموں میں سے اکرام خاں خانزادے نے ملک میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا تھا اور بجارہ کے گورنر سے نقارہ و نشان وغیرہ چھین کر اس کو نکال دیا تھا۔ لیکن اکرام خاں اپنے آپ کو شاہی حکومت کے لئے زیادہ خطرناک ثابت نہ کر سکا۔

سنہ [illegible] میں راجہ بختاور سنگھ الور والے نے مرہٹوں کی مدد سے نواب ذوالفقار خاں کو جو کہ آخری زبردست خانزادہ تھا اور جس کے پاس بھرت پور کے قریب کا علاقہ تھا۔ اس کے قلعہ سے جو کہ گھاسولی کے نام سے مشہور تھا نکال دیا تھا۔ اور اس کی جگہ گوبند گڑھ بسایا۔ بہاڑ اور سانتھل کا علاقہ ایک عرصہ تک بہادر خاں خانزادے کے خاندان میں رہا۔ لیکن محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد ابتری میں اودے پور کے رانا نے ان سے چھین لیا۔ عالمگیر ثانی کے زمانہ میں نواب انتظام الدولہ خاں خانزادہ ایک عرصے تک الور کا قلعہ دار رہا تھا۔ وہ تعظیم جو دربار میں جگہ ملنے کا ذریعہ ہوتی ہے شاہ آباد کے نواب کے پاس بھی تھی جس کا نام فیروز خاں تھا۔

خانزادے جو کہ میوات کے پرانے حکمران ہیں اور جن کی بابت پہلے بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے یہ لوگ اگرچہ آج کل آبادی کے لحاظ سے غیر معروف ہیں مگر مرتبہ تمدن میں وہ میوؤں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ اور میوؤں کی نسبت بھی یہ مسلمان ہوتے ہیں مگر ان سے بہتر مسلمان ہیں۔ وہ کوئی ہندو تہوار نہیں مناتے اور ہندو دیوتاؤں یا مقبروں کو پرستش کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ مگر یہ لوگ ان کی شادی کے رسم و رواج میں کچھ حصہ لیتے ہیں۔ اور وہ کچھ ہندو رسومات بھی برتتے ہیں۔ اگرچہ اکثر ان میں سے میوؤں کی طرح غریب بھی ہیں۔ مگر وہ اپنی عزت [illegible] کھیتوں میں کام نہیں کرتے [illegible]

عورتوں کی پردہ داری کی وجہ سے دوسری قوموں کی نسبت کاشتکاری میں زیادہ نقصان رہتا ہے۔
اب کسی خانزادے کے پاس ریاست الور میں کوئی جاگیر نہیں رہی۔

جو خانزادے لوگ یورپ یعنی مشرق کی طرف ہجرت کر گئے ہیں وہ وہاں دریائے گنگا کے میدانی شہروں میں تجارت اور زراعت کرتے ہیں۔ اور اب ان کا کوئی تعلق میوات کے خانزادوں کے ملک میں نہیں رہا ہے۔

جن لوگوں نے اپنے خاندان کی روایتوں کو نہیں چھوڑا ہے وہ اب بھی فوجی ملازمت کے بہت شائق ہیں۔ اور برطانیہ کی فوجوں میں موجود ہیں۔ نیز الور کی ریاست میں بھی بہت سے ملازم ہیں۔ ان میں سے بُودھے خاں خانزادہ جو کہ خاص پلٹن کا کمانڈنگ افسر ہے وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ اور دربار میں معزز عہدے کا حقدار بھی ہے۔ اور شاہ آباد کے خانزادوں کے خاندان میں سے اب بھی قلعہ دار موجود ہیں۔ اور بیسیوں ۳۵ گھوڑوں کے سوار ایک مقررہ تنخواہ پر مہیا کرتے ہیں۔

تجارہ میں ایک خانزادہ چودھری بھی ہے کل چھبیس ۲۶ گاؤں خانزادوں کے اس پرگنہ تجارہ میں موجود ہیں۔ ان گاؤں میں بہت سے مالکان اراضی خود کاشت بھی کرتے ہیں۔ سوات سے باہر کے خانزادوں کے گاؤں کا کوئی حال ہمیں معلوم نہیں ہے۔

مندرجہ بالا حالات جو کچھ خانزادوں کے متعلق بیان کئے گئے ہیں وہ سب فارسی کی کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں جو کہ معلومات کا بہت ہی معتبر ذریعہ ہیں۔ خانزادوں کے مورثوں میں سے ایک شخص اُدھان پال نامی نے جو کہ تہن پال کی چوتھی پشت میں تھا اور تہن پال بیانہ کا جادو سردار تھا۔ اُدھان پال نے اپنے آپ کو ان پہاڑوں میں مقیم کر لیا تھا۔ جو کہ تجارہ کو فیروزپور جھرکہ سے علیحدہ کرتی ہیں اور خاص کر اس جگہ پر جس کو سروراالہ کہتے ہیں اور جس کے کھنڈرات اب بھی ملتے ہیں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اس کے بعد سرہٹے میں چلا گیا جو کہ چند میل جنوب کی طرف اسی پہاڑی سلسلے میں واقعہ ہے جہاں پر اب کافی کھنڈرات موجود ہیں۔ اس کا پڑپوتہ سانبر پال فیروز شاہ کے عہد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو کوٹلہ میں آباد کیا تھا۔ اس نے کل علاقہ میوات پر اور اس کے علاوہ اضلاع پر بھی حکومت کی تھی۔ اس کے لڑکے اور پوتے بڑی بڑی جگہوں پر آباد ہوئے۔ کہا جاتا ہے جو دو سو چوراسی کھیڑے اُن کے ماتحت تھے جن میں اب بھی اُن کے

بنائے ہوئے مکانات کے کھنڈرات اور مقبرے پائے جاتے ہیں جو کہ تمام انہیں سے تعلق رکھتے ہیں جو تبدیلیاں تجارہ کے پرگنے میں پچھلے ایک سو پچاس سال کے عرصے میں وقوع میں آئی ہیں وہ قانونگویوں کے دفتر میں ریکارڈ کے طور پر موجود ہیں۔ تجارہ کے پرگنے کی چودھر کا عہدہ قانونگویوں کے ساتھ پشتوں سے چلا آ رہا ہے۔ جو کہ ملک پور کے موتشی خانزادوں کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ خاندان بہت مشہور اور سننے کے قابل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مجموعہ چودھری کے آباؤ اجداد کو اکبر کے زمانہ میں ایک بڑی رقم ملتی تھی۔

یہ تعجب خیز امر ہے کہ تجارہ کا چودھری اور قانونگویے ایک ہی ہوتے جاتے ہیں۔ واقعی اورنگ زیب کے زمانہ میں پندرہ سو روپے کی نانکار ان کو ملتی تھی۔

تجارہ کی گرد و نواح کی عمارات میں لال خاں اور ملک علاء الدین خاں خانزادے کے مقبرہ شہر میں واقع ہیں۔ اور حسن خاں کا مقبرہ نلے کے کنارہ پر جنوب کی طرف واقع ہے۔ تجارہ کی پہاڑیاں بھی ایک زمانہ میں بہت مشہور تھیں۔ تاریخوں میں پرانے زمانہ کی روائتیں ان خانزادے سرداروں کی کوششوں کا ذکر بتلاتی ہیں جنہوں نے اُن پہاڑیوں کو اپنے قبضے میں لا کر ان پر قلعہ بنائے تھے۔ یہ پہاڑیاں اوپر سے خوب چوڑی ہیں کیونکہ ان کی چوٹیوں پر ایک سڑک ایسی نکالی گئی تھی جو کہ خانزادوں اور گھروں کے بنائے ہوئے ان بڑے بڑے قلعوں کو ملاتی تھی جو انہوں نے اندور اور کوٹلہ گھروں میں بنائے تھے۔

خانزادوں کے بنائے ہوئے کچھ گاؤں اور قصبوں کا مختصر حال بھی یہاں پر لکھ دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

۱۔ قصبہ شاہ آباد

یہ قصبہ تجارہ کے مغرب میں تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے جس کے مالک اور بسوہ دار خانزادے ہیں۔ وہاں پر خانزادوں کے چند مقبرے موجود ہیں۔ ان کی بابت اکبر کے زمانہ کا ایک مورخ لکھتا ہے کہ تجارہ اور شاہ آباد اس علاقہ کے بڑے بڑے مشہور شہر تھے۔ تجارہ سے سات میل کے فاصلہ پر سڑک کے اوپر جو کہ تجارہ سے کشن گڑھ کو جاتی ہے ایک گاؤں خانزادوں کا بغدادی آباد ہے اس میں خانزادوں کے چند بڑے بڑے مالدار خاندان آباد ہیں جنہوں نے ایک باغ اور ایک مکان مسافروں کے ٹھہرنے کے واسطے بنوا رکھا تھا اس باغ میں ایک مقبرہ اور ایک مسجد بھی بڑی اچھی بنی ہوئی تھی۔

۲ - دمدمہ یہ مرہٹہ سے چار میل شمال کی طرف واقع ہے اس کے پاس ایک فصیل دار شہر بستا تھا جس کو گھرولی کہتے تھے۔ اور وہ اپنے کھنڈرات کی وجہ سے اب مشہور ہے۔ یہ شہر خانزادوں کا بسایا ہوا تھا۔ یہ اس راستے کی گذرگاہ پر واقع ہے جو کہ کوٹلے کو جو بہادر ناہر کا قلعہ تھا جاتا ہے اور پھر وہاں سے اندور کے قلعہ کو جاتا ہے اس راستے پر جہاں سے وہ ٹوٹا ہوا ہے کھنڈر بچے ہوئے ہیں۔ یہ کھنڈر غالباً دہلی کے بادشاہوں نے خانزادوں کو بابر کی فتح کے بعد مطیع رکھنے کی غرض سے بنوائے تھے۔

۳ - منڈھا یہ گاؤں سیدوں کا ہے۔ اس میں ایک قلعہ جو کہ ادھورا تیار ہو چکا ہے موجود ہے اس قلعہ کی تعمیر نواب فیض اللہ خاں خانزادے نے جو کہ شاہ آباد کا رہنے والا اور اس کا حکمران تھا۔ کوئی اسی سال گذرے شروع کی تھی لیکن جب منڈھے کے سیدوں نے اس کے ساتھ رشتہ ناطہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تو اس نے ان لوگوں کی بیٹی حویلیاں برباد کر کے یہ قلعہ بنوانا شروع کیا تھا۔ جو کہ نواب مذکور کی وفات پر ناتمام رہ گیا۔

۴ - اندور آج کل یہ شہر کھنڈرات کی صورت میں آباد ہے اب اس کی جگہ موجودہ نوح کٹرہ مشہور ہو گیا ہے۔ جیسا کہ کتاب آئین اکبری میں لکھا ہے شہر اندور شاہی زمانہ میں پرگنہ اندور لکھا جاتا تھا۔ پرگنہ نوح بھی پہلے زمانہ میں پرگنہ اندور ہی میں شامل تھا۔ اگرچہ ایک زمانہ تھا جبکہ یہ شہر میوات کے چند مشہور مقامات میں سے تھا بہادر ناہر کی وفات کے بعد شہر اندور جلال خاں خانزادے کے وقت میں میوات کا سب سے بڑا شہر اور قلعہ بن گیا تھا۔ یہ جلال خاں خانزادہ جو کہ بہادر ناہر کے خاندان میں سے تھا۔ اندور کے ساتھ خاص تعلق رکھتا تھا۔ اور اپنی راجدھانی بنائے ہوئے تھا۔ وہ روایتیں جو تاریخوں میں اس کے متعلق لکھی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاندانی دعوے بادشاہان دہلی کی مخالفت تھا۔ جلال خاں کا مقبرہ اندور کے جنوب میں واقع ہے اس جگہ پر تقریباً چودہ بلند گنبد اور اور بھی شریف خانزادوں کی یادگاریں موجود ہیں۔

اگرچہ اندور کے موجودہ خانزادے اب غریب ہیں۔ مگر ان کے پاس اس پرانے زمانے کے ریکارڈ موجود ہیں جبکہ ان کا زمانہ بہت اچھا تھا۔ ایک نوشتہ جو کہ ان کے پاس رکھا موجود ہے اور جس پہ اکبر بادشاہ کی مہر لگی ہوئی ہے اور ساتھ ربیع الاول ۹۶۴ھ

کا لکھا ہوا ہے اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ قانونگوے ۔ چودھری اور مقدموں کو جو کہ ان مکان
کے ہیں یہ چاہیے کہ ان چند خانزادوں کی جو کہ اندور کے خاندان سے ہیں اور جن کو ہم نے
بخشش دیا ہے ان کی عادتوں سے رہنے میں دخل نہ کریں اور ... کے برخلاف پیدا ہونے ...

۵ - جھواٹہ

آج کل یہ میووں کا گاؤں ہے ۔ ... سے شمال مشرق میں پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے ۔ اس گاؤں میں خانزادوں کے نشانات کی بنائی ہوئی ایک بڑی مسجد ہے ۔ اور دیگر چند ایک نشانیاں ابھی ان کی موجود ہیں ۔ خانزادوں کو اس گاؤں سے راؤ بہادر سنگھ نے جو کہ ... کا رہنے والا تھا نکال دیا تھا ۔

۶ - فتح آباد

یہ کشن گڑھ کی تحصیل میں واقع ہے ۔ یہاں کے سوداگروں نے جو بہت مالدار تھے ۔ ... کے خانزادوں کو جانی نقصان پہنچایا تھا اس لئے وہاں کے خانزادوں نے مل کر فتح آباد کے بہت سے لوگوں کو جان سے مار دیا تھا ۔ اس واقعہ کو تقریباً ڈیڑھ سو سال گذر چکے ہیں ۔ لیکن چونکہ فتح آباد والوں کی رشتہ داری بھرت پور کے جاٹوں سے تھی ۔ اس لئے انہوں نے ان جاٹوں کو اپنی مدد کے لئے بلا کر خانزادوں پر حملہ کر دیا ۔ اس لڑائی میں خانزادوں کے ساتھ میو بھی شامل تھے ۔ انھوں نے بلکہ فتح آباد کو برباد کر دیا اور وہاں کے کل لوگوں کو مار بھگایا ۔ چنانچہ اس وقت سے آج تک یہ گاؤں برباد ہے ۔

۷ - گھساولی

موجودہ گوبند گڑھ کے گرد و نواح میں راجہ بختاور سنگھ الور والے کے زمانہ میں خانزادوں کے پاس بہت سے گاؤں تھے اور نواب ذوالفقار خاں ان سب کا حاکم تھا ۔ اس کا قلعہ گھساولی کا قلعہ کہلاتا تھا ۔

سن ۱۸۰۳ء میں راجہ بختاور سنگھ نے مرہٹوں کی مدد سے اس کو نکال دیا اور پانچ سو گھوڑے جو کہ اس کے قلعہ میں اس کے پاس تھے ان کو لے کر قلعہ کو برباد کر دیا ۔ یہ جگہ آج کل سرکاری گھاس کا میدان بنا ہوا ہے ۔ بہراونت کا گاؤں گوبند گڑھ کے جنوب میں چار میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ یہاں پر ایک مقبرہ اور ایک مکان بنا ہوا ہے ۔ اس جگہ ناہر خاں خانزادہ ... نواب ذوالفقار خاں کا بھائی تھا اس مقبرہ ... کیا جاتا ... کرتا تھا اسی جگہ پر ایک تہہ خانہ ہے جس کے اندر ناہر خاں ...

اگر رو ذواج کے گاؤں کے آدمی جو کہ نامر خاں سے تعلق رکھتے ہیں یا اس کے بھائی کے خاندان سے ہیں اب بھی اپنے جھگڑوں کا فیصلہ جو کہ قسم وہ حرم سے ہوتا ہے اسی ٹھیڑے پر آکر کرتے ہیں ہنگامہ [illegible] میں بدم سنگھ نے بھوج پور پر قبضہ کرلیا۔ اس گاؤں پر بدم سنگھ کے قابض ہونے میں گھاسی کے خانزادوں نے اس کی مدد کی تھی۔

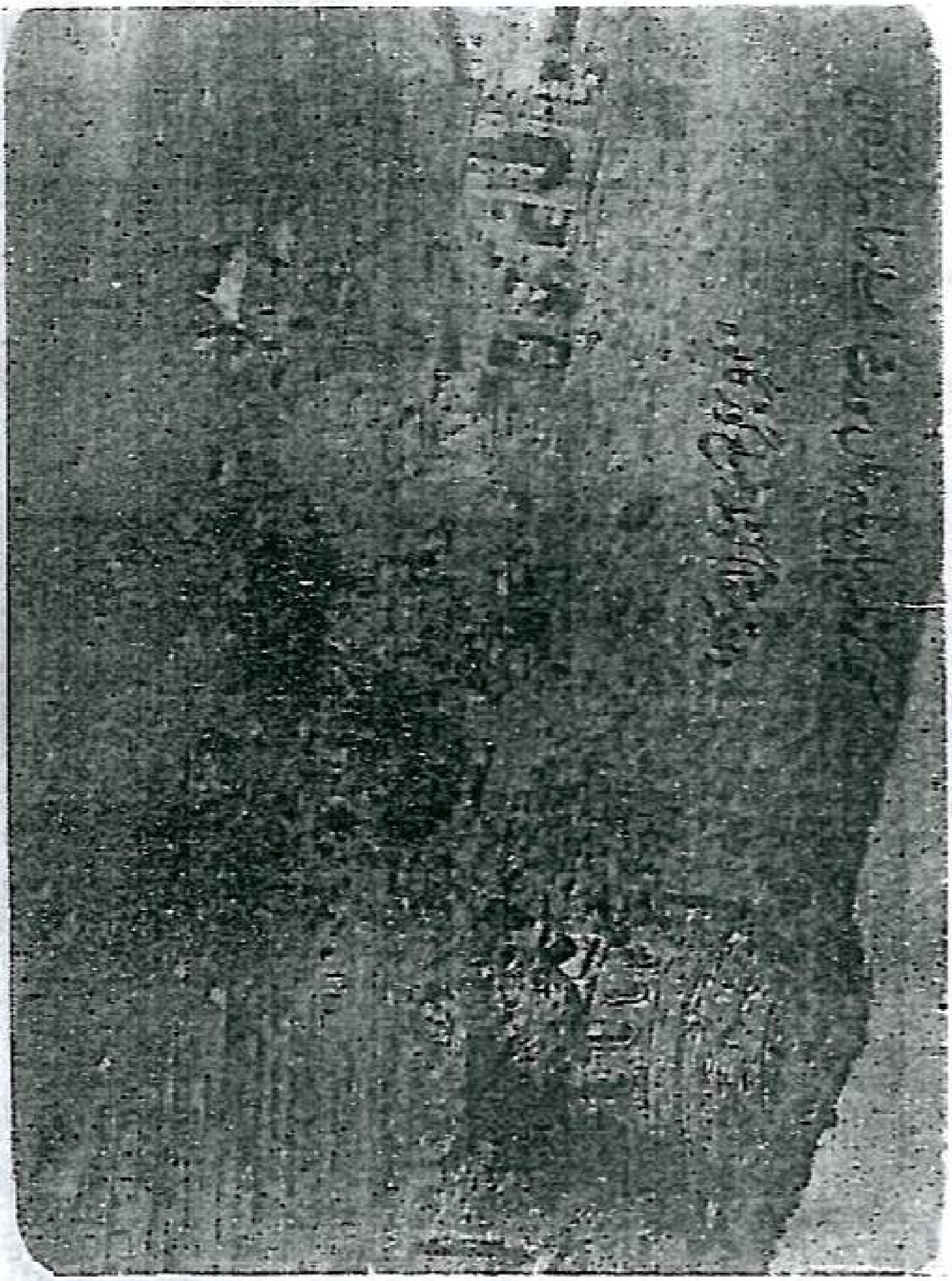
۸۔ **مبارک پور** یہ رام گڑھ کی تحصیل میں ہے۔ جو کہ رام گڑھ سے آٹھ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ خانزادوں کا گاؤں کل ریاست الور میں سب سے زیادہ خوش حال ہے پہلے یہ گاؤں پٹھانوں کا بتلایا جاتا ہے۔ مگر اب صدیوں سے اس پر خانزادوں کا قبضہ ہے۔

۹۔ **الور** یہاں کا قلعہ نکوم راجپوتوں نے بنایا تھا جو کہ الور کے پہلے حاکم تھے۔ اس حکمراں خاندان کی تباہی کا ذکر تاریخوں سے اور مقامی روایتوں سے اس طرح کیا جاتا ہے کہ

(ان میں آپس میں سخت مخالفت تھی۔ اور نکوم راجپوتوں کی بربادی کا دوسرا سبب آدمیوں کی قربانی تھا۔ جو کہ وہ روزمرہ کسی ذلیل یا کمین مرد یا عورت کو درگا دیوی کی نذر چڑھاتے تھے۔ چونکہ یہ آدمی کسی نیچ ذات کا ہوتا تھا اس نے ایک دن ایک بیوہ عورت ڈومنی کا لڑکا بھی اس دیوی پر چڑھا دیا گیا۔ اس کا بدلا لینے کے لئے ڈومنی نے کوٹلے کے خانزادہ سردار بہادر ناہر سے عرض کیا۔ کہ آپ الور کا قلعہ آسانی کے ساتھ فتح کر سکتے ہیں۔ یعنی جبکہ وہ دیوی کی پوجا میں مشغول ہوں۔ ان پر حملہ کر دیا جائے۔ کیونکہ اس وقت وہ اپنے ہتھیار کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ خانزادوں کی ایک فوجی پارٹی قلعہ کے نیچے انتظار میں پڑی رہی۔ ڈومنی نے عین ٹھیک وقت پر راکھ کا ٹوکرا پھینک کر سگنل دیدیا۔ اس وقت ایک کامیاب حملہ کیا گیا۔ اور وہ جگہ جہاں سے کہ راکھ پھینکی گئی تھی ڈومنی دلانتے کے نام سے پکاری جاتی ہے فقط)

ترجمہ اردو گزیٹیر الور انگریزی صفحہ ۱۶۸ لغایت ۲۷۶۔

165 pic



۲۰۔ خانزادوں کی تعمیر کردہ عمارات آباد کردہ محالات

۱۔ مساجد و چاہات

(۱) چودھری ہدایت خاں صاحب خانزادہ متوطن قصبہ تجارہ نے ایک بڑی خوبصورت مسجد تحصیل کے متصل سنہ ۱۲۳۱ھ میں بنوائی تھی۔ جس کی تعمیر کی تاریخ محمد یونس صاحب شعیبی سجادہ نشین خانقاہ تجارہ نے اس طرح تحریر فرمائی ہے ؎

کرد مسجد بنا ہدایت خاں — حق جزائش دہد خجستہ لیسر

شد مرتب چو روضۂ رضواں — ہست تعمیر آں بزینت و فر

گفت احمد۔ زمصدرِ فیوض — بود ماہِ صیام و سالِ غلر

اس تاریخ کے دو مادے ہیں۔ ایک مصدرِ فیوض۔ دوسرا غلر۔ ان دونوں سے الگ الگ مسجد کی تعمیر کا سالِ ہجری سنہ ۱۲۳۱ھ برآمد ہوتا ہے۔

۲۔ مسجد موضع مسیت

یہ موضع جس کو اب تھانہ عالم پور کہتے ہیں اور جو علاقہ تاوڑو تحصیل نوح میں ہے وہاں ایک بڑی مسجد عالم خاں خانزادہ کی بنوائی ہوئی موجود ہے یہ عالم خاں گورنر تجارہ کے مشہور و معروف معتمد افسروں میں سے تھا۔ جو کہ سکندر لودھی کے زمانہ میں ہوا ہے۔

۳۔ مسجد قطب خاں خانزادہ

یہ مسجد قصبہ سہنہ ضلع گوڑگانوہ میں بنی ہوئی ہے۔ جس میں ایک مقبرہ بھی موجود ہے۔

۴۔ مسجد کوٹلہ

یہ مسجد موضع کوٹلہ تحصیل نوح میں واقع ہے جو قلعہ کوٹلے کے پاس ہی بہادر ناہر خاں نے اپنے زمانہ میں بنوائی تھی۔ اس کی دیواروں کی چوڑائی بہت زیادہ رکھی گئی ہے اور اس پر پلستر کوڑیوں کا کیا گیا ہے۔ جو اتنا مضبوط ہے کہ آج تک نہیں اکھڑا ہے۔ یہ مسجد سہنہ کی جامع مسجد سے ملتی جلتی معلوم ہوتی ہے۔

۵۔ **عیدگاہ قصبہ سہنہ** تاریخ ضلع گوڑگانوہ میں لکھا ہے کہ یہ عیدگاہ قوم خانزادہ کے تسلط کے زمانہ میں انھوں نے بنوائی تھی۔ خانزادوں نے اس قصبہ کے اندر اور بھی بہت سی عمدہ عمدہ عمارات اور مسجدیں تعمیر کرائی تھیں۔ یہ عیدگاہ جانب شمال گوڑگانوہ کی طرف جانے والی سڑک پر واقع ہے۔

۶۔ **مسجد مبارکپور** یہ مسجد نواب حاجی خاں نے بنوائی تھی۔ جو معظم خاں بن بابر خاں کی اولاد میں تھا۔ اس نے امیر کے قلعہ کے ملبہ میں سے عمدہ عمدہ عمارتی سامان اور مصالح کو مبارک پور میں لاکر یہ خوبصورت مسجد بنوائی تھی۔ جو آج تک وہاں موجود ہے جس کے ایک کونے میں کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔

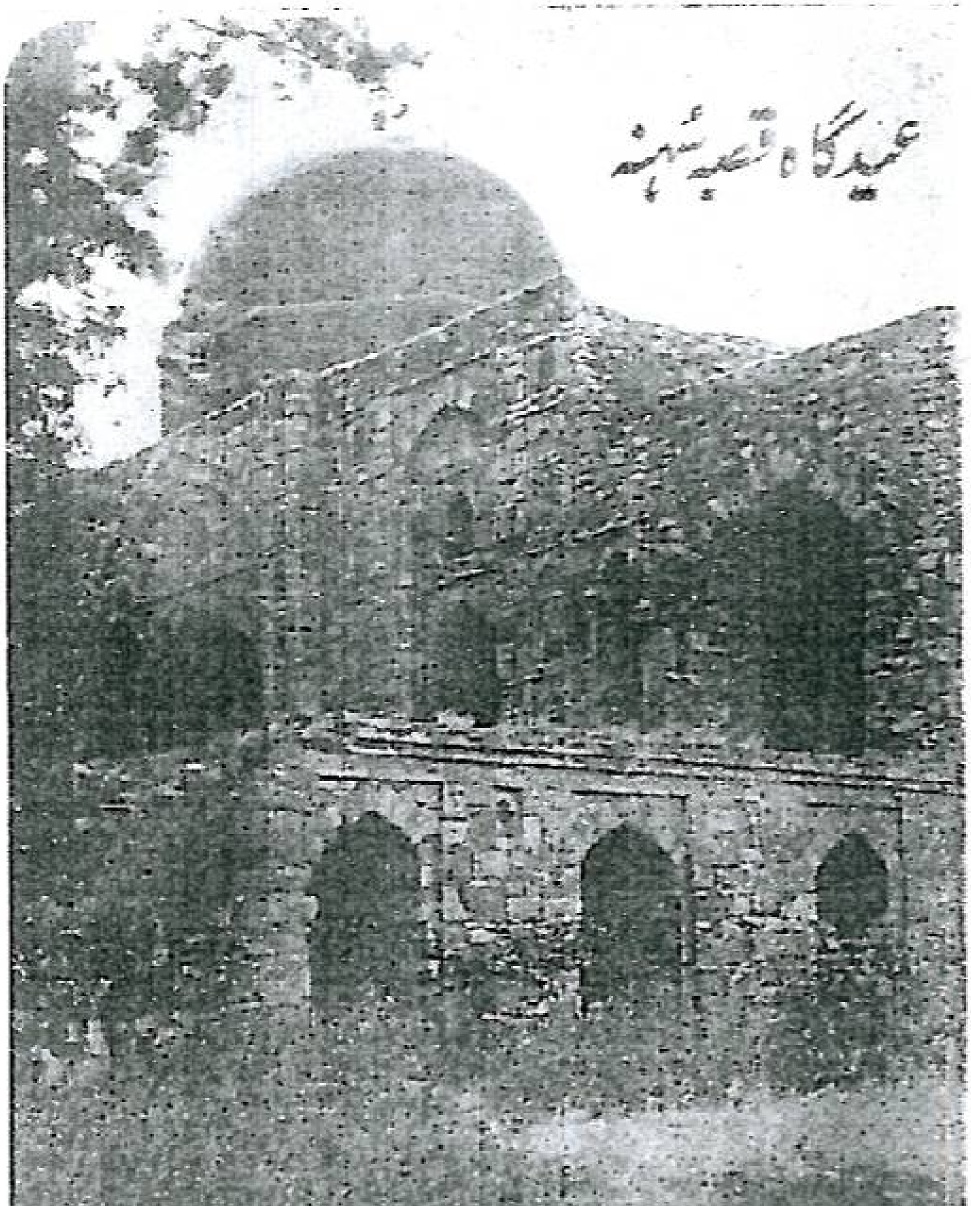
۷۔ **چاہ شاہ آباد** نواب سربلند خاں بن فتح خاں خانزادہ متوطن قصبہ شاہ آباد نے ایک بہت چوڑا اور پختہ کنواں ۱۱۷۹ھ میں بنوایا تھا۔ جس پر آب پاشی کے لئے چار لاؤ بہ یک وقت چلتی تھیں اور پانی کی کمی مطلق نہیں ہوتی تھی۔ اس کی تعمیر میں کہتے ہیں بڑا روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اس کا پانی بڑا شیریں اور مزہ دار ہے۔ حضرت شعیب صاحب نے اس کی تعمیر کی تاریخ تحریر فرمائی ہے۔

شعیب از دل بگو تاریخ ایں چاہِ زلال اکنوں
کہ ایزد کرد از ایں چاہ جاری آبِ شیریں تر
غلام ساقیِ کوثر بشو اے سربلند از جاں
کہ از لطفش بدستِ تو نمودہ چشمۂ کوثر

اس تاریخ میں نمودہ چشمۂ کوثر مادہ ہے جس سے ۱۱۷۹ھ برآمد ہوتا ہے اور مزا یہ ہے کہ تعمیر کنندہ کا نام بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

۸۔ **جامع مسجد قصبہ سہنہ** منشی الطاف حسین صاحب اپنی تاریخ ضلع گوڑگانوہ کے [illegible]ء میں لکھتے ہیں کہ قصبہ سہنہ دامن کوہ میوات میں واقع ہے۔ یہ قصبہ زمانہ قدیم کا ہے۔ پہلے اس پر راجپوتوں کا قبضہ تھا۔ اس کے بعد خانزادوں کا عمل دخل ہوا۔ خانزادوں کی حکومت کے زمانہ میں اس قصبہ کے اندر بہت عمدہ عمدہ عمارات پختہ اور مسجدیں تعمیر ہوئیں۔
چنانچہ اس جامع مسجد کی بابت صفحہ ۳۰ میں لکھتے ہیں کہ

167-Pic



(یہ مسجد منسوب بہ حضرت شاہ نجم الحق سے ہے۔ جو بندرعیاں آبادی کے شمال کی طرف
خود عزیز عمارت کی ہے۔ اور اس کے دالان در دالان سہ درجہ ہیں۔ ہر درجہ میں
نو نو دروازے ہیں۔ ہر دروازے میں ستون سنگ سرخ کے تین تین گز طول
کے اور سقف بھی بہ سنگ سرخ تین در تین ستونوں سے پٹی ہوئی۔
اور مختلف سورتیں کلام مجید کی اس کی محرابوں اور دروازوں پر کندہ ہیں۔ اور
وسط مسجد میں ایک چوک ۲۳ گز مربع ہے۔ جس کے صحن میں ایک گنبد ہے۔
اور اسمیں قبر نجم الحق صاحب موجود ہے۔ اور چپ و راست مسجد میں ایک
ایک سہ دری ہے اور دروازہ پر ایک بڑا گنبد بنا ہوا ہے جس کے ماتحت تین
کوٹھڑیاں اور سہ محلہ دالان اور ایک ترخانہ ہے۔ اور اس کے متعلق ایک
پختہ سرائے بھی ہے نجم الحق کی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ اس قصبے میں مقیم تھا۔ اور
اس نے صغر سنی میں انتقال کیا۔ بالائے دیوار خانقاہ پر یہ شعر کندہ ہے ؎

شاہ شاہان شاہ ست الحق

اسم او اعظم است نجم الحق۔

اس شعر میں مادہ تاریخ لفظ اعظم ہے جس سے ۱۰۱۱ھ برآمد ہوتے ہیں۔
غرض یہ مسجد خانزادوں نے اپنی مقامی حکومت کے زمانہ میں بنوائی تھی مسٹر
سی۔ اے ہیکیٹ صاحب بھی گزیٹیر الور انگریزی میں اس کی تائید فرماتے ہیں)

۹۔ **مسجد کپتان وسطے خاں صاحب الور** یہ مسجد شہر الور میں محلہ برج کیشوٹہ
تعمیر ہوئی ہے۔ اور کپتان مذکور نے بنوائی ہے۔ اور انہیں کے نام سے موسوم ہے۔

۱۰۔ **چاہ موضع سرہٹہ** یہ کنواں ناہر خاں خانزادہ کے زمانہ میں بنوایا گیا تھا
راجہ سورجمل والئی بھرت پور نے اس کوئیں کی بڑی
تعریف کی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اگر یہ کنواں کسی طرح یہاں سے چل سکتا تو میں اسے اکھڑوا کر
ضرور بھرت پور میں لے جاتا۔ در حقیقت اس کوئیں کا پانی نہایت شیریں۔ خوش ذائقہ
ہلکا۔ زود ہضم اور مزیدار ہے یہ کنواں اس گھاٹی پر واقع ہے جو تجارہ سے نگینہ کو
جاتی ہے۔

۱۱- **چاہ پختہ معہ سرائے قصبہ تاوڑو** نواب فیروز خاں شاہ آبادی نے قصبہ تاوڑو میں مسافروں کے آرام کے لئے ایک سرائے معہ چاہ پختہ اپنی نوابی کے زمانہ میں تعمیر کرائی۔ جس کے کھنڈر اب تک پائے جاتے ہیں قصبہ تاوڑو کا تھانہ اسی سرائے کے احاطہ میں موجود ہے جسے گڑھی بھی کہتے ہیں۔

۲- خانقاہیں اور مقبرہ جات

۱- **خانقاہ شاہ ولایت صاحب** = یہ خانقاہ قصبہ سوہنہ کے اندر ایک خانزادہ نے بنوائی تھی۔

۲- **مقبرہ ملک علاء الدین بن ناہر خاں** = یہ مقبرہ قصبہ تجارہ میں معہ گنبد تحصیل کے متصل ہی بنا ہوا ہے۔ جس کو خانزادگان تجارہ نے بنوایا تھا۔

۳- **مقبرہ لال خاں خانزادہ** = یہ بھی تجارہ میں مقبرہ ملک علاء الدین کے متصل ہی بنا ہوا ہے۔

۴- **مقبرہ حسن خاں خانزادہ** = کہتے ہیں نواب حسن خاں کی نعش میدانِ جنگ سے لاکر قصبہ تجارہ میں ایک نالے کے کنارے پر دفن کی گئی ہے بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے بھائی بندوں نے ان کو الور میں دفن کیا تھا۔ جس پر ایک بڑا گنبد بھی تعمیر کیا گیا ہے۔

۵- **تعمیرات بھنڈوسی پرگنہ تجارہ** = یہاں ایک باغ۔ ایک مسافر خانہ اور باغ کے اندر ایک مقبرہ اور ایک مسجد بڑی عالیشان خانزادوں نے بنوائی تھی۔ لیکن اب یہ تمام عمارات کھنڈرات بن چکی ہیں۔

۶- **مقبرہ حضرت شہاب خاں پیر** = یہ مقبرہ پہاڑی ریاست بھرت پور میں شہاب خاں بن ناہر خاں کا بنایا گیا ہے اس پر ایک گنبد بھی ہے۔ اس مزار کی زیارت کے واسطے دور دور سے خلقت آتی ہے۔ ... صاحب نے آپ کی شہادت کی یہ تاریخ لکھی ہے ؎

مزار شہاب خانِ شہید ۔۔۔ بے رسد اصبح و شام خلقِ خدا۔

جنت سال شہادت او شعیب — گفت از غیب ذوالجلال تما

اس میں مادہ تاریخ ذوالجلال ہے جس سے ۱۱۴۲ھ برآمد ہوتا ہے -

۷ - مقبرہ حضرت قادر شاہ صاحب = یہ مقبرہ نوح تھلہ پور و پرگنہ ... ریاست اندر ہے - اس کی زیارت کے واسطے دور دور سے خلقت آتی ہے - یہاں عرس کے موقع پر ہر سال بڑا بھاری میلہ بھی بھرتا ہے - بوجہ شجاعت و بہادری آپ کا لقب شور یا مشہور تھا -

۸ - مقبرہ معہ گنبد حضرت لاڈ خاں عرف لال شاہ صاحب = یہ مقبرہ قصبہ کوٹ قاسم ریاست جے پور میں ہے -

لاڈ خاں صاحب کوٹ قاسم کے خانزادوں میں تھے - یہ مقبرہ آبادی سے جانب شرق اس راستے پر بنا ہوا ہے جو تجارہ کو آتا ہے - مقبرہ پر ایک بڑا گنبد بھی ہے - گنبد کے پاس ہی لاڈ خاں صاحب کے تین فرزندوں کی قبریں بھی بنی ہوئی ہیں -

۳ - گنبدیں

۱ - گنبد موضع ہسیت = موضع مذکورہ میں جس کو اب تھانہ عالم پور بھی کہتے ہیں ایک بڑا گنبد عالم خاں خانزادہ کا بنوایا ہوا تھا جس کے کھنڈرات باقی رہ گئے ہیں -

۲ - تعمیرات موضع بھونڈسی ضلع گوڑگانوہ = جو سڑک نوح سے گوڑگانوہ کو جاتی ہے - اس کے کنارہ پر موضع بھونڈسی کے متصل پرانی مسجدیں - مقبرے - گنبد اور خانقاہیں بنی ہوئی آج تک موجود ہیں - یہ سب عمارات خانزادوں کی بنائی ہوئی ہیں -

۳ - گنبد نازی خاں بہادر = یہ گنبد قصبہ ... میں ... کا بنوایا ہوا ہے -

۴ - گنبد رائے زادی = یہ گنبد بھی ... کے ... خانزادوں نے بنوایا تھا -

۵ - گنبد تجارہ = یہ گنبد محبت خاں خانزادہ نے تجارہ قصبہ تجارہ میں جانب

شرقی بنوایا تھا جو اب تک موجود ہے ۔

۶ ۔ **گنبد خان خانان الور** ۔ شہر الور میں جانب جنوب کاغذیوں کے محلہ میں ایک بڑا گنبد موجود ہے ۔ جو خان خانان خانزادے کا بنوایا ہوا ہے ۔ یہ شیر شاہ بادشاہ کے زمانہ میں بنوایا گیا تھا ۔ اس کی عمارت پہلے بڑی شاندار تھی مگر اب قدرے شکستہ ہو گئی ہے ۔

۷ ۔ **گنبد ۔ مسجد ۔ محل و تالاب حسین خاں خانزادہ الور** ۔ جہانگیر بادشاہ کے زمانہ میں حسین خاں خانزادہ متوطن شہر الور نے جو کہ بادشاہی سرداروں میں شمار ہوتا تھا اپنے زمانہ میں ایک مسجد ۔ ایک محل ایک تالاب اور ایک بڑا گنبد بنوایا تھا یہ چاروں عمارتیں آج تک شہر الور میں حسین خاں کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہیں مسجد کی تعمیر کی تاریخ یہ ہے

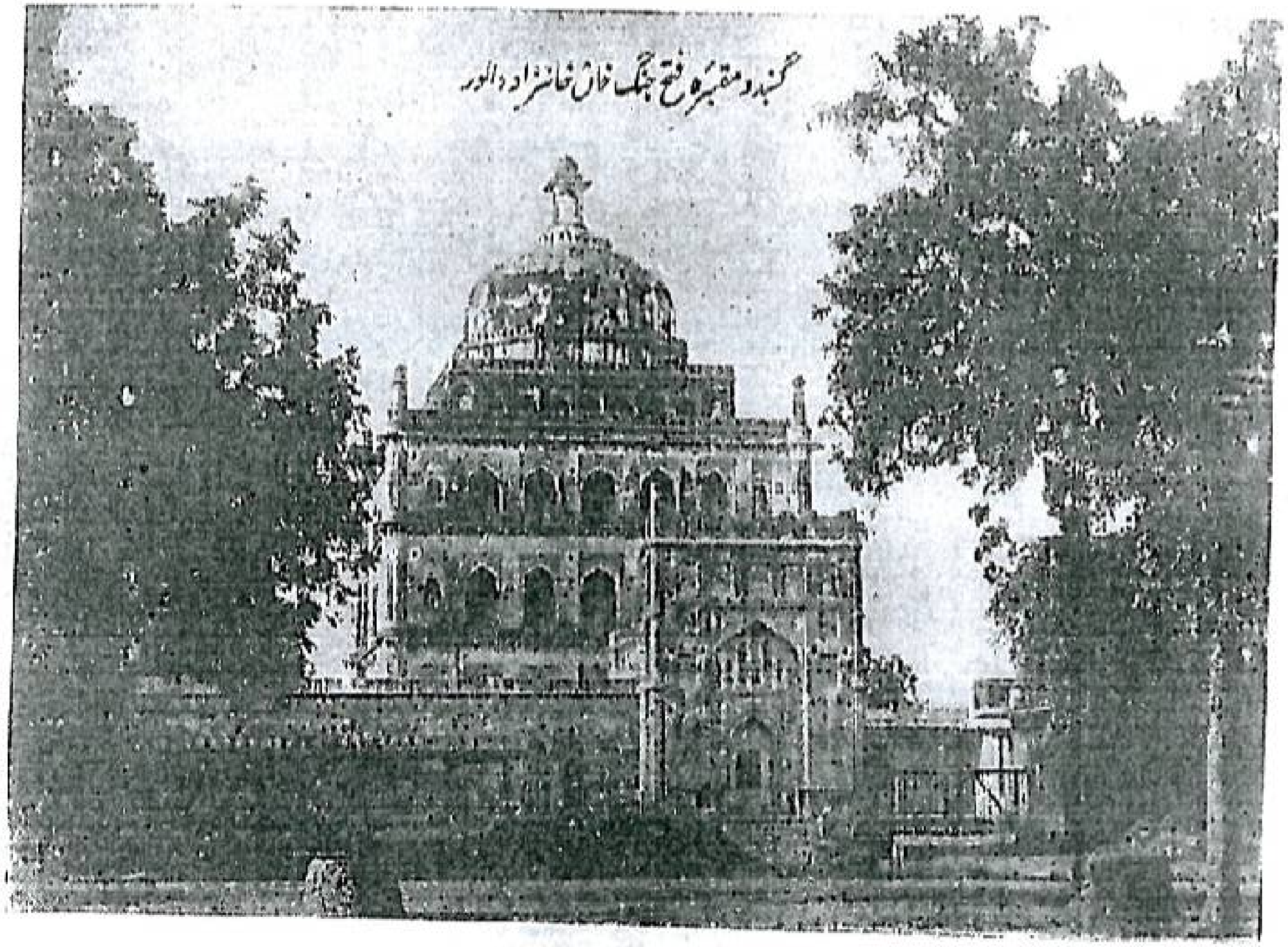
در دورِ بادشاہ جہانگیر نورِ دین ۔ گر ظلِ عدلِ اوست ہمہ خلق در امان
از بہرِ قربِ طاعتِ حق مسجدِ لطیف ۔ بر پا نمود بانیٔ او در چنیں مکاں
تاریخ سالِ او چو طلب کردم از خرد ۔ گفتا بناءِ مسجدِ نیکو حسین خاں ۔

اس میں مادہ تاریخ بناءِ مسجد نیکو حسین خاں ہے جس سے سن ۱۰۲۵ھ برآمد ہوتا ہے ۔ دہلی دروازے کے باہر ایک تالاب ہے اس تالاب کا نام آج تک حسین خاں کا تالاب لوگوں میں مشہور چلا آتا ہے ۔ اس تالاب کے کنارے پر ایک بڑا عالیشان اور خوشنما گنبد ہے ۔ جس کے اندر حسین خاں خانزادہ کا مقبرہ ہے ۔ اس کے رہنے کا جو محل تھا وہ اب سرکاری قبضہ میں ہے ۔ جس کے اندر ریاست کے ملازمین رہتے ہیں ۔

نوٹ) حکیم محمد عمر صاحب الوری اپنی فہرست مساجد شہر الور کے صفحہ ۶ پر ۔ حسین خاں خانزادہ کی مسجد کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ

(یہ دریبلیوں کی مسجد شہر کے اندر تواڑی کے کوئیں کے پاس واقع ہے جہانگیر کے وقت میں حسین خاں خانزادہ نے تعمیر کرائی تھی ۔ جس کی پیشانی پر ۱۰۲۵ھ کندہ ہے)

جہانگیری دور میں میوات کی طرف یہ حسین خاں خانزادوں کے گروہ میں ایک بڑا شخص خیال کیا جاتا تھا ۔ اس مسجد کے آس پاس جو پرانی قطع کے بعض مکانات اب تک نظر آتے ہیں غالباً اسی کی بود و باش کے ہوں ۔ دہلی دروازہ شہر سے باہر اس تالاب کے کنارہ پر جو حسن کے نام سے مشہور ہے ایک خوشنما گنبد واقع ہے کہتے ہیں وہ مقبرہ اسی حسین خاں خانزادہ کا ہے پیشانیٔ مسجد پر باہر کی طرف جو قطعہ کندہ ہے ۔ اس میں پہلا شعر بلا وجہ شیخ محمد محمد مرحوم ۔ مصنف مرقع الور نے قلم انداز کر دیا ۔ اور چونکہ مصرع تاریخی کے



گنبد و مقبرہ فتح جنگ خاں خانزادہ الور

عدد مستخرج ۱۰۲۳ھ ہوتے ہیں۔ اور تک تاریخ پر ۱۰۲۳ھ کا اندراج سے نہیں البتہ متعلم ہوتا ہے
کہ اس تاثر کا باعث پانی تنگ ترکیب یا اختصار زمانہ سے ہو کر کوئی سکتہ [illegible] سے
پیدا کردی ہے۔

حکیم موصوف نے اس بیان پر یہ نتیجہ نکالا ہے [illegible]
مکانات سب بنے سب شیخ محمد مخدوم صاحب نے [illegible] عمارت [illegible]
کے صفحہ ۲۶ میں [illegible] صاحب حسین خاں خانزادہ [illegible] ہوئے گئے
ہیں۔ لیکن افسوس ہیں حکیم صاحب نے ان کا ذکر نسخہ استغنا میں ضمیمہ [illegible] لکھا ہے جس سے مشتبہ
پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا یہ عمارات خانزادوں کی تعمیر کردہ ہیں یا نہیں۔ مثلاً (۱) [illegible]
کی مسجد۔ (۲) حسین خاں خانزادہ سردار خیال کیا جاتا تھا۔ (۳) آس پاس کے مکانات غالباً
اُنہی کی بود و باش کے ہوں۔ (۴) کہتے ہیں یہ مقبرہ اُسی حسین خاں کا ہے۔ (۵) یہ مسجد مسلمانوں
کی امداد سے چل رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

حکیم صاحب کی یہ تحریر اُن کے اندرونی جذبات کا پتہ دے رہی ہے۔ دوئم یہ کہ مصرع
تاریخی کے عدد مستخرج بجائے ۱۰۲۳ھ کے ۱۰۲۵ کنندہ ہیں۔ یہاں بھی حکیم صاحب نے غلطی کھائی
ہے۔ شاید صاحب موصوف نے بنا رہے کے لفظ کو یائے مجہول کے ساتھ پڑھا ہے حالانکہ اس کے
آخر میں حرف ہمزہ بالکسر ہے جو مسجد کا اضافت ہے اور صرف حرکت کا کام دیتا ہے۔ شیخ
محمد مخدوم صاحب نے الور کے قلعہ کا مادۂ تاریخ (بنائے خیر نہادند) جو لکھا ہے اس میں بھی ہمزہ کا
کوئی عدد انہوں نے نہیں لیا ہے صرف حرکت کی جگہ ہمزہ سے کام لیا ہے جس کے عدد ۹۲۸
نکلتے ہیں۔ اس قسم کی مثالیں بکثرت [illegible] فاحش [illegible] وغیرہ ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اعداد
۱۰۲۵ جو شعر کے مطابق کندہ کئے گئے ہیں بالکل درست ہیں۔ [illegible] حکیم موصوف نے شیخ محمد مخدوم
صاحب کو شعر چھوڑ دینے کا ملزم گردانتے ہیں ہمارے خیال میں یہ کوئی تاریخی غلطی نہیں ہے
صرف سہو کہا جا سکتا ہے یا عدم توجہ یا [illegible] وغیرہ اسباب ہو سکتے ہیں۔

۸۔ گنبد معہ مقبرہ نواب فیروز خاں متوطن شاہ آباد۔ نواب موصوف کی نعش دہلی سے شاہ آباد لائی
گئی تھی جس کو یہاں دفن کر کے اس پر مقبرہ بنایا گیا ہے۔ [illegible] مقبرہ پر ایک بڑا گنبد بھی تعمیر
کرایا گیا ہے۔ یہ گنبد [illegible]

میں عبارتیں بھی کندہ ہیں۔

۹۔ گنبد معہ مقبرہ سید محمد برکت اللہ صاحب نارنولی = یہ مقبرہ معہ گنبد عالم خاں بن اقلیم خاں خانزادہ نے اپنے پیر حاجی علیم الدین صاحب نارنولی کے حکم سے بنوایا تھا۔

۱۰۔ گنبد معہ مقبرہ راجہ جلال خاں واقعہ اندور = یہ گنبد معہ مقبرہ عین پہاڑ کے اوپر بنایا گیا ہے۔ اس کے پاس ہی ہاتھی خانہ اور گھڑسال اور پختہ تالاب بنے ہوئے ہیں۔ اس مقبرے کے پاس ہی چودہ پندرہ خانزادہ سرداروں کے اور بھی مقبرے بنے ہوئے ہیں۔

۱۱۔ گنبد معہ مقبرہ فتح جنگ خاں خانزادہ الور = یہ گنبد فتح جنگ خاں خانزادہ کا ہے جو کہ راجہ حسن خاں کے خاندان میں ہوا تھا۔ اس گنبد کو خواص خاں حاکم میوات کے زمانہ میں جمال خاں جاگیردار کے بھائی بندوں نے بنوایا تھا۔ یہ عالی شان گنبد معہ مقبرہ شہر کے مشرق کی طرف ریلوے لائن کے متصل رام گڑھ کی طرف آنے والی سڑک کے کنارہ پر بنایا گیا ہے۔ اس گنبد کی تعمیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ خانزادوں کو وسیع اور بلند عمارات بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اس مقبرے کی تمام عمارات ابھی تک بہت اچھی حالت میں بنی ہوئی موجود ہیں۔ جو کہ بڑی شاندار ہیں۔ اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ امید ہے اس عمارت کو دیکھکر ہر شخص خانزادوں کی ہمت اور حوصلے کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکیگا۔

اس عمارت کے ایک کونہ میں ایک سنگ سرخ جما ہوا ہے۔ اس سنگ سرخ پر ہندی خط میں یہ تحریر ہے۔

(سمت ۱۶۰۴ بکرمی۔ مطابق ۹۵۵ھ میں فتح جنگ خاں نے وفات پائی۔ تاریخ ۲۴ ماہ ربیع الآخر۔ گنبد بنوادیا۔ تاریخ ۳ لکھت تیوا)

واضح ہو کہ اس تاریخ میں جو سن تحریر ہے وہ ہجری ہے اور ہندی سمت جو ہے وہ بکرمی ہو

یہ گنبد بہت مرتفع اور عالیشان ہے۔ اس پر جابجا قرآن شریف کی آیتیں تحریر ہیں۔ اندر سے گنبد کی خوبصورتی اور زیبائش نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ باہر غلام گردش بھی نہایت اونچی اور شاندار ہے۔ یہ مقبرہ تین منزل اونچا ہے ہر ایک منزل ایک سے ایک بہتر اور برتر ہے

مقبرے کے اندر بڑا آبنوسی تعویذ ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاہی مقبرہ ہے ... ہیں
اس کے اوپر کے حصے پر دروازے ہیں۔ مقبرے کی جانب ایک مسجد بھی تعمیر ہوئی ہے۔ وہ عمارت
سے ویران پڑی ہوئی تھی۔ لیکن ... ہے ... کے اندر ...
کے اندر ... سے ... مسجد کی ...
... ہے۔ اور اب اس ... وقت نماز ہوتی ہے۔ ایک ... ہے ...
بھی مقبرہ ہے۔ ... ایک ... بھی اس مقبرے کے ... احاطے میں ... کی طرف ... گیا
تھا لیکن پھر مسلمانوں نے اسے وہاں سے الگ کرا دیا ہے۔

کہتے ہیں کسی وقت یہاں پھولوں کا ... مقبرے کے احاطے میں ایک باغ بھی جاری
رکھا تھا اور چاروں طرف بارگیں ... کے لئے بنائی تھیں۔ مگر اب وہاں سے وہ بھی
ہٹا لیا گیا ہے۔ اور تمام بارگیں اس وقت خالی پڑی ہیں۔ مقبرے کے اس دروازے کے
سامنے جو سڑک کی طرف واقع ہے۔ ایک مختصر سا باغیچہ بھی مسلمانوں نے حال ہی میں لگا
دیا ہے۔ جس سے اس عمارت کی خوبصورتی اور بھی دوبالا ہو گئی ہے۔

نوٹ:۔ ہمارے مہربان دوست شیخ ... صاحب فتح جنگ خان کے متعلق یہ
لکھتے ہیں کہ

(عوام کہتے ہیں کہ فتح جنگ خان افغان تھا اور خانزادے یہ کہتے ہیں کہ وہ منجملہ
خانزادگان تھا۔ لیکن یہ روایات بے اصل کسی تاریخ سے قابل اطمینان نہیں اور
نسب نامہ خانزادگان میں بھی کہیں اس کا نام نہیں)
دیکھو کتاب مرقع الور صفحہ ۷۴۔

شیخ صاحب نے اس بیان میں چار باتیں لکھی ہیں۔
(۱) عوام کے کہنے کے مطابق فتح جنگ خان افغان تھا۔ (۲) خانزادوں کے بیان
کے مطابق وہ خانزادہ تھا۔ (۳) تاریخ سے اس کا خانزادہ یا افغان ہونا ثابت نہیں ہوتا۔
(۴) خانزادوں کے نسب نامہ میں اس کا نام نہیں۔

اس بیان کے متعلق حسب ذیل تحقیقی ... قائم ہو سکتے ہیں۔
(۱) علاقہ الور خاص تحریرات کے مطابق ... کرنے کی ... میں ہرگز ثابت
نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ... جائے تو اس ... سے ... ہے اور

دونوں میں اس دعوے کی غلطی کھل جاتی ہے ۔ لیکن خانزادوں کے اس دعوے کو آج تک کوئی شخص غلط ثابت نہیں کر سکا ہے ۔

(۲) اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے ۔ کہ عوام اس کو افغان کہتے تھے ۔ بلکہ یہ بات صرف شیخ جی کے ذہن سے سوا کسی کتاب یا پوتھی وغیرہ میں درج نہیں ہے ۔ لہٰذا ان کی اکیلی رائے خانزادوں کی بہت سی رایوں کو کسی طرح بھی غلط ثابت نہیں کر سکتی ۔

(۳) شیخ جی کے بیان کے مطابق عوام تو اس کو افغان کہتے ہیں ۔ اور خانزادے اسکو خانزادہ بتلاتے ہیں ۔ گویا دعوے کرنے میں دونوں فریق برابر ہیں ۔ لیکن شیخ جی کے پاس وہ کونسا معیار ہے جس کی رو سے وہ ترجیح دیکر افغان ہونے کو صحیح مانتے ہیں لیکن خانزادہ ہونے کو غلط بتاتے ہیں ۔

(۴) شیخ جی کا یہ بیان بھی بالکل غلط ہے کہ تاریخ سے نہ وہ افغان ثابت ہوتا ہے اور نہ خانزادہ ہم کہتے ہیں تاریخ کی رو سے تو بیشک وہ افغان ثابت نہیں ہوتا کیونکہ شیخ جی نے بھی باوجود حمایتی بننے کے کوئی تاریخی ثبوت افغان بننے کا نہیں لکھا ۔ لیکن وہ خانزادہ تاریخ کے ذریعہ ضرور ثابت ہوتا ہے ۔ جس کا حوالہ یہ ہے ۔

منشی خداداد خاں صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ

(فتح جنگ خاں نواب حسن خاں والئی میوات کے خاندان میں تھا ۔ جس کا مقبرہ معہ گنبد اس کے بھائیوں نے الور میں بنایا تھا)

دیکھو تاریخ خانان میوات صفحہ ۶۶ ۔ تحریر کردہ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۲ھ ۔

(۵) اگر خانزادوں کے نسب نامہ میں اس کا نام نہیں ہے تو افغانوں کے نسب نامہ میں بھی ہرگز اس کا نام موجود نہیں ہے ۔

(۶) شیخ جی کی یہ عجیب منطق ہے کہ کسی شخص کے معمولی ذکر بھی بالفرض تو وہ جھٹ نسب نامہ اور تاریخوں کی ردی کرتے ہیں ۔ بالفرض ہم یہ کہیں کہ شیخ جی دراصل شیخ نہیں ہیں کیونکہ وہ تاریخوں یا شیخ نہیں لکھے ہوئے ہیں اور نہ شیخوں کے نسب نامہ میں نہیں انکا نام اور ذکر ہے تو ہمارا یہ اصول شیخ جی کے ہم خیالوں کو ضرور صحیح ماننا پڑیگا ۔

(۷) شیخ جی بھی عادت کے موافق خانزادوں کی نسبت گفتگو کرنے کے لئے اس کو خانزادہ نہیں مانتے ۔ جس کا حال ہم قومی مدافعت میں بھی پہلے ہی بخوبی لکھ چکے ہیں ۔ ورنہ اس کے خانزادہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے ۔

(۸) شیخ جی اس گنبد کی تعمیر کی بابت یہ لکھتے ہیں کہ

(سنگ تاریخ جو اس کے کونے میں نصب ہے۔ اس پر خط ہندی میں بعبارت ہندی بہ مطلب تحریر ہے (سمت ۱۷۰۲ بکری مطابق ۱۰۵۵ھ میں شیخ جنگ خاں نے وفات پائی۔ تاریخ ۲۹ ماہ ربیع الآخر۔ گنبد نیو دیئی۔ تاریخ ۲۰ لکھت تیجا)

دیکھو کتاب مرقع الوریٰ صفحہ ۱۴۸۔

یہ گنگا جمنی عبارت خاص خانزادوں کی ثابت ہوتی ہے۔ افغان لوگ ہندی حروف اور عبارت کو مطلق استعمال نہیں کرتے۔ چونکہ خانزادے نو مسلم ہیں۔ ان کے ہاں کچھ رسم ورواج بدستور ہندوانی چلے آتے ہیں اور کچھ اسلامی ہوگئے ہیں۔ اس لئے گنبد کی تعمیر کا سن ہندی حروف میں اور بکرمی سمت میں اور گنبد نیو دیئی تاریخ ۲۰ لکھت تیجا کی عبارت ہندوانی زبان میں ہونا تو ان کے ہندو زمانہ کی یادگار ہے اور سن ہجری اور عربی مہینہ نو مسلم ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ ہندی زبان اور ہندی حروف اور بکرمی سمت خاص طور پر یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ گنبد خانزادوں کا ہی بنوایا ہوا ہے کیونکہ کسی نئی تقریب وغیرہ کے موقعہ پر خانزادے لوگ اپنے پرانے زمانے کے راجپوتی رسم ورواج کے مطابق جو بہت سے آج تک بھی ان میں پائے جاتے ہیں برہمن یا جوتشی وغیرہ کو بلا کر شبھ لگن یا مہورت دکھلا کر کام کراتے ہیں۔ اس لئے ضرور اس گنبد کی نیو رکھتے وقت بھی کسی برہمن وغیرہ ہندو کو بلا کر مندرجہ بالا عبارت ہندی حروف اور ہندی زبان میں لکھوائی گئی ہے حتےٰ کہ عربی مہینہ اور سن ہجری بھی اسی ہندی حروف میں لکھا گیا ہے۔ لیکن افغانی عمارتوں پر ہی کیا منحصر ہے کل اسلامی عمارات پر کہیں بھی کوئی کتبہ یا تعمیر کی تاریخ وغیرہ ہندی حروف اور ہندی زبان میں اور سمت بکرمی میں آج تک تحریر شدہ نہیں دیکھی گئی۔

لہٰذا ایسے صحیح اور معتبر ثبوتوں کے مقابلہ میں بغیر کسی عقلی و نقلی ثبوت کے شیخ جی کی لایعنی کہانی اور وہ بھی اُن کی زبانی کیا حقیقت رکھ سکتی ہے۔

۱۲۔ گنبد موسوم بھر بھری واقعہ تجارہ :- اس گنبد کو نواب علاول خاں والئی میوات نے مرتضیٰ خاں کشمیر سے اپنی حکومت کے زمانہ میں بنوایا تھا۔ اس گنبد کے اندر علاول خاں کا اور اس کے باپ ننگر یا خاں کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ یہ گنبد نہایت شاندار ہے۔ عوام الناس اس کو بھو بھری کا گنبد بھی کہتے ہیں

لیکن لوگوں کا یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ اول وجہ یہ کہ راجہ بھرتھری کے گنبد میں مسلمانوں کے مقبرہ جات کس طرح بنائے گئے ہیں۔ اس میں ہندوؤں کی سمادھ ہونی چاہیں۔ دوئم یہ کہ راجہ بھرتھری راجہ بکرماجیت والئی اجین کا بھائی تھا جس کی حکومت کبھی میوات میں نہیں ہوئی۔ اور نہ اس کا آنا کبھی میوات میں ثابت ہوا۔ سوئم یہ کہ بکرماجیت کے زمانہ کو لمبا عرصہ گذر گیا۔ اس زمانہ کی عمارات کا آج تک بدستور قائم و موجود رہنا بعید از قیاس ہے۔ چہارم یہ کہ راجہ بھرتھری نے اپنی عورت مسماۃ سیتا کی بیوفائی اور رانی پنگلا کی موت سے جوگ اختیار کرکے اس گپھا میں جو چنار گڑھ کے قلعہ میں تھی ریاضت کرنے لگا تھا۔ اور پھر یہاں سے الگ حیدر آباد کے شہر سیہوان میں جا کر اپنی عمر پوری کر دی۔ دیکھو سیر تاج التواریخ صفحہ ۱۳۰۔

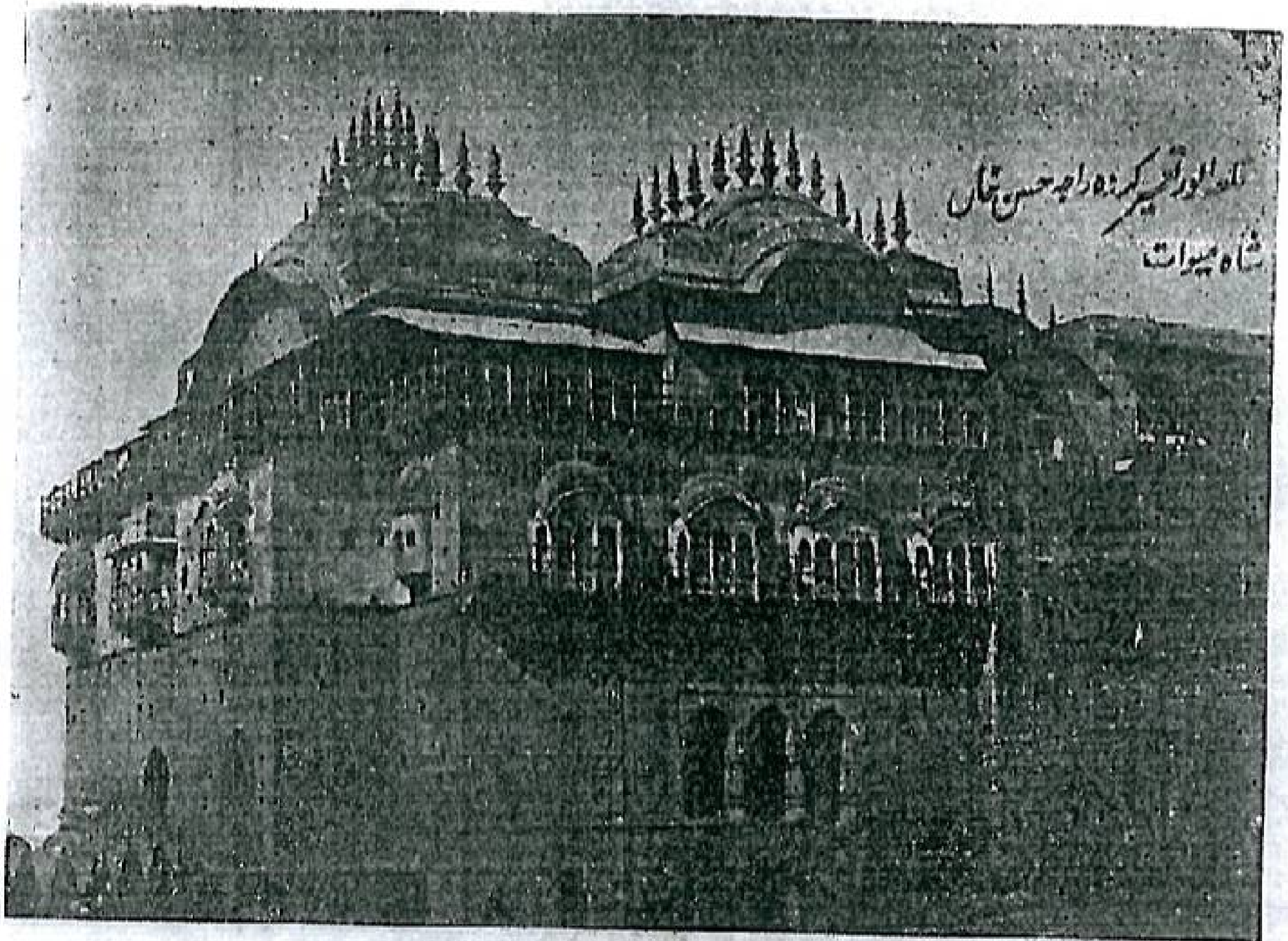
یہ روایت بھی بہت مشہور ہے کہ یہ بھرتھری راجہ بکرماجیت کا بھائی نہ تھا۔ بلکہ اس نام کا ایک فقیر تھا جو گنبد کی عمارت بننے میں مزدوری کیا کرتا تھا۔ لیکن مزدوری لیتا نہیں تھا۔ لوگوں نے مزدوری نہ لینے کی وجہ اس سے دریافت کی۔ تو اس نے کہا میرے مرشد کا یہی حکم ہے۔ کہ تا اختتام گنبد بغیر مزدوری لئے یہی کام کرتا رہوں۔ لوگوں نے اس کے اس ایثار اور قربانی پر اس گنبد کا نام ہی بھرتھری والا گنبد رکھ دیا۔

(نوٹ) منشی خداداد خاں صاحب عظیم آبادی بھی اس گنبد کو اپنی تاریخ خانانِ میوات کے صفحہ ۱۰۹ پر علاول خاں خانزادہ والئی میوات کا بنوایا ہوا لکھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ گنبد علاول خاں نے اپنے سرکاری رکن گیلا مہاجن ساکن تجارہ کی معرفت تیار کرایا تھا اسلئے اس کا ہندوانی نام ہے۔

۴۔ قلعہ جات

قلعہ ملک پور: عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں موضع ملک پور متصل باگھوڑ پرگنہ تجارہ میں اکرام خاں خانزادہ متوطن قصبہ تجارہ نے جو ملک علاء الدین بن تاہر خاں کی اولاد میں سے تھا ایک قلعہ اپنی حفاظت و سکونت کے لئے بنوایا جسمیں اس نے اپنی سپاہ رکھی۔ اسی قلعہ میں شیخ خلیل اللہ خاں حاکم تجارہ کو جو اورنگ زیب بادشاہ کی طرف سے وہاں مقرر تھا شکست دیکر اس سے نوبت و نقارہ اور نشان وغیرہ


قلعہ الور تعمیر کردہ راجہ حسن خاں
شاہ میوات

چھین کر یہاں سے نکال دیا تھا۔

(۳) **قلعہ گھساولی:-** پہلے یہاں نواب بازید خاں خانزادہ کا بنایا ہوا ایک خام قلعہ تھا اس کے بعد نواب ذوالفقار خاں خانزادہ نے جس کا لقب شمشیر برہنہ تھا اس قلعہ کو اپنی نوابی کے زمانہ میں نہایت مضبوط اور سنگین تعمیر کرایا تھا۔ اسی قلعہ میں بیٹھ کر اس نے مرہٹوں اور راجہ پرتاب سنگھ رئیس الور کا مقابلہ کیا تھا۔

۴۔ **قلعہ الور:-** یہ قلعہ نواب حسن خاں حاکم میوات نے اپنے باپ علاؤالدین عرف علاول خاں کے نام پر بنوایا تھا۔ یہ قلعہ الور کے قریب ہی پہاڑ پر واقع ہے۔ نکومبوں کے زمانہ میں پہلے یہاں صرف ایک پتھروں کا احاطہ بغیر چونے وغیرہ کے بنا ہوا تھا۔ جو انہوں نے شاہان دہلی کے خوف سے تعمیر کر لیا تھا۔ لیکن سمت ۱۴۹۱ بکرمی میں نکومبوں کو چوہان راجپوتوں کی ایک شاخ سے شکست دیکر اور قتل کر کے حسن خاں مذکور نے دوبارہ نئے سر سے نہایت مضبوط اور سنگین بنوایا تھا۔

جب حسن خاں بابر کے مقابلہ میں مارا گیا۔ تو مغلوں نے اس قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور جب سلطنت مغلیہ میں ضعف آگیا۔ تو سورج مل جاٹ رئیس بھرت پور نے اس قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور سورج مل جاٹ کی طرف سے قلعہ دار وغیرہ کو گیارہ ماہ تک تنخواہ نہ ملنے پر ۲۵ نومبر ۱۷۷۵ء مطابق منگسر سدی تیج سمت ۱۸۳۲ بکرمی کو انہوں نے بھی راجہ بختاور سنگھ رئیس الور کو دیدیا۔ چنانچہ آج تک راجہ مذکور کی اولاد کا اس قلعہ پر قبضہ ہے۔

محمد مخدوم صاحب اپنی کتاب مرقع الور کے صفحہ ۴۳ میں مقفی عبارت کے اندر اس قلعہ کا حال اس طرح لکھتے ہیں کہ

(حسن خاں خانزادہ دور اندیشی کو کام میں لایا اور کوہ الور پر ایک مستحکم قلعہ بنایا جو گڑھ سابق اس پر تھا۔ وہ استحکام نہ رکھتا تھا۔ اس سبب سے اسے دور کیا۔ و باغراض کثیر اس کی تیاری جدید کا منظور کیا۔ ۸۹۶ھ میں اس کی بنیاد ڈالی عمارت (بناء خیر نہادہ) سے تاریخ تعمیر اس کی نکالی۔ اس قلعہ کے چار دروازے رکھے۔ اور پندرہ برج شماری اور تین ہزار کنگروں سے ترتیب کی اس کی چار دیواری۔ اور تحریرات سابق سے یہ بھی تحریر مشہور ہے کہ صرف اس قلعہ کا آٹھ ہزار روپیہ زر کے صرف ہوا ہے۔ اٹھائیس ہاتھ چار دیواری اس کی بلند۔

جس کے اندر اچھی عمارت ہے راہ تنگ اور بلند۔ فصیل پر پیچ و فراخ ہے۔ زمین اس کی سنگ لاخ ہے۔ خندق اس قلعہ کی پہاڑ ہے اور حفاظت کو برجیں رکھی ہیں۔ اندر قلعہ کے کچھ مکانات بنائے ہیں۔ باؤلی اور چاہ اس میں تیار کر رکھے ہیں۔ اور سڑک پختہ بنا کر حد درجہ استحکام کیا۔ اور حکومت انگریزی نے قلعہ کا خوب ہی انتظام کیا)

دیکھو مرقع الور صفحہ ۳۴۴ ۔

مولوی ظفر الدین صاحب مخبر الزمان الور عہد میں محمد مخدوم صاحب کی عبارت پر اتنا اور اضافہ فرماتے ہیں کہ اس قلعہ کے اندر ایک شاہی محل ۔ چار کنڈ ۔ اور ایک تالاب بنا ہوا ہے مغربی سمت کی ڈھلوان جانب ایک اندھیری دروازہ ہے ۔ جو ایک طویل راستے کے ذریعے ضرورت کے لئے شہر کے قریب رکھا گیا ہے ۔ اور شہر پناہ کی پختہ چار دیواری اس قلعہ کے دروازے تک پہنچا دی ہے ۔

قلعہ کا دروازہ بہت نشیب میں ہے ۔ تقریباً سات سو سیڑھیاں چڑھنے کے بعد قلعہ کے دروازے تک پہنچتے ہیں ۔ اس قلعہ کی فصیل کو بالا قلعہ کہتے ہیں ۔

موجودہ زمانہ میں اس قلعہ کے دروازوں کے یہ نام ہیں ۔ سورج پول ۔ چاند پول ۔ لچھمن پول ۔ اندھیری ۔ یہ نام راجہ سورج مل والئی بھرت پور نے اپنے قبضے کے زمانہ میں حسن خاں کے سابقہ ناموں کو تبدیل کرکے رکھے تھے ۔

یہ قلعہ سطح سمندر سے اٹھارہ سو فٹ کی بلندی پر بنایا گیا ہے ۔

۴ ۔ قلعہ کوٹلہ ناہر خاں اس قلعہ کو بہادر ناہر خاں نے اپنی حفاظت اور سکونت کے لئے ابریز کوٹلے کے پہاڑ پر ۷۹۰ھ میں بنوایا تھا ۔

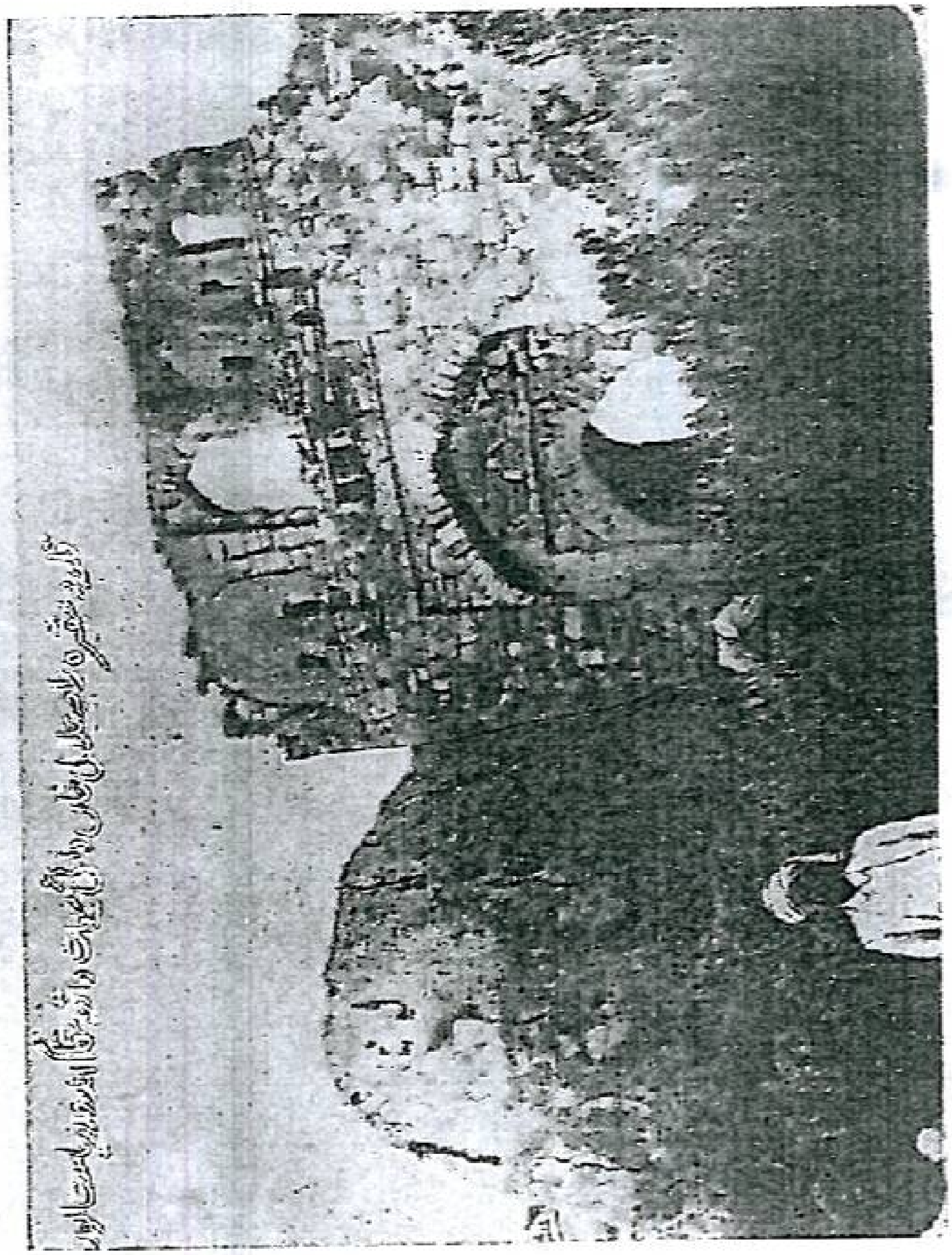
فرشتہ نے بھی اس قلعہ کا نام اپنی تاریخ میں کوٹلہ بہادر ناہر لکھا ہے ۔

مسٹر پی ۔ ڈبلیو ۔ پولیٹ صاحب انگریزی گزیٹیر الور میں تحریر فرماتے ہیں ۔ کہ تجارا کی پہاڑیاں خانزادوں کے زمانہ میں بہت مشہور تھیں ۔ جن پر ان خانزادہ سرداروں کے قلعہ اور مکانات بنے ہوئے تھے ۔ یہ پہاڑیاں اوپر سے اتنی چوڑی ہیں ۔ کہ ان کی چوٹی پر ایک سڑک ایسی نکالی گئی ہے جو کہ خانزادوں کے بنائے ہوئے ان بڑے بڑے قلعوں کو ملاتی ہے ۔ جو انہوں نے اندور اور کوٹلے کی پہاڑیوں میں بنائے ہوئے تھے ۔

نمبر قلعہ [illegible] یورش کے خانزادگان

واقعہ پہاڑ [illegible] ضلع گوڑگانوہ





۵ - قلعہ اندور - یہ قلعہ راجہ جلال خان حاکم میوات نے اپنے زمانہ میں نئے سرے سے بنوایا تھا جس میں وہ ہمیشہ سید مبارک شاہ بادشاہ دہلی سے مقابلہ کرتا تھا۔ جلال خان نے اس قلعہ کو مضبوط کر کے اندور کو اپنی راجدھانی بنایا۔ یہ قلعہ پہاڑ کے اوپر واقع ہے۔ اس قلعہ کے پاس چبوترہ بندرہ خانزادہ سرداروں کی قبریں بھی ہیں کہتے ہیں شروع میں یہ قلعہ اندور کے قلعہ کی طرح ایک کوٹ یا رہائشی صورت گھروں کا ذخیرہ تھا۔ جسے نکومبوں نے بنوایا تھا۔ انقلاب زمانہ سے یہ سب لوگ نیست و نابود ہو گئے۔ ان سے چھین کر خانزادوں نے اپنا قبضہ جمایا۔ خانزادوں کے بعد جاٹوں کے قبضے میں آیا۔ ان کے بعد مغلوں نے قبضہ کیا۔ اور خاندان مغلیہ میں سلطنت آنے سے راجہ بختاور سنگھ رئیس الور کے قبضے میں آیا جو آج تک اس کی اولاد کے پاس چلا آتا ہے۔

۶ - قلعہ گھرول - یہ قلعہ موضع سرہٹہ سے چار میل شمال کی طرف دمدمہ کے پاس قصبہ گھرول میں خانزادوں نے اپنے زمانہ میں تعمیر کیا تھا۔ اس قلعہ سے ایک سڑک قلعہ کوٹلہ بہادر ناہر کی طرف جاتی تھی۔ اور وہاں سے قلعہ اندور کو جاتی تھی۔ گویا اس سڑک کے ذریعہ یہ تینوں قلعے ملے ہوئے تھے۔ مگر آج کل قصبہ گھرول اور اس کے سب مکانات اور قلعہ وغیرہ کھنڈرات کی شکل میں پائے جاتے ہیں۔

۷ - قلعہ منڈھا - یہ منڈھا گاؤں سیدوں کا ہے جو پرگنہ کشن گڑھ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں ایک قلعہ نواب فیض اللہ خان خانزادہ متوطن قصبہ شاہ آباد نے اپنے زمانہ میں بنوایا تھا چونکہ منڈھے کے سیدوں نے نواب مذکور کے ساتھ ناطہ رشتہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وجہ سے نواب نے منڈھے کے سیدوں کی بیس حویلیاں برباد کر کے یہ قلعہ تعمیر کرایا تھا۔

۸ - قلعہ شاہ آباد - نواب فیروز خان نے شاہ آباد کو بسانے کے بعد اس میں ایک قلعہ پختہ بنوایا۔ اور اس میں اپنی سکونت کے لئے ایک عالیشان اور خوبصورت محل تعمیر کرایا جس کا نام خاص محل رکھا گیا تھا۔

۹ - قلعہ جھراوٹ - یہ قلعہ نصیر خان بن [illegible] خان یا تیمور خان خانزادہ کا بنوایا ہوا ہے۔ یہ [illegible] بہت پرانا قلعہ ہے۔ جو پنگواں سے فیروز پور جھرکہ کو جاتی ہے۔ اس کے پاس ہی جہاں نصیر خان کا مقبرہ ہے جس سے تمام مرغزار پاٹ نظر آتا ہے۔

یہ قلعہ ایک پہاڑی کے سرے پر بنوایا تھا۔ اب اس کے کھنڈر موجود ہیں

۱۰۔ **قلعہ بہروز ر**: اس قلعہ کو حسن خاں بن علاول خاں والئی میوات نے بہروز ریاست الور کے پہاڑ پر ایسی جگہ بنوایا تھا جہاں پر بہروز کے لئے آمدورفت کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ اور تین طرف پہاڑ ہے۔

۱۱۔ **قلعہ بجرنگ گڑھ**: نواب نذر بہادر خاں خانزادہ شاہ آباد نے مہاراجہ بے سنگھ کے زمانہ میں باغی اور سرکش لوگوں کی تنبیہ و تادیب اور علاقہ کے بندوبست کے لئے سمت ۱۸۶۲ بکرمی میں بنوایا تھا۔ اس کا لڑکا سردار خاں ایک عرصے تک اس قلعہ میں قلعدار رہا تھا۔

۱۲۔ **قلعہ کالونڈ**: اس قلعہ کو جہان خان بن نواب بایزید خاں گھساولی والے نے بنوایا تھا جو آج تک موجود ہے۔

۵۔ محالات آبادی

۱۔ **قصبہ بہادر پور ریاست الور**: اس قصبے کو بہادر خاں بن بہادر ناہر نے آباد کر کے اپنے نام پر اس کا نام بہادر پور رکھا اور وہاں اپنی سکونت اختیار کی۔

۲۔ **موضع ملک پور متصل باگھور پرگنہ تجارہ**: اس موضع کو عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں اکرام خاں خانزادہ متوطن قصبہ تجارہ نے جو چودھری الٰہی بخش خاں کا دادا تھا آباد کیا۔ اور وہاں ایک قلعہ بنا کر اس میں ایک محل اپنی سکونت کے لئے بنوایا۔

۳۔ **فیروز پور جھرکا**: فیروز خان بن بہادر خاں نے حاکم میوات بن کر اس قصبے کو بسایا تھا۔ اور اپنے نام پر اس کا نام فیروز پور رکھا۔ اس قصبے کے پاس بجلی پہاڑ سے پانی جھرتا ہے۔ اس وجہ سے اب اس کو فیروز پور جھرکا کہتے ہیں۔

۴۔ **قصبہ شاہ آباد پرگنہ تجارہ**: اس کو نواب فیروز خاں نے بسا کر جہاندار شاہ بادشاہ دہلی کے نام پر اور بقول بعض مورخ

شاہجہاں بادشاہ کے نام پر شاہ آباد نام رکھا۔ کیونکہ نواب کو حضور نے اسی بادشاہ سے خطاب خانی دیا تھا۔

پہلے اس جگہ پر ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ جسے سیہی کہتے تھے۔ نواب فیروز خاں نے اسے قصبے کی شکل میں آباد کر دیا۔ اور پختہ بازار بنوا دیا۔ اور اس کے اندر ایک قلعہ بھی تعمیر کرایا۔

۵۔ **شہر الور** ۔ سلطان بہلول لودھی نے جب میواتیوں کو سزا دینے کے لئے میوات پر فوج کشی کی۔ اور الور کی آبادی کو آگ لگا دی۔ اور ہر طرح سے لوٹ کھسوٹ کر اس شہر کو ویران کر دیا۔ مدت تک یہ شہر خراب حالت میں پڑا رہا۔ اس کے بعد جب احمد خاں خانزادہ حاکم میوات ہوا۔ تو اس نے فیروز پور جھرکہ کو چھوڑ کر الور کو اپنی راجدھانی بنایا۔ اور وہاں دہلی دروازہ کی جانب جہاں اب قصاب پورہ ہے اپنی سکونت کے لئے محل اور مکانات بنوائے۔ اس کے شوق کو دیکھ کر اس کے ماتحت سرداروں نے بھی عمدہ عمدہ مکانات اور حویلیاں تیار کرائیں۔ چنانچہ اس زمانہ کے مکانات آج تک موجود ہیں۔ احمد خاں کی آبادی سے شہر الور کی رونق بڑھ گئی۔ پھر اس کے بعد علاول خاں حاکم میوات نے اپنے زمانہ میں اپنے بیٹے حسن خاں کی معرفت قلعہ الور وغیرہ کو پختہ بنوایا۔ الور کی وجہ تسمیہ کے بارہ میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ اروَلی پہاڑ کے دامن میں واقع ہونے کی وجہ سے پہلے اس کو اروَل کہنے لگے۔ پھر کثرت استعمال سے بگڑ کر الور بن گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نواب حسن خاں نے اپنے باپ علاول خاں کے نام پر اس شہر کو نئے سرے سے بسانے کی وجہ سے علوَل نام رکھا۔ چونکہ یہاں کی زبان میں حرف رے کا بدل حرف لام سے ہو جاتا ہے جیسے پلول اور ہوڈل کو پرور اور ہوڈر بھی کہتے ہیں۔ پس اسی قاعدہ کے مطابق علوَل سے الور بن گیا۔ ابتدا میں اس شہر کو اریل بھی کہتے تھے۔

۶۔ **علاولپور** ۔ علاول خاں والئی میوات نے اپنے نام پر علاولپور نام کے دو موضع بسائے تھے۔ ایک الور کے پاس تھا جس کے اب کھنڈرات باقی ہیں دوسرا موضع تجارہ کے مشرق کی طرف بسایا تھا۔

۷۔ **گھرولی پرگنہ تجارہ** ۔ یہ قصبہ سرہٹہ سے چار میل شمال کی طرف موضع دندسہ کے پاس خانزادوں کا آباد کیا ہوا ہے۔ یہاں ایک پختہ قلعہ کو شہباز ناہر کو اور وہاں سے اندر ... تھی۔ آج کل یہ قصبہ گھرولی ... اس کے نام

مکانات وقلعہ وفصیل وسرائے وغیرہ بالکل کھنڈرات بن گئی ہیں۔

۸ - **قصبہ کوٹ قاسم** - اس قصبے کو قاسم خاں بن تیغ سلطان خاں بن حسن خاں بن نصیر خاں بن بہادر خاں بن ناہر خاں نے آباد کیا تھا۔ اور اس کے گرد ایک خام فصیل بھی بنوائی تھی جو کہیں کہیں اب تک بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس قصبے کا نام قاسم خاں کے نام پر کوٹ قاسم رکھا گیا ہے۔

۹ - **قصبہ ہنگواں پرگنہ فیروزپور جھرکا** - اس کو نور خاں بن قدو خاں بن فیروز خاں بن بہادر خاں بن ناہر خاں نے آباد کیا تھا۔ اس نے راجہ اسکرن رئیس چھپر کی کو شکست دیکر اور اس کے مکانات مسمار کر کے وہاں کا کل عمارتی سامان اٹھا کر کے ہنگواں آباد کیا تھا۔ آبادی کی بنیاد رکھتے وقت نور خاں مذکور کے ایک ملازم نے پان کا بیڑہ دیا تھا۔ اتفاقاً وہ پان زمین پر گر پڑا اور ٹکڑے ہو گیا جس جگہ پر یہ پان گر کر ٹکڑے ہوا تھا۔ نور خاں مذکور نے وہیں پر برچھی گاڑ دی اور بنیاد رکھدی۔ اور بطور نیک شگون کے اس کا نام پان گنواں رکھا گیا۔ بکثرت استعمال سے ہنگواں مشہور ہو گیا۔ دیکھو تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۵۲۔

۱۰ - **موضع جھمراوٹ پرگنہ فیروزپور جھرکا** - اس موضع کو نصیر خاں وحامد خاں پسران قدو خاں نے آباد کیا تھا۔ مگر نام رکھنے کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔

۱۱ - **گھاسیڑا عرف نگر** - اس قصبے کو نواب بازید خاں نے آباد کر کے اس کے گرد ایک خام فصیل بھی بنائی تھی۔ جو بعد میں نواب ذوالفقار خاں کے زمانہ میں پختہ بنوائی گئی۔

۱۲ - **کوٹلہ بہادر ناہر خاں** - اس محال کو دامن کوہ میں بہادر ناہر خاں نے آباد کیا تھا۔ اور اس کے پاس پہاڑ کے اوپر ایک پختہ قلعہ بنوایا جس کی وجہ سے اسے کوٹلہ بہادر ناہر کہتے ہیں۔

۱۳ - **کھیڑلی متصل ناولی پرگنہ فیروزپور جھرکا** - کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر خانزادوں کا ایک فوجی بڑا لشکر رہتا تھا جس میں علاوہ پیدل سپاہیوں کے پانچ ہزار سوار بھی ہر وقت تیار

رہتے تھے جو فوری تھے کے وقت کام آتے تھے ۔

۱۳ - نظام پور گورت [illegible] یہ بھی لکھے ہیں کہ نظام خاں خانزادہ کا کوئی بیٹا نہ ہوا تھا ۔ اس نے اپنے نام پر نظام پور

رکھا تھا ۔ یہ نظام خاں شہاب خاں بن ناہر خاں کی اولاد میں سے تھا ۔

بعض لوگ اس کو نظام الدین خاں کا بسایا ہوا کہتے ہیں جو بہادر خاں کی اولاد میں تھا ۔

۱۱- خانزادوں کی فوجی خدمات

اب میوات کی حکومت جاتے رہنے کے بعد خانزادوں نے اپنی معاش کے دو ذریعہ مقرر کئے تھے ۔ اول فوجی خدمات ۔ دوم جاگیرات ۔ جو ان کو شاہان دہلی کی طرف سے خاندانی ہونے کی وجہ سے عطا ہوئی تھیں ۔ لیکن چونکہ راجپوتوں کے قدیم دستور کے مطابق زراعت کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرنے میں یہ لوگ اپنی کسر شان سمجھتے تھے ۔ ٹاڈ صاحب بھی یہی لکھتے ہیں کہ

(راجپوتوں نے جاگیرات چھن جانے کے بعد مجبوراً ہل ہاتھ میں لیا ۔ کیونکہ وہ پہلے کھیتی باڑی کو اپنی حقارت کا باعث جانتے تھے ۔ مگر بیکار معاش کے خیال سے اور اوقات بسری کی فکر میں کاشتکاری کو ہی اپنا شغل بنایا ۔ ورنہ راجپوتوں کے اندر ہل جوتنے سے ان کی سات پشتوں تک کو داغ لگ جاتا ہے ۔ چونکہ ان کی رگ و پوست میں بزرگوں کا خون دوڑتا تھا ۔ اس لئے وہ زمین جوتنے کی حالت میں بھی بدن پر ہتھیار سجے رکھنا اپنا فخر جانتے تھے)

دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۳۴۳ ۔

شاید اسی باعث خانزادے لوگ بھی اپنی زمینوں کا انتظام کاشتکاروں اور مزارعوں کے ذریعہ سرانجام دیا کرتے تھے ۔ اور اپنے لئے صرف فوجی ملازمت کو ہی معاش کا واحد ذریعہ بنایا ہوا تھا ۔

بیشک اس زمانہ کے موافق یہی کام ان کے لئے موزوں تھا کیونکہ ایک ایسی قوم کے لئے جس کے خاندان میں کئی سو سال تک حکومت رہی ہو اور جو میدان جنگ میں اپنے فوجی کارناموں سے شاندار طریقہ پر نکلا ۔ ان کے شائق رہے ہوں ۔ ان کے لئے

یہ بات ناممکن تھی۔ کہ وہ کسی ایسے کام کو پسند کریں جس میں انہیں اپنی دلاوری اور بہادری دکھلانے کا موقعہ نہ مل سکتا ہو۔ اس لئے اپنی حکومت کے زمانہ سے لیکر گورنمنٹ انگریزی کے ابتدائی زمانہ تک بدستور ان لوگوں کا پیشہ فوجی خدمات ہی رہا ہے۔ اب اس گئے زمانہ میں بھی جنگ عظیم کے اندر خانزادوں نے فوجیوں کے اندر بھرتی ہو کر گورنمنٹ کی بہت قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔

مثال کے طور پر ہم ایک موضع مانڈی کھیڑہ کو پیش کرتے ہیں جس نے ایک سو نو آدمی جنگ میں بھرتی کرائے جن میں سے دس آدمی میدان جنگ میں ہی کام آ گئے۔

اسی طرح بہت سے چھوٹے چھوٹے مواضعات کو چھوڑ کر قصبہ تجارہ۔ شاہ آباد بھنڈوسی۔ مبارک پور۔ لسئی خانزادہ۔ پنگواں اور نوح وغیرہ سے بڑی کافی تعداد میں بھرتی ہوئی تھی۔

جنگ عظیم میں میوات کے خانزادوں نے اپنی جان نثاری اور وفاداری کا جو ثبوت باوجود قلیل التعداد ہونے کے پیش کیا ہے اس کی نظیر میوات کی دوسری قومیں پیش کرنے سے قطعاً عاجز ہیں۔ ہمارے اس دعوے کے لئے سب سے بڑے دو ثبوت پیش کئے جا سکتے ہیں۔۔۔ اول وہ وار میموریل (فوجی جھنڈے) ہیں جو گورنمنٹ انگریزی نے ازراہ قدردانی خانزادوں کی قومی اہمیت بڑھانے کے لئے اپنی طرف سے بمقام مانڈی کھیڑہ اور تجارہ تعمیر کئے ہیں۔ یہ وار میموریل صرف وہیں بنائے گئے ہیں جہاں کی فوجی خدمات نہایت قابل قدر اور شاندار ثابت ہوئی ہیں۔

دوسرا ثبوت ان انڈین فوجی افسروں کی تعداد ہے جو خانزادہ قوم میں سے بنائے گئے ہیں چنانچہ سپاہیوں اور نن کمیشنڈ افسروں کے علاوہ جو بہت بڑی تعداد میں ہیں پانچ صوبہ دار میجر۔ دو رسالدار میجر۔ پندرہ صوبیدار اور اٹھارہ جمعدار کل تعداد کے چالیس افسران مقرر ہوئے ہیں۔ افسروں کی اس تعداد کے ذریعہ یہ اندازہ بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ سپاہیوں اور نن کمیشنڈ افسروں کی تعداد کتنی زیادہ ہوگی۔ لیکن بدقسمتی سے جنگ عظیم کے بعد کچھ تو ہندوستانیوں کے گورنمنٹ پر زور ڈالنے کی وجہ سے اور کچھ جدید قسم کے آلات حرب کی ایجاد سے آج کل تمام فوجوں کے اندر بہت تخفیف کر دی گئی ہے۔ چنانچہ پہلے خانزادہ قوم کی بھرتی پانچ پلٹنوں کے اندر ہوتی تھی۔ لیکن اب

ہو گئیں اور پلٹنوں میں بھی قسمت آزمائی کا دروازہ کھلا تو رہ گئے صرف یہی باقی رہ گئی ہے ۔

یہ کتنے بڑے تعجب کی بات ہے کہ جو خانزادے میوات کے اندر اپنی سکونت رکھتے ہیں ان کو تو فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے ۔ لیکن جو خانزادے علاقہ میوات سے باہر صوبہ یو۔پی وغیرہ میں سکونت گزیں ہو گئے ہیں وہ اس فوجی بھرتی کے حق سے قطعاً محروم کر دئیے گئے ہیں ۔

گورنمنٹ کا یہ منطق ہماری سمجھ سے باہر ہے ۔ کیا صوبہ یو۔پی و صوبہ بہار وغیرہ میں جا کر یہ لوگ خانزادے نہیں رہتے ۔ یا ان کی سپہ گری بہادری اور جفاکشی جاتی رہتی ہے ہرگز نہیں ۔ پس ہم نہایت ادب سے گورنمنٹ ہند کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ صوبہ یو۔پی و بہار وغیرہ کے خانزادوں کے فوجی حقوق کو ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے ۔

اس فوجی کمی کی وجہ سے زیادہ نقصان ان ہی اقوام کو پہنچا ہے جن کی وجہ معاش زیادہ تر یہی فوجی خدمات تھیں ۔ لیکن خانزادوں کے لئے صوبہ جات بالا و پلٹنوں کے اندر بھی بھرتی ہونے کے لئے اغیار نے کچھ ایسی رکاوٹیں ڈال دی ہیں ۔ جن کی وجہ سے اس قوم کے آدمی بہت کم بھرتی ہونے لگے ہیں ۔ چنانچہ اس خرابی کو محسوس کر کے خانزادوں کا ایک وفد پانچ جون ۱۹۳۳ء کو ریکروٹنگ آفیسر صاحب دہلی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جس میں جامع اوراق ہذا بھی شامل تھا ۔ وفد مذکور نے حائل شدہ تمام رکاوٹوں کو اچھی طرح سے واضح طور پر صاحب موصوف کے گوش گذار کر دیا ہے ۔ اور صاحب موصوف نے بھی ازراہ ہمدردی ان رکاوٹوں کو دور کرنے کا پختہ وعدہ فرمایا ہے ۔ امید کی جاتی ہے کہ اب کافی بھرتی ہونے لگیگی ۔

فہرست انڈین فوجی افسران پلٹن ہائے انگریزی

۱ ۔ رسالدار میجر شہاب الدین خاں مرحوم فسٹ لانسرز راجپوتانہ

متوطن فیروزپور جھرکہ

قصبہ فیروزپور جھرکہ کے چودھری [illegible] کے مشہور خاندان سے ہیں ۔ [illegible] خاندان میں

چودھری ہدایت خاں صاحب نائب تحصیلدار پیدا ہوئے۔ آپ کے والد چودھری صدرالدین خاں نواب احمد بخش رئیس فیروزپور جھرکہ کے عہد میں ایک بڑے عہدہ پر مامور تھے۔ پھر انگریزی عہد میں بھی میونسپل کمشنر رہے۔

۲۔ رسالدار میجر رحیم خاں صاحب مرحوم سندھ ہارس متوطن قصبہ تجارہ ریاست الور

آپ چودھری امیر خاں صاحب کے فرزند ارجمند تھے۔ نہایت ہمت اور حوصلے کے آدمی تھے۔ آپ کے خاندان میں اکبر بادشاہ کے زمانہ سے عہدہ چودھر چلا آتا ہے۔ آپ کے والد چودھری امیر خاں صاحب نے شیخ محمد مخدوم صاحب سابق تحصیلدار تجارہ کو اس کی نازیبا حرکات پر بہت تنگ کیا تھا جس کی وجہ سے وہ رات کے وقت تجارہ سے چھوڑ کو گئے تھے۔ اسی بدمزگی کے سبب شیخ صاحب نے مرقع الور میں کل خانزادہ قوم کے برخلاف سخت زہر اگلا ہے۔ جس کا ذکر ہم نے قومی مدافعت میں مفصل لکھا ہے۔

۳۔ سردار بہادر کپتان رحیم خانصاحب اے۔ ڈی۔ سی۔ پلٹن نمبر ۱۰۷ پاؤنیرز متوطن تجارہ۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔ پہلے رسالہ میں ملازم ہوئے تھے۔ پھر وہاں سے پلٹن ۱۰۷ میں تبادلہ کرا لیا۔ آپ نے نہایت مستعدی اور وفادارانہ طریق پر اپنی سروس ختم کی۔ اور تمام انگریز افسروں کو اپنے طرز عمل سے ہمیشہ خوش رکھا۔ اسی وجہ سے نہایت دبدبہ اور رعب و داب کے ساتھ سروس کرتے رہے۔ ان کی زندگی کے واقعات اول سے آخر تک ایک خاص دلچسپی لئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ شرح و بسط کے ساتھ کسی خاص شخص کے حالات لکھنے کی کوئی قومی تاریخ متحمل نہیں ہو سکتی۔ مگر ایک ایسے شخص کے حالات جسنے قوم پر کوئی خاص احسان کیا ہو۔ اگر کچھ معمولی سے زیادہ جگہ کتاب میں روک لیں۔ تو کچھ تعجب بات نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی حالات سے چشم پوشی کرنا قومی گناہ ہے۔

تاہم موجودہ صورت کے حالات زندگی پر ان چھپایات سے جو آپ کو ملی ہیں۔ وہ ان انعامات تمغوں، خطابوں اور بعض معجزہ کی عطا کی ہے انسان کے محنتی اور بہادرانہ کارناموں سے جو انہوں نے اپنی سروس کے زمانہ میں سرانجام دیئے تھے پوری روشنی پڑتی ہے۔

درحقیقت وہ ایک بے مثل آدمی تھے۔ اقبال ایسا یاور تھا کہ انہوں نے آخر تک کبھی اپنی عمر میں نیچا نہیں دیکھا۔ وہ اخلاق حمیدہ کے نمونہ تھے۔ اور ان کی فرمانبرداری دیانت اور دیانتداری کی بدولت سپاہی سے عروج کر کے رسالدار میجر، کپتان اور اعلیٰ فوجی سروس تک پہنچے تھے۔ ان کا رویہ نہایت سادہ تھا۔ باوجود ایک بڑے آدمی ہونے کے وہ معمولی خانگی کاموں کو بھی اپنے ہاتھوں سرانجام دینے میں کوئی عار نہ سمجھتے تھے۔ چال چلن بے عیب تھا۔ نہایت متحمل اور بردبار تھے۔

خانزادوں کے اندر محکمہ ملٹری میں جو درجہ آپ نے حاصل کیا۔ وہ آج تک خانزادوں کے علاوہ کل میوات کے اندر کسی بھی قوم کے آدمی کو نصیب نہیں ہوا۔

خانزادہ قوم کے جوان پہلے پنجابی مسلمان کے نام سے بھرتی ہوا کرتے تھے۔ لیکن اسی شخص کی کوشش اور محنت کے طفیل اب علیحدہ قوم خانزادہ کے نام سے بھرتی ہوتے ہیں۔ یہ کارنامہ آپ کا ایسا ہے جس کا شکریہ ان کی قوم ہمیشہ ادا کرتی رہیگی۔

گورنمنٹ انگریزی نے عمدہ کارگزاری کے صلے میں آپ کو دو مربع منٹگمری کے ضلع میں عطا فرمائے تھے۔ لیکن فاصلہ طویل ہونے کی وجہ سے آپ نے مبلغ چھ سو روپیہ سالانہ نقد مربعوں کے عوض لینے منظور کر لئے۔ جو اب موضع بھونر ضلع گوڑگانوہ کی مالگزاری سے ادا ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۲ء کے موسم قحط میں تحصیل تجارہ کے گرد و نواح کے مواضعات کے میووں کو جبکہ وہاں کے مہاجنوں نے قرضہ دینے سے قطعی انکار کر دیا تھا آپ ہی نے تخمیناً ہزار روپیہ نقد کا غلہ خرید کر بطور قرضہ بلا سود تقسیم کیا تھا۔ لیکن جب دو سال تک اس قرضہ کی ادائیگی کی کوئی سبیل نہ نکلی۔ اور ادھر گورنمنٹ نے دبایا۔ تو نہایت سیر چشمی اور فراخ دلی سے وہ تمام قرضہ اپنے کل مقروضوں کو معاف کر دیا۔ میوات ہی نہیں بلکہ شاید ہندوستان بھر میں اپنی خوشی سے معافی قرضہ کی پہلی مثال ہے اس سے پہلے اتنی بڑی رقم کا قرضہ آج تک کسی قرضخواہ نے اپنے مقروضوں کو معاف نہیں کیا ہوگا۔

قصبہ تجارہ کے بازار میں کل دوکانوں کی تقریباً چوتھائی تعداد آپ ہی کی ملکیت میں ہے۔

افسوس آپ کی وفات دس ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ مطابق ۶؍اپریل ۱۹۳۳ء کو واقعہ ہوگئی۔ کل نفسٍ ذائقۃ الموت۔

اس وفات سے ان کے پس ماندگان کے علاوہ کل قوم کو بھی بڑا نقصان پہنچا ہے جس کی تلافی اب مشکل نظر آتی ہے۔

حافظ مجیب الدین صاحب سجادہ نشین خاندان شعیبہ قصبہ تجارہ نے آپ کی وفات کی متعدد تاریخیں نکالی ہیں۔ جن کے مادے حسب ذیل ہیں۔

(۱) بندہ غفار۔
۱۳۴۲ سنہ الہی فارسی

(۲) خضر منبش
۱۹۹۰ سنہ بکرمی

(۳) خلیل سیرت
۱۳۴۰ - فصلی

(۴) اشرف زماں۔ میجر محمد رحیم خاں
۱۹۳۳ - عیسوی

۵ - متوفی الوجوب ۱۰؍ ذی الحجہ
۱۳۵۱ - ہجری

صاحب موصوف نے ایک مادۂ تاریخ نظم میں بھی تحریر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے

میجر عبدالرحیم خاں صاحب
خانزادوں میں شہرۂ آفاق۔
عید قرباں کو ہو گئے واصل
سالِ رحلت ہے اخترِ اخلاق
۱۹۳۳ - عیسوی

اس میں مادۂ تاریخ اخترِ اخلاق ہے۔ جس سے ۱۹۳۳ برآمد ہوتے ہیں۔

۴ - صوبہ دار میجر عبدالغفور خاں صاحب پلٹن ۱/۱۰ بمبئی پاونیرز۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔ چونکہ ریاست الور میں رئیس کے حکم سے اردو۔ فارسی کی تعلیم موقوف کر دی گئی تھی۔ اس لئے تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ اپنے نانا کے ہاں موضع بسئی خانزادہ ضلع گوڑگانوہ میں آ گئے۔ اور مدرسہ فیروز پور جھرکا

سے اسٹرینڈل پاس کر کے فوج میں بھرتی ہو گئے۔ وہاں محنت، ایمانداری اور وفاداری سے کام کیا۔ اس وجہ سے میجری کے درجہ تک حاصل کر لیا۔

پلٹن کے اندر آپ کا رعب و داب مشہور رہا ہے۔ آپ کی زبان سے جو حکم ایک دفعہ نکل جاتا تھا۔ اس کی تعمیل ہر شخص کے لئے لازمی بات تھی۔

غرض بڑی نیک نامی اور خوش اسلوبی کے ساتھ آپ نے اپنی مدت ختم کی۔ عمدہ کارگزاری کے صلے میں آپ کو ضلع منٹگمری میں دو مربع ملے ہوئے ہیں جن کے ذریعہ معقول آمدنی ہوتی ہے۔ خدا کرے آپ عرصے تک زندہ رہیں اور قومی کاموں میں دلچسپی لیتے رہیں۔

---

۵ صوبیدار میجر نواب عباس خاں صاحب فورتھ بٹالین بمبئی گرینیڈیرز

آپ قصبہ شاہ آباد ریاست الور کے نوابوں کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد میں سے نواب فیروز خاں نے شاہجہاں بادشاہ دہلی کے زمانہ میں نوابی کا خطاب اور جاگیر حاصل کی تھی۔ آج کل آپ کے جملہ خاندان والوں کو بھی میوات میں نواب صاحب کے خطاب سے پکارتے ہیں جو شاہی خطاب نوابی اور جاگیر ملنے کا آپ کے بزرگوں کو عطا ہوا تھا۔ ان کی تفصیل ہم کوشش کے باوجود بار بار طلب کرنے کے بھی نہ پا سکے جس کا ہمیں سخت افسوس ہے۔

۶۔ صوبیدار میجر محمد ابراہیم خاں صاحب پنشن ۹ [illegible] انفنٹری

آپ قصبہ بہادرپور ریاست الور کے رہنے والے ہیں۔

۷۔ صوبہ دار میجر ہوشدار خاں صاحب۔ ایم۔ ایس۔ ایم۔ پلٹن ۲/۱

بمبئی پاونیرز

آپ قصبہ بہاڑی ریاست بھرت پور حال آباد قصبہ شاہ آباد ریاست الور کے ہیں۔ آپ کا خاندان شہاب خاں بن ناہر خاں سے تعلق رکھتا ہے۔ گورنمنٹ انگریزی سے نیک نامی کے ساتھ صوبہ داری کی پنشن حاصل کرنے کے بعد اب آپ ریاست کچھ علاقہ کاٹھیاواڑ کی فوج میں صوبیدار میجر ہیں۔ آپ قومی کاموں میں خوب دلچسپی لیتے ہیں۔

خوشی کی بات ہے۔ کہ آپ اسی نیک نامی اور عزت کے ساتھ ریاست کچھ میں بھی سروس کر رہے ہیں۔ نہایت خلیق اور ملنسار آدمی ہیں۔ آپ کے مزاج میں غرور اور تمکنت نام کو نہیں ہے۔ ہر ایک بچے اور بوڑھے سے نہایت اخلاق اور خوش طبعی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اسی لئے آپ کی سلامت روی ایک ضرب المثل بن گئی ہے۔ حال ہی میں پلٹن نمبر ۲ ریاست کچھ کے اندر آپ نے اپنے چند سپاہیوں کو ان کے جرموں کی پاداش سے بچایا ہے۔

آپ اپنی قومی تاریخ کے مطالعہ کا از حد شوق رکھتے ہیں۔ امید ہے جلد شائع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچیگی۔

۸۔ صوبہ دار بہادر خاں صاحب مرحوم پلٹن ۱۲۰۔ انفنٹری۔

آپ موضع مانڈی کھیڑہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے اپنی سروس کے زمانہ میں نہایت مستعدی اور جاں نثاری سے کام کیا۔ جنگ عظیم کے موقعہ پر آپ نے ایک کثیر تعداد میں سکروٹ بھرتی کرا کر گورنمنٹ کے ساتھ اپنی وفاداری کا پورا پورا ثبوت دیا۔

گورنمنٹ نے بھی از راہ قدر دانی ضلع منٹگمری میں دو مربع آپ کو مرحمت فرمائے۔ اگرچہ آپ معمولی تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن اپنی خداداد لیاقت کے سبب۔ شاعری میں کافی استعداد رکھتے تھے۔ اور فی البدیہہ شعر کہتے تھے۔ اکثر اپنا کہا ہوا کلام آپ مجھے سنانے

میں بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ اگرچہ مجھے شاعری سے چنداں واقفیت نہیں ہے۔ لیکن حروف دادِ سخن پر بہت محظوظ ہوتے تھے۔ واقعی ایک شاعر کے نزدیک اس کے کلام کی داد ملنا ہفت کشور کے خزانہ سے بڑھ کر ہے۔ بشرطیکہ وہ دادِ سخن اہلِ سخن کی جانب سے ہو

؎ صائب دو چیز می شکند قدر شعر را
تحسینِ ناشناس و سکوتِ سخن شناس

۹۔ صوبیدار محمد لیسین خاں صاحب پلٹن ۱۲۸ ۔ پائنیرز۔

آپ صوبیدار بہادر کپتان رحیم خاں صاحب کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں بڑے خوش اخلاق اور ملنسار آدمی ہیں۔ ہر ایک خورد و کلاں کے ساتھ بہت محبت اور تپاک سے پیش آتے ہیں۔ چال چلن نہایت نیک ہے۔ صوم و صلوٰۃ کے سخت پابند ہیں۔ سال حال میں ہی آپ حج بھی معہ قبیلے کے کر آئے ہیں۔ غرض آپ بلحاظ اخلاق ایک عمدہ نمونہ کہے جا سکتے ہیں۔ افسوس اس اخیر عمر میں آپ کو اپنے لختِ جگر محمد صدیق خاں صاحب جمعدار کی جوان موت نے سخت صدمہ پہنچایا ہے۔

۱۰۔ صوبیدار حشمت داد خاں صاحب مرحوم آئی۔ او۔ ایم پلٹن ۱۰۷ ۔ پائنیرز

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے تھے اور صوبیدار بہادر کپتان رحیم خاں صاحب کے لختِ جگر تھے۔ نہایت نڈر اور بہادر تھے۔ جنگِ عظیم کے اندر بمقام فرانس جرمن فوج کی گولہ باری سے مارے گئے تھے۔ حملے کے وقت اگرچہ آپ کے انگریز افسر زیادہ آگے بڑھنے سے آپ کو منع کرتے رہے۔ لیکن جوشِ مردانگی میں آپ سب سے آگے بڑھ گئے۔ اور باوجودیکہ گولوں کی بارش میں آپ کے تمام ہمراہی زمین پر لیٹ جاتے تھے۔ تاکہ دشمن کی زد سے بچ جائیں لیکن آپ اسی طرح برابر سینہ تانے ہوئے کھڑے رہتے تھے۔ اور حملہ کرتے تھے۔

انسدادی احکام کی پیروی [illegible] لیکن آپ بہت مستعد رہتے تھے۔ آپ کے ہمراہی کہتے ہیں کہ عین حالتِ جنگ میں بھی کبھی آپ نے نماز روزہ نہیں چھوڑا۔ [illegible] اور [illegible] لفٹننٹ [illegible] سے [illegible]

نے ملازمت ترک کی۔ آپ کی بیوی اور لڑکے کے نام علے الترتیب ساٹھ روپیہ اور تیس روپیہ ماہوار کی پنشن تاحین حیات امن بہادری کے صلے میں مقرر ہو گئی ہے۔

۱۱۔ صوبہ دار عبداللطیف خاں صاحب آئی۔ او۔ ایم پلٹن ۲/۴

بمبئی پاونیرز

آپ تجارہ کے رہنے والے اور رسالدار میجر رحیم خاں صاحب کے فرزند ارجمند ہیں۔ ایام ملازمت میں غیر اقوام کے ساتھ آپ کی رواداری زبان زد خاص و عام تھی۔ آپ چودھری امیر خاں صاحب کے پوتے ہیں جن کے خاندان میں اکبر بادشاہ کے زمانہ سے عہدۂ چودھر اب چلا آتا ہے۔

باوجودیکہ ریاست الور کے مدارس میں اردو فارسی کی تعلیم قطعی بند ہو چکی تھی۔ لیکن پھر بھی آپ کی علمی لیاقت بہت اچھی ہے۔ اور مطالعہ وسیع ہے۔

۱۲۔ صوبہ دار عبدالرحمن خاں صاحب آئی۔ ڈی۔ ایس۔ ایم پلٹن ۱/۲

بمبئی پاونیرز

آپ موضع لبنی خانزادہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے ہیں۔ نہایت خلیق اور متحمل مزاج واقع ہوئے ہیں۔ اور اپنے گرد و نواح کے علاقہ میں بالکل مشہور ہیں۔ سفید پوشی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری کے لئے کئی بار تحصیلدار صاحبان اور صاحبان ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع نے آپ کو آمادہ فرمایا۔ لیکن آپ ہمیشہ اس سے انکار فرماتے رہے۔ اور اپنے کاروبار زراعت کی دھن میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ حلقہ مردانہ کی ذیلداری خالی ہونے پر بھی آپ کو ان کے عزیز و اقارب اور یار دوستوں نے مجبور کیا تھا لیکن آپ نے دور اندیشانہ طریق پر یہ فرمایا۔ کہ موجودہ حالت میں ہم کو تحصیلدار صاحبان اپنے برابر کے درجہ کا سمجھتے ہیں۔ لیکن ذیلداری۔ سفید پوشی یا ممبری وغیرہ قبول کر لینے پر وہ ہم کو اپنا ماتحت سمجھ کر اس عزت کی نگاہ سے ہرگز نہیں دیکھیں گے۔ جس سے اب

آپ دیکھتے ہیں۔

گرد و نواح کے علاقہ کے لوگ اپنے جھگڑوں کے باہمی تصفیے کے لئے عموماً آپ ہی کو بلایا کرتے ہیں۔ اس بات سے آپ کے منصف مزاج اور صلح کل ہونے کا حال بخوبی روشن ہو جاتا ہے۔ افسوس آپ کے کوئی فرزند نرینہ نہیں۔

۱۳۔ صوبہ دار شاہ نواز خاں صاحب ۱۲۸/۱۔ پاؤنیرز

آپ قصبہ بہادر پور ریاست الور کے رہنے والے ہیں۔

۱۴۔ صوبہ دار حسن علی خاں صاحب فرنٹیر فورس انفنٹری۔

یہ صاحب بھی قصبہ بہادر پور ریاست الور کے رہنے والے ہیں۔

۱۵۔ صوبہ دار کریم داد خاں صاحب پلٹن ۱۰۹ بمبئی گرنیڈیرز

آپ بھی قصبہ بہادر پور ریاست الور کے ہیں۔

۱۶۔ صوبہ دار اسمٰعیل خاں صاحب فسٹ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ بھی بہادر پور کے رہنے والے ہیں۔

۱۷۔ صوبہ دار وزیر خاں صاحب ۴/۳ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ موضع بسنڈ وسی پرگنہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۱۸۔ صوبہ دار یعقوب خاں صاحب پلٹن ۱۰۸ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ موضع گوتوبی پرگنہ تجارہ کے ہیں۔

۱۹۔ صوبہ دار نذیر خاں صاحب ۱/۴ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ موضع ... منڈی پرگنہ رام گڑھ ریاست الور کے ہیں۔

۲۰۔ صوبیدار کالے خاں صاحب ۲/۴ بمبئی پاونیرز۔

آپ موضع جگن ہیری پرگنہ تجارہ کے ہیں۔ آج کل ریاست کچھ علاقہ کاٹھیاواڑ میں صوبیدار ہیں۔ انگریزی پلٹن سے پنشن حاصل کرکے ریاست میں گئے ہیں۔

۲۱۔ صوبیدار عبدالعزیز خاں صاحب ۲/۴ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۲۲۔ صوبیدار خلیل الرحمٰن خاں صاحب ۲/۴ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ قصبہ فیروزپور جھرکہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے ہیں۔ اور فیروزپور کے مشہور چودھری خاندان سے ہیں۔ آپ کے خاندان میں عہدہ چودھری نواب احمد بخش خاں رئیس فیروزپور کے عہد سے چلا آتا ہے۔ اور شہر کی میونسپل کمشنری بھی ان کے خاندان میں ایک عرصے تک رہی ہے۔ حال میں آپ ۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء سے ریاست الور میں ہے پلٹن کے اندر کپتان ایڈجوٹینٹ ہوکر گئے ہیں۔ جن کو خاص طور پر ریاست کی طرف سے پلٹن مذکورہ کے نظم و نسق کی درستی کے لئے آرڈر دیکر بلایا گیا ہے۔ آپ ابھی نوجوان ہیں امید ہے اچھی ترقی کریں گے۔ آپ قیمتی لباس پہننے کے بہت شوقین ہیں۔ اور انگلش فیشن کے بہت دلدادہ ہیں۔ آپ نے ہماری تاریخ ہذا کی تکمیل کے لئے جامع اوراق کو مسٹر پی۔ اے۔ بیکیت صاحب کی تصنیف کردہ کتاب گزیٹیر الور عطا فرما کر ہمیں ممنون احسان ہونے کا باعث ہوئے ہیں۔

۲۳۔ جمعدار محمد صدیق خاں صاحب ۱/۱۲۸ بمبئی پائنیرز۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے اور سردار بہادر کپتان رحیم خاں صاحب کے حقیقی بھتیجے اور صوبیدار صاحب محمد حسین خاں کے لخت جگر تھے۔ حال ہی میں آپکا انتقال ہوا ہے۔ آپ ایک عرصہ تک ایڈجوٹنٹ جمعدار رہے۔ لیکن پنشن میں جگہ خالی نہ ہونے کی وجہ سے صوبیداری نہ مل سکی۔ ابھی امید جاری تھی کہ زندگی میں سروس ختم ہو گئی

آپ بہت دبدبہ اور بہت دبدبہ کے آدمی تھے۔ انگریز افسران آپ سے بہت
خوش رہے اور ہر ایک امر میں آپ سے صلاح و مشورہ کا استفادہ حاصل کرتے رہے۔
آپ کی رائے ہمیشہ صائب اور دل نشین ہوتی تھی۔
آپ کو آخر عمر میں حرکت قلب کا عارضہ لاحق ہو گیا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ اور
آپ کے چھوٹے چھوٹے بچے سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔

۲۴۔ جمعدار عبد السبحان خان صاحب فسٹ بٹالین ہیرین دی کور آف ملٹی پاونیرز

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔ بحیثیت ریکروٹی زمانہ کے باقی تمام سروس بطور پہلے
سیکنڈ کلرک اور پھر ہیڈ کلرک دفتر رہے۔ چونکہ دفتر کا کام آپ کو پسند تھا اس وجہ سے
جب آپ کا نمبر صوبہ داری کا آیا۔ تو اس نے انکار کر دیا۔ اور تمام سروس جمعداری اور
ہیڈ کلرکی پر ختم کر دی۔ آپ بہت قابل اور دانشمند آدمی ہیں۔ افسران کی خوشنودی
کے اچھے اچھے سارٹیفکیٹ آپ کو ملے ہیں۔ قومی کاموں میں بھی آپ دلچسپی لیتے ہیں۔
پاونیرز پلٹنوں کے ٹوٹنے پر ڈیڑھ ہزار روپیہ جو خانزادہ قوم کا پلٹن میں جمع تھا وہ ایک
ناتجربہ کار شخص کی صلاح سے دوسری جگہ جا رہا تھا۔ لیکن یہ آپ ہی کی کوشش کا نتیجہ
تھا کہ وہ روپیہ حق بحقدار رسید کے مطابق خانزادوں کی قومی انجمن کو مارچ ۱۹۳۳ء
میں مل گیا ہے۔ پنشن حاصل کرنے کے بعد آج کل آپ چھاؤنی نوشہرہ میں میس کے
اندر ملازم ہیں۔

۲۵۔ جمعدار سلیمان خان صاحب ۱/۱۰۷ سکھ پاونیرز۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔ اور سردار بہادر کپتان رحیم خان صاحب
کے چھوٹے بھائی ہیں۔ پنشن حاصل کرنے کے بعد ایک پختہ مکان قصبہ تجارہ کے اندر آپ
نے بنوایا ہے [illegible] تجارت کی [illegible]
ایک [illegible] ہیں۔

۲۶- جمعدار احمد خاں صاحب ۱/۱۰۷ بمبئی پاونیرز۔

آپ موضع باندی کھیڑہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے اور صوبہ دار بہادر خاں صاحب کے فرزند اکبر ہیں۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد بلا رضامندی اپنے والد صاحب کے فوج میں بھرتی ہو گئے۔ آپ ایک ذہین، عاقل اور ہوشیار آدمی ہیں۔ قوت حافظہ بہت تیز ہے۔ کچھ عرصے فوج میں اسکول ماسٹر رہے پھر دفتر کے ہیڈ کلرک بن گئے۔ دفتری کام بہت ہوشیاری اور سلیقے سے کرتے رہے جس سے انگریز افسران آپ کی لیاقت کا لوہا مان گئے۔ قومی کاموں میں بھی آپ دل چسپی لیتے ہیں۔

پاونیرز پلٹن ٹوٹنے کے بعد آپ پنشن یاب ہو کر ریاست رام پور کی پلٹن فسٹ رضا انفنٹری میں ہیڈ کلرک رہے۔ ریاست رام پور کا کتب خانہ دکھلانے میں آپ نے جامع اوراق ہذا کی کافی مدد کی تھی جس کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں۔

اب رام پور سے آپ جبل پور ڈپو کے اندر محکمہ سپلائی میں ملازم ہیں۔

۲۷- جمعدار حلیم خاں صاحب ۱/۱۰۷ بمبئی پاونیرز۔

آپ بھی مانڈی کھیڑہ پرگنہ فیروز پور جھرکہ کے رہنے والے ہیں۔

۲۸- جمعدار نصر اللہ خاں صاحب ۱/۱۰۷ بمبئی پاونیرز۔

آپ موضع شگین بسیری پرگنہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۲۹- جمعدار کریم داد خاں صاحب ۱/۱۰۷ بمبئی پاونیرز۔

آپ قصبہ شاہ آباد ریاست الور کے رہنے والے ہیں۔

۳۰- جمعدار شور خاں صاحب ۱۰۲ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ بھی قصبہ شاہ آباد ریاست الور کے ہیں۔

۴۱۔ جمعدار نصر اللہ خاں صاحب ۱۰۱ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ قصبہ مبارک پور ریاست الور کے رہنے والے ہیں۔ قومی کاموں میں آپ بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ قومی انجمن کے گویا روح رواں ہیں۔ مبارک پور کے اندر جتنی قومی اصلاح حال میں ہوئی ہے اس میں آپ کا بھی ہاتھ بہت کچھ کام کرتا رہا ہے۔ آپکی محبت اور ملنساری قابلِ تقلید ہے۔

۴۲۔ جمعدار محمد عثمان خاں صاحب ۱۰۱ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ قصبہ مبارک پور ریاست الور کے رہنے والے ہیں۔ بڑے خلیق اور ملنسار ہیں۔ ایک دفعہ آپ سرحدی پٹھانوں کے نرغہ میں پھنس گئے تھے۔ جس سے بڑی مشکل سے جان بچی تھی۔ آپ کی پارٹی کے تمام جوان مارے گئے تھے۔ ماشاء اللہ ابھی آپ نوجوان ہیں امید ہے اچھی ترقی کریں گے۔ شہر لکھنؤ میں ۱۹۲۳ء کے اندر مجھے بھی آپ سے نیاز حاصل ہوا تھا۔ آپ نے مجھے شہر مذکور کی خوب سیر کرائی تھی۔ اور وہاں کے تمام مشہور مقامات دکھلائے تھے۔

۴۳۔ جمعدار سلطان صاحب ۱/۱۲۸ بمبئی پاونیرز متوطن بہروڑ ریاست الور

۴۴۔ جمعدار نہال خاں صاحب ۱/۱۲۸ بمبئی پاونیرز۔

آپ موضع سوراناس پرگنہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۴۵۔ جمعدار رحیم خاں صاحب ٹرانسپورٹ۔

آپ موضع محمد نگا پرگنہ کشن گڑھ کے رہنے والے ہیں۔

۳۶۔ جمعدار احمد خاں صاحب ۴/۲ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ بھی موضع ملحدیکا پرگنہ کشن گڑھ کے رہنے والے ہیں۔

۳۷۔ جمعدار محمد مراد خاں صاحب ۴/۱ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۳۸۔ جمعدار عبدالرحمٰن خاں صاحب ۴/۱ بمبئی گرنیڈیرز

آپ بھی قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۳۹۔ جمعدار اعظم خاں صاحب ۴/۲ بمبئی گرنیڈیرز۔

آپ موضع اندھے پور پرگنہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔

۴۰۔ جمعدار بہرام خاں صاحب ۲/۱ بمبئی پائنیرز

آپ موضع مانڈی کھیڑہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے ہیں۔

۳۔ فہرست انڈین فوجی افسران متعلقہ پلٹن ہائے ریاستی

خان بہادر کرنل فتح نصیب خاں صاحب کمانڈر انچیف

اے۔ ڈی۔ سی۔ مہاراجہ الور۔

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے تھے۔ حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ ۱۸۹۶ء میں بھرتی ہوئے۔ ۳۰ جون ۱۹۰۰ء میں بیرہ منگل انفنٹری میں ملازم ہوئے۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو نیر ... جمعدار اور ... راکتوبر ۱۹۰۵ء کو جمعدار ہوئے۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۱۲ء

کو جمعدار اور ۱۰ ستمبر ۱۹۱۲ء کو رسالدار ہوئے - ۱۲ اپریل ۱۹۱۳ء کو اکسٹرا اے
ڈی سی - اور ۲۲ جون ۱۹۱۴ء کو مستقل اے - ڈی - سی ہو گئے - ۱۲ اگست ۱۹۲۱ء
کو سکواڈرن کمانڈر - اور ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو کمانڈنگ آفیسر ہوئے - ۱۲ جنوری
۱۹۲۵ء کو خطاب خان بہادر گورنمنٹ انگریزی سے عطا ہوا - اور مہاراجہ کی طرف سے ایک
بیگہ زمین کی معافی ملی - پھر ۲ جنوری ۱۹۲۸ء کو سپاہی کمانڈر انچیف کا عہدہ ملا -
جس کے ماتحت ریاست کی کل فوجیں ہوتی ہیں - اور شکار خانہ کا کام بھی سپرد ہوا - پھر ۱۸
مارچ ۱۹۳۰ء کو بمقام اجمیر میڈل خاں بہادری معہ سند عطا ہوا - اور ۲۰ فروری ۱۹۳۱ء
کو بروز عید الفطر ریاست کی طرف سے تعظیمی درجہ عطا ہوا - یہ درجہ خاص خاص آدمیوں
کو ہی عطا ہوتا ہے - پھر ۱۵ جون ۱۹۳۱ء کو نمبر معافی معہ موضع موٹریا کا بموقعہ سالگرہ
ملک معظم بمقام آبو عنایت ہوا - اور حاکم شکار گاہ مقرر ہوئے - پھر ۱۲ دسمبر ۱۹۳۱ء
کو خطاب ممتاز خاص معہ سند عطا ہوا - اور ممبر کونسل مقرر ہوئے - اور ۲۳ دسمبر ۱۹۳۳ء
کو آپ نے وفات پائی - آپ نے چھ لڑکے وارث جائداد چھوڑے - بڑے صاحبزادے
عبدالحمید خاں صاحب پلٹن میں صوبہ دار ہیں - باقی تعلیم حاصل کر رہے ہیں -

کہتے ہیں آپ ہمیشہ مہاراجہ جے سنگھ سوائی کی ناک کا بال بنے رہے - اور
ہر ایک صحبت میں ان کے ہم جلیس و ہم قرین پائے جاتے تھے - ریاست بھر میں یہ بات
مشہور ہو گئی تھی - کہ جو ناممکن کام بھی کسی شخص کو مہاراجہ مذکور سے لینا ہو - وہ کرنل مذکور
کی قدم بوسی سے فوراً ممکن ہو سکتا ہے -

چونکہ مہاراجہ کو کرنل مذکور پر بہت اعتبار تھا - اسی اعتبار کے بھروسے پر مہاراجہ
نے ۱۹۳۲ء کی شورش کو دفعہ کرانے کے لئے جو کل ریاست کی طرف سے عموماً اور مسلمانوں
کی طرف سے خصوصاً بتلائی جاتی تھی کرنل مذکور پر زور دیکر فرمایا کہ آپ مسلمانوں کو سمجھا
کر خاموش کریں - تاکہ وہ شور و شر سے باز آ جائیں - لیکن کرنل مذکور نے اس موقعہ پر اپنی
خود داری کا پورا پورا ثبوت دیا - اور مہاراجگی کی مطلق پرواہ نہ کرتے ہوئے صاف الفاظ
میں انکار کر دیا - اور عرض کیا - کہ یہ شورش مذہبی ہے - اور اس حکم کی بجا آوری میں میرے
مذہب کی توہین ہوتی ہے اس لئے مجھے معاف فرمایا جاوے - البتہ میری ذات خاص
کے ساتھ آپ کے جو تعلقات ہیں - ان کے لئے میں دل و جان سے حاضر ہوں - جتنے

کہ یہ میری جان بھی آپ پر قربان ہونے کے لئے موجود ہے۔ لیکن مذہبی توہین کے لئے میں تیار نہیں ہوں۔ کہتے ہیں اسی روز سے دلوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور اسی اختلاف کے اندر آپ دنیا سے چل بسے۔

۲۔ کمانڈنگ آفیسر کپتان دوسے خاں صاحب خاص پلٹن و ممبر کونسل ریاست الور۔

آپ قدیم باشندے موضع ٹائیں تحصیل نوح ضلع گوڑگانوہ کے تھے لیکن بعد میں شہر الور میں بھی سکونت اختیار فرمائی تھی۔ آپ بڑے رعب و داب کے آدمی تھے۔ مہاراجہ منگل سنگھ کے خاص دوستوں میں تھے مسٹر پی۔ اے ہیکٹ صاحب گزیٹیر الور میں لکھتے ہیں۔ کہ خانزادوں میں جن لوگوں نے اپنی خاندانی روایتوں کو نہیں چھوڑا ہے وہ اب تک بھی فوجی ملازمت کے شائق ہیں۔ اور برطانیہ کی فوجوں کے علاوہ ریاست الور میں بھی بہت سے ملازم ہیں۔ جن میں سے ایک دوسے خاں بھی ہے۔ جو کہ خاص پلٹن کا کمانڈنگ آفیسر ہے۔ اور وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ اور دربار میں معزز عہدے کا حقدار بھی ہے۔

۳۔ کمانڈنگ آفیسر میجر داؤد خاں صاحب رجمنٹ فرسٹ لانسرز

آپ کپتان دوسے خاں صاحب کے فرزند ارجمند ہیں۔ اپنی ہمت اور لیاقت خدا داد کی بدولت کمانڈنگ آفیسر بن گئے۔ موضع مہاراج پورہ متصل شاہ آباد آپ کا یا آپ کے والد صاحب کا زر خرید موضع ہے۔ جو اب تک آپ کے خاندان میں موجود ہے۔ کہتے ہیں ابتدا میں آپ اپنی قوم کے جوانوں کو بڑی رغبت سے بھرتی فرماتے تھے۔ اور ہر طرح پر ان کی دلجوئی کرتے رہتے تھے۔ لیکن افسوس ان نوجوانوں نے کسی خاص وجہ سے جس کا ہمیں علم نہیں ہے آپکی وہ قدر نہیں کی۔ جس کے آپ مستحق تھے۔ اسی وجہ سے آپ کا دل قوم کے جوانوں کی طرف سے قدرے سرد پڑ گیا تھا۔

آپ کا رعب و داب رسالہ میں مشہور تھا۔ رسالہ کی باڑ گوں کے سامنے سایہ نہ

ہونے سے گریجوایٹ اور مذہبی بہت سے ... تھی۔ آپ نے ... جیسا جہوں کے ذریعہ کل پارگین کے سامنے درخت لگوائے۔ ان سے ... کا بہت آرام ہو گیا ہے۔
آپ کی تاریخ وفات حافظ نیاز الدین صاحب سجادہ نشین ... نے ... لکھی ہے جس کا اقتباس ہم یہاں پر درج کرتے ہیں۔

۱ - حامی دین - حافظ قرآن -	عابد باطن تھے پاک ظاہر -
۲ - تھا بھروسہ ... کو -	ان کی خدمت پہ تھی جس کی نظر -
۳ - جتنے حکام تھے ریاست میں	سب کے مشکور ان کی تھی خاطر -
۴ - ایسی باعث تمام الفت میں	ہر صغیر و کبیر پہ تھا اثر -
۵ - ... مجموعہ تھے تمام محاسن ہی	ان کی سطوت سے سب کے جلتے جگر -
۶ - خانزادوں ہی پر نہیں موقوف	اہل اسلام کو تھا فخر ان پر -
۷ - مرد ایسا جو چھن گیا ہم سے	... تھا با - یہ آگیا لب پر -
۸ - آہ بھی سر کھلے پھرے گی اب -	لکھ یہ تاریخ - غلبۂ کافر - ۱۳۳۸ ہجری

اس میں مادہ تاریخ - غلبۂ کافر - جس سے ۱۳۳۸ ہجری سن برآمد ہوتا ہے۔

۴ - کپتان داؤد خاں صاحب خاص پلٹن الور -

آپ قصبہ فیروز پور جھرکہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے تھے۔ انتقال ہو چکا ہے۔

۵ - کپتان گھاسی خاں صاحب رسالہ جودھپور سٹیٹ -

آپ موضع خلیل پور متصل الور کے رہنے والے تھے اب انتقال ہو گیا ہے -

۶ - کپتان نجف خاں صاحب پلٹن جودھپور سٹیٹ -

آپ جواہر خاں کے بیٹے شہر الور کے رہنے والے تھے - مہاراجہ جودھپور نے آپ کی حسن کارگزاری کی بدولت ایک پختہ حویلی ... کے ... پر آپ کی سکونت کے لئے دے رکھی تھی -

۷۔ رسالدار میجر خلیل احمد خاں صاحب رجمنٹ فرسٹ لانسرز الور۔

آپ کپتان و ولے خاں صاحب کے چھوٹے لڑکے ہیں۔

۸۔ صوبیدار عبدالحمید خاں صاحب پرتاپ پلٹن الور۔

آپ کرنل شیخ نصیب خاں صاحب مرحوم متوطن شہر الور کے صاحب زادے ہیں آپ کے چھوٹے بھائی عبدالوحید خاں صاحب نے راقم تاریخ ہذا کو مشاہیر خانزادگان کے فوٹو حاصل کرنے میں خاص طور پر مدد فرمائی۔ جس کے لئے ہم انکے بہت ممنون ہیں

۹۔ صوبیدار محمد عثمان خاں صاحب جے پلٹن

آپ قصبہ تجارہ کے رہنے والے ہیں۔ اور اچھے کارکن ہیں۔

۱۰۔ عبدالمجید خاں صاحب لفٹننٹ جے پلٹن الور۔

آپ حال ہی میں پلٹن مذکور کے اندر اپنے والد صاحب صوبیدار عبداللطیف خاں پنشنر متوطن قصبہ تجارہ کی حسن خدمات کے صلے میں خاص طور پر لفٹننٹ بنائے گئے ہیں۔ اور ملازم ہوتے ہی لفٹننٹ کا درجہ ملا ہے۔ امید ہے اپنی سروس کے زمانہ میں عمدہ خدمات دکھا کر نمایاں ترقی حاصل کریں گے۔

۱۱۔ جمعدار احمد خاں صاحب مرحوم خاص پلٹن الور۔

آپ فیروزپور جھرکہ ضلع گوڑگانوہ کے رہنے والے تھے۔

۱۲۔ جمعدار بایزید خاں صاحب مرحوم فتح پلٹن الور۔

آپ الور کے رہنے والے ہیں۔

۱۳- جمعدار منور خان صاحب مرحوم پلٹن چودھویں سٹیٹ۔

آپ آج شہر الور کے [illegible] ہیں۔

۱۴- کوارٹر ماسٹر جمعدار محمد ایوب خان صاحب ملٹری [illegible] ریاست کچھ بھوج۔

آپ چودھری اجوہر خان بن مجاہد خان بن نواب اکرام خان حاکم ملک [illegible] علاقہ تجارہ کے خاندان میں ہیں۔ شاہ عالم بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے دربار سے پانچ سو بیگھہ اراضی زمینی بطور جاگیر بنام مسماۃ بی بی بانو وغیرہ ان کے خاندان والوں کو قصبہ تجارہ کے اندر ۲۹ ماہ ربیع الاول سال دوئم جلوس والا کو مرحمت ہوئی تھی۔ یہ جاگیر اب تک اُن کے ہاں چلی آتی ہے۔ جمعدار مذکور پہلے پلٹن ۲/۱ ابھی پائونیرز میں بھرتی ہوئے تھے۔ لیکن پلٹن ٹوٹ جانے کی وجہ سے اب ریاست کچھ میں چلے گئے۔ ابھی نوجوان ہیں امید ہے اچھی ترقی کریں گے۔

۱۵ خانزادوں کی سول خدمات

محکمہ سول کے اندر خانزادوں کی تعداد محض صفر کے برابر ہے۔ اگر دو چار آدمی ہوں بھی۔ تو وہ کسی شمار میں نہیں۔ اس کمی کی وجہ یہ ہے کہ قدیم زمانہ سے خانزادوں نے اپنا ذریعہ معاش فوجی خدمات کو یا جاگیروں کی آمدنی کو بنا رکھا تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ ایسا آیا ہے۔ جس میں فوجوں کے اندر کافی تخفیف ہو جانے سے اب اس کا دروازہ تقریباً بند ہو چکا ہے دوسرا جاگیر کا ذریعہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ جاگیریں سب ضبط ہو چکیں۔ اور اب معمولی زمینیں اُن کے پاس باقی رہ گئی ہیں۔ لیکن ان زمینوں کو بھی اپنے شوق سے یہ لوگ کاشت نہیں کرتے رہے ان کی دوسری رعایا ہمسایہ قومیں کرتی رہیں۔ جن کے آباؤ اجداد سے ہمیشہ یہ کام ہوتا آیا ہے۔ شاید اسی وجہ سے گورنمنٹ الور کا انگریزی [illegible] خانزادوں کے [illegible] سے قائم کرتا ہے کہ یہ [illegible] کلاس کاشتکار نہیں ہیں۔

تجارت کو بھی یہ لوگ ایک ذلیل پیشہ سمجھتے رہے ہیں۔ حالانکہ اس سے زیادہ شریف پیشہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کے نزدیک سپاہی گری کے [illegible] سب ننگ و عار ہے۔

واقعی جو ہاتھ خدا نے تلوار کے لئے موزوں بنائے تھے۔ اب اُن سے ترازو کی ڈنڈی پکڑنے کی امید رکھنا قانون قدرت کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔

اب رہا ایک محکمہ سول۔ لیکن اس میں بھی ایسے امیدوار داخل ہو سکتے ہیں جن کے پاس تعلیمی سارٹیفکیٹ اور ڈپلومے ہوتے ہیں۔ لیکن خانزادوں نے ان کے حاصل کرنے کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی تھی۔ کیونکہ ان کو کبھی ان کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ ملٹری سروس ان کے لئے ہر وقت موجود تھی۔ جس میں خواندہ اور ناخواندہ سب کا داخلہ بغیر کسی رکاوٹ کے ہوجاتا تھا۔ نیز اس محکمے میں جنگی اقوام کے ناخواندہ آدمی کو بھی غیر جنگی قوم کے خواندہ آدمی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ کیونکہ ناخواندہ آدمی اپنے افسر کے حکم پر بغیر اگر۔ مگر کئے فوراً توپوں اور بندوقوں کے سامنے سینہ سپر ہوجاتا ہے۔

پس ایسی جنگجو قوم کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ اپنے سپاہیانہ طرز عمل کو چھوڑ کر سکول کی چار دیواری میں قید و بند ہو کر بیٹھے اور اے۔ بی۔ سی۔ ڈی۔ رٹنے لگے۔

لیکن دنیا میں فکر معاش بھی بری بلا ہے۔ یہ بڑے بڑے قہاروں اور جباروں کو مجبور کر دیتا ہے ؎

آنچہ شیران را کند روبہ مزاج … احتیاج است۔ احتیاج است۔ احتیاج

آخر فکر معاش سے مجبور ہو کر بہت پشیمانی کے بعد اس آخر وقت میں خانزادوں کو بھی مروجہ تعلیم کی طرف جھکنا ہی پڑا ؎

آنچہ دانا کند۔ کند ناداں … لیک بعد از خرابی بسیار۔

لیکن جو قومیں اب سے صدہا سال بیشتر مروجہ تعلیم حاصل کر کے ترقی کے میدان میں بہت آگے نکل چکی ہیں۔ بھلا ان کا مقابلہ یہ پس ماندہ قوم کس طرح کر سکتی ہے۔

کیونکہ جس وقت تک یہ پس ماندہ قوم تعلیم یافتہ قوموں کے برابر پہنچیگی۔ اُس وقت تک وہ تعلیم یافتہ قومیں نہ معلوم کس عروج پر پہنچ جائینگی۔

نیز آجکل سول کے اندر سروس حاصل کرنا بھی بہت دشوار بن گیا ہے۔ ایک جگہ خالی ہوتی ہے اس کے لئے ہزاروں امیدوار موجود ہوتے ہیں۔ ایک انار و صد بیمار والا حال ہورہا ہے اور جب سے یورپ کی مانند یہاں امتحان مقابلہ جاری ہوا ہے تب سے خاندانی شرافت کو بھی کوئی نہیں پوچھتا۔

اب ایک اور بڑا دوست کے ساتھ ہوتی تو اور بھی انگریزی مقابلہ میں شامل ہو سکتا
اگر یہ ہوتی زیادہ کامیاب ہوتے۔ دیہات داد ناکامیاب۔ تو مردوں کا حقدار ہوتی زیادہ
اور اس وزیر زادے کے سے اس کی خاندانی شرافت اور ... کام آتی
رہتی ہے

ذات بھائی سب پوچھنے لگے — پاس جس کے تھا حاکم ہوگئے

اس کیفیت امتحان مقابلہ کے طفیل بڑے بڑے رئیس زادے۔ شریف زادے۔ اور اعلیٰ خاندان کے لوگ ملازمتوں کے لئے ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور وہ بغیر بلکہ

تاہم اس ناموافق حالت کو دیکھتے ہوئے پڑھنا بھی ناشکری میں داخل ہے۔ جیسے کرنے سے کترانا ہوتا ہے۔ لہذا شاہزادوں نے پھر بالکل ناامید ہو کر تعلیم کی طرف توجہ شروع کی ہے۔ سب سے پہلے چودھری ہدایت خاں صاحب مرحوم متوطن قصبہ تجارہ جنہوں نے امتحان مقابلہ دے کر عہدہ نائب تحصیلداری حاصل کیا اور نہایت دیانت و امانت سے کام کر کے پنشن حاصل کی۔

چودھری نور محمد خاں صاحب متوطن قصبہ کوٹ قاسم اور اصغر خاں صاحب متوطن قصبہ شاہ آباد دونوں نے امتحان وکالت پاس کیا۔ جو نہایت قانون دان اور ہوشیار وکلا میں شمار ہوتے ہیں۔ اور پریکٹس کا کام نہایت خوش اسلوبی سے سر انجام دے رہے ہیں۔

چودھری نذیر احمد خاں صاحب مرحوم متوطن کوٹ قاسم بھی نہایت کامیاب وکلا میں شمار ہوتے تھے۔ اور بڑے لائق اور ہوشیار قانون دان مانے جاتے تھے۔ اپنے وقت میں ہفت زبان مشہور تھے یعنی عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ سنسکرت۔ اردو۔ ہندی اور مارواڑی زبانیں بخوبی جانتے تھے۔ اور ہر ایک زبان میں سلاست اور روانی کے ساتھ گفتگو کر سکتے تھے۔ اور بڑے بڑے قومی مجمعوں کے درمیان تقریریں بھی کیا کرتے تھے۔

چودھری عبدالستار خاں صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی کو ہم اپنے نوجوانوں اور ... کے سامنے بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے ایک معمولی زمیندار گھرانے سے ترقی کر کے موجودہ اعلیٰ درجہ حاصل کیا ہے۔ آپ نے اپنی لیاقت خداداد کی بدولت تمام انگریزی کے امتحانات پرائیویٹ پاس کئے۔ اور علی گڑھ یونیورسٹی میں وکالت کی تعلیم بھی حاصل کی ہے۔

ڈاکٹر صدیق احمد ایل۔ ایس۔ ایم۔ ایف پسر مؤلف تاریخ ہذا نے بھی اپنی محنت اور اعلیٰ قابلیت کی بدولت ڈاکٹری امتحان میں فرسٹ نمبر پر کامیابی حاصل کر کے اپنی قوم کے اندر پہلی مثال قائم کی ہے۔ امید ہے اس کی تقلید میں ہمارے دوسرے طلبہ کو بھی تعلیم ڈاکٹری کا شوق اور حوصلہ پیدا ہو گا۔

ان کے علاوہ گرد اور قانونگوے۔ پٹواری۔ تھانہ دار۔ اور رو رنیکلر ملازمین کی کافی تعداد موجود ہے۔ اور متعدد طلبہ بی۔ اے۔ ایف۔ اے۔ اور میٹرک میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ امید ہے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنا اور اپنے بزرگوں کا اور اپنی قوم کا نام روشن کریں گے۔

۱۲۔ نقل اسناد و فرامین عطیہ شاہان دہلی

نقل مطابق اصل ہے

(۱) نقل فرمان عالی شان انعام و آراضی عطیہ شاہنشاہ ابوالمظفر محی الدین بہادر محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی دار الخلافت اکبر آباد۔

آنکہ بجا شیہ ہائے جاگیر داران وچودھریان قصبہ پنگوان را اعلام باشد۔ کہ موازی ہفت ہزار و ہفت صد و پنجاہ بیگھہ رقبہ در پیمائش مقرر شدہ بسوہ بنام خان۔ اعتبار خاں ولد لاڈ خاں قوم خانزادہ ساکن قصبہ جھراوٹ از زانی داشتہ شد۔ ازاں میاں بہ تفصیل ذیل نصفی حصہ خان مذکور و نصف حصہ ہمہ برادران را حق موروثی باشد۔ نیز نانکار مبلغ یک صد و پنج روپیہ ہم برائے ہمہ برادران ساکنان دیہہ و در فصل خریف چہل و پنج روپیہ و در فصل ربیع شصت روپیہ باشد باقی ہم حق حسب دستور سابق ہستند۔ و ہمیں طور بہ عمل مے آرند۔ یعنی در شادی ہمہ رعایا مبلغ یک روپیہ چہار آنہ۔ از قدیم تا ایام بزرگان وصول مے کردند۔ دیگر آنکہ اگر بخانہ کسے از رعایا فرزند تولد شود بموجب وسعت از وشاں خواہند گرفت۔ اگر کسے در حق خان مذکور در رساون قصور نماید۔ اوشان را طلب مے سازند۔ تا دیگر مردمان عبرت گیرند۔ و چناں حرکت ناشائستہ در پیش نیارند۔ و اگر کسے در سخن و صلاح خان مذکور نہ پذیرد۔ در آں سعی بلیغ نمودہ حق بحقدار مستحق رسانند۔ تاکید اکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔ تحریر بتاریخ ۱۲ ماہ صفر ۱۰۶۸ھ۔

SARFARAZ KHANZADA RAJPUT
MEWATI
Assistant Professor
Govt: S.N.M.S Degree College
Tharushah Distt: Naushahro Feroze

(نوٹ) اس فرمان کی پیشانی پر بشکل مستطیل بادشاہ کی مہر ثبت ہے۔ اور اس کے نیچے دستخط و مہر اسد خاں وزیر بندۂ بادشاہ عالمگیر غازی درج ہے۔

نقل مطابق اصل ہے

نقل فرمان عالی شان انعام و اراضی ... عظیم شاہنشاہ ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی دار الخلافت اکبر آباد۔۔

عاملان حال و استقبال پرگنہ اندور و کروڑ مضافات صوبہ دار الخلافت بدانند۔ چوں دو عدد چاہ با و باغات در موضع ملک پور و موضع بڑوچی و نمک شور و نانکار و املاک و استمرار وغیرہ حسب الضمن باسم چودھری زبردست خاں خانزادہ پرگنہ اندور از قدیم مقرر است۔ لہٰذا بر احقاق مشار الیہ کردہ از سرکار ہم معاف و واگذاشت نمودہ باشند۔ باید کہ بدستور معمول بحال و برقرار دانستہ بظہور حضیاد مشار الیہ واگذارند۔ و در سوم و نانکار و چہارم حصہ از آمدنی موضع چھوان موافق معمول رسانیدہ باشند۔ کہ بخاطر جمع صرف اوقات خود نمودہ بغیر اندیشہ در دولت خواہی سرکار اشتغال دارند۔ و در کشت زراعت و فزونی مال سرکار کوشش بلیغ بکار بردہ باشند۔ و در ہر امور جو متوجہ مشار الیہ مراسم امداد و رعایت ہر گونہ مرعی و مسلوک داشتہ باشند۔ کہ در این باب تاکید مزید و قدغن اکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔

تحریر بتاریخ ہفتم شہر جمادی الاول سن جلوس ۳۲ ۔

تفصیل

دو عدد چاہ در قصبہ اندور و در دیہات — لعہ و بستہ

باغات در قصبہ اندور و بجیہ — للعہ قطعہ

موضعات ملک پور و بڑوچی — ۱۲ روپیہ

نمک شورہ حصہ سرکار — الف چہار من

نانکار مال نمک — صد من

مال — ہا من

نمک — ۱۲ من

املاک در دیہات و حدود بجیہ از دیہہ — الف چہار بیگھہ

چہارم حصہ از آمدنی مقدمہ جدا ۔

اساکن دھکوٹلہ وغیرہ — حال قصبہ اندور

ماہ صہ — الصہ ۱۰۰ روپیہ

(نوٹ) اس فرمان کی پیشانی پر مہر بادشاہ بشکل مستطیل موجود ہے۔ اور نیچے دستخط محمد سعید قطب الدین کاتب کے ہیں۔

۳ - (نقل مطابق اصل ہے)

نقل سند اراضی و ناںکار عطیہ شاہ عالم غازی بادشاہ دہلی۔

بنام چودھری بلند خاں خانزادہ ساکن قصبہ مبارک پور۔

دریں وقت فرمان والاشان صادر شد۔ کہ موازی یک صد و پنج بیگھہ زمین و مبلغ دو صد دہ روپیہ ناںکار و مبلغ بست و پنج روپیہ برائے خلعت بہ اسم چودھری بلند خاں خانزادہ قصبہ مبارک پور پرگنہ کھلورہ سرکار الور صوبہ اکبر آباد وجہ مدد معاش محب درگاہ فضیلت دستگاہ خان مذکور حسب العین مقرر کردہ داده شد۔ کہ حاصلات آں را فصل بفصل سال بسال معیشت خود صرف نمودہ بدعائے دولت ابد پیوند مداومت نمایند۔ باید کہ حکام و عامل و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال اراضی مذکورہ را پیمودہ و چک بستہ بہ تصرف آنہا بگذارند۔ و اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدل بداں راہ ندہند۔ و بعلت مال و جہات و اخراجات مثل قلنقہ پیشکش۔ حربیانہ و ضابطانہ و محصلانہ و مہرانہ و دروغگانہ و بیگار و سرکار و مقدم و سوائی و قانونگوئے و ضبط ہر سال بعد از تشخیص چک و تکرار زراعت و مبلغ مذکورہ کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحم نہ شوند۔ و دریں باب ہر سال سند مجدد نہ طلبند۔ و اگر در محل دیگر چیزے داشتہ باشند۔ آں را اعتبار نہ کنند۔

تحریر بتاریخ بست و ہفتم ذی الحجہ در سن ۱۲۱۱ھ قلمی نمودہ شد۔

(نوٹ) پیشانی پر چوکونی مہر بادشاہ کی ہے۔

۴ - (نقل مطابق اصل ہے)

نقل فرمان اراضی و ناںکار عطیہ شاہ عالم غازی بادشاہ دہلی۔

بنام چودھری بہادر خاں ولد احمد خاں خانزادہ پرگنہ اندور۔

دریں وقت فرمان والا شان صادر شد - کہ موازی پنج صد بیگہ از مضافات العام در قصبہ اندور
سرکار بخارہ واقعہ دار الخلافت شاہ جہان آباد و مبلغ یک ہزار و یک صد روپیہ نانکار و مبلغ یک صد
روپیہ بطور سیری فی صد بموجب تمہ پرگنات ہشت آنہ فی صد در قصبہ پرگنہ مذکور یک روپیہ ایضاً
در سرکار مدد معاش چودھری بہادر خاں ولد احمد خاں حسب الحکم مقرر است - کہ حاصلات
آں را صرف معیشت خود نمودہ بدعائے بقائے دولت ابد مدت مواظبت نمایند - باید
کہ حکام و عامل و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال اراضی مذکورہ را بدستور بیک
لیسہ بتصرف او نہادہ گذارند - و اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدیل بداں راہ ندہند - و بعلت
مال وجہات و اخراجات مثل قتلقہ - پیش کش - حرمانہ و ضابطانہ و محصلانہ و شہرانہ
و بار و غلکانہ و بیگار و سرکار و مقدم و قانونگوے و ضبط ہر سال بعد از تشخیص یک بار
زراعت و مبلغ مذکورہ کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحم نشوند - و دریں
باب ہر سال سند مجدد و طلب نہ نمایند - و اگر در محلے دیگر چیزے داشتہ باشند آں را اعتبار
نکنند - فقط تحریر بتاریخ بست و سوم ذی الحجہ سال دوم سن جلوس -
(نوٹ) پیشانی پر بادشاہ کی چوکونی مہر ہے -

۵ - (نقل مطابق اصل ہے -)

نقل فرمان چودھری و زمینداری عطیۂ شاہ عالم غازی بادشاہ دہلی -
بنام چودھری بہادر خاں ولد احمد خاں خانزادہ پرگنہ اندور -
منکہ غازی و اجمیری وغیرہ موروثیان قصبہ نوح و کپور وغیرہ موضع مالب و خانان
مقدم وغیرہ جوئیا و راسۓ زادہ وغیرہ موضع سالاہیری و نور خاں و ساہد وغیرہ موضع
بڑہ چی و غازی و بیکاری موضع نائیں و لتل بیگ و کشور موضع منگلی و اسمندر و نندو شوہ
موضع اذیر و خانجہاں و مہر علی موضع عالم پور و نواز علی و بتھو موضع نیکیں و سوندھی و کنہاری
موضع بلہ و قصبہ والا وغیرہ موضع ران کا بیلا و بجاں و اجمیری موضع لنگام پور و شمشاد
و ٹوڈر موضع جاولہ و حسن و بجانی و نتھو موضع آکہ و کا و نتھو و دلاور موضع فرید آباد
و کنھا و مہر علی موضع کھیری و تیمور تاں موضع گنڈہ و لہ و معصی بہاڑی و بیچاں و نادر
موضع قصیرہ و ذلیل مسنگیہ و بہیشاں موضع بالو کی - و نتھیا و مظفر موضع کھیری - -

سیپور و ورت موضع ملک پور و گوجر و بھورا مقدم موضع سنبھل و حبیب و باڑا موضع ،
سولپور و مانجھو و جیتا موضع جھوانو و جستا و دولا و ر موضع محمد پور و پرساد کالنھا موضع
سلطان پور و جلال و کوڑا موضع شاہ پور و خانون و دولا موضع لادیا۔ و میان
گوپال موضع پرچند پور ... و ... رائے خان موضع عالم پور۔ و گوجر و لاکھا وغیرہ
موضع سیفپور موتان و رعایا پرگنہ اند در سرکار تجارہ ایم۔ ہرگاہ بر چودھر محمد خان ولد
نظام خاں خانزادہ قابض و متصرف بود۔ دریں ولا بعد فوت خان مذکور بہ اسم میاں
بہادر خاں پسر متنازالیہ کہ مایاں رضامند شدہ بخوشی و رغبت خود۔ چودھر و زمینداری
او را قبول نمودہ ایم۔ موصی الیہ وارث چودھر پرگنہ مسطور است۔ جملہ سوم چودھر
و زمینداری بہ میاں بہادر خاں بر ہیم۔ وانہ دیگرے رضامند نیستیم۔ بنا بر آں ایں چند
کلمہ بطریق راضی نامہ نوشتہ ایم۔ کہ بوقتِ حاجت بکار آید۔ و دیگرے دخل و دعوے
نکند۔ تحریر بتاریخ نہم شہر ربیع الاول سن چہارم سنہ جلوس۔
(نوٹ) اس تحریر کی پشت پر مندرجہ بالا تمام لوگوں کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں۔
اور پیشانی پر بادشاہ کی چوکونی مہر لگی ہوئی ہے۔

۶- (نقل مطابق اصل ہے)

نقل فرمان اراضی عطیہ شاہ عالم غازی بادشاہ دہلی۔
بنام مسماۃ بی بی بانو وغیرہ ساکن حویلی تجارہ سرکار بہ صوبہ دارالخلافت شاہ جہان آباد
دریں وقت میمنت اقتراں فرمان والا شان واجب الاذعان صادر شد کہ پنج صد
بیگھہ اراضی افتادہ لائق زراعت از پرگنہ حویلی تجارہ سرکار بصوبہ دارالخلافہ شاہ جہاں
آباد در وجہ مدد معاش بہ اسم مسماۃ بی بی بانو وغیرہ انعام خانزادہ مقرر شدہ کہ حاصل
آں را صرف معیشت نمودہ بدعائے بقائے دولت روز افزوں مواظبت نمایند
باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروڑیاں حال و استقبال زمین مزبورہ را پیمودہ
و چک بستہ بہ تصرف اینہا بازگذارند۔ و اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدل بداں راہ ندہند۔
و بعلت مال و جہات و اخراجات مثل قلبعہ و پیشکش و حریانہ و ضابطانہ و
محصلانہ و مہرانہ و داروغگانہ و بیگار و سرکاری و مقدم و قانونگوے۔ و ضبطی

ہر سال بعد تشخیص چک و تکرار زراعت و کل مطالبات سلطانی و آنکا سبب دیوانی مزاحم نشوند۔ و اندریں باب ہر سال سند مجدد نطلبند۔ و اگر در عمل دیگر چیزے داشتہ باشند۔ اعتبار نکنند۔ فقط۔

بست دوئم شہر ربیع الاول سال دوم از جلوس والا نوشتہ شد

پیشانی پر بادشاہ کی شیفی مہر ثبت ہے۔

۷۔ (نقل مطابق اصل ہے)

نقل حکم مشمولہ مسل نمبری ۱۰۹ اصیغہ ترجیہات و احکامات مرجوعہ یکم مارچ ۱۸۸۱ء

نشان مہر عدالت

بذریعہ موصولہ ڈاکٹ نمبری ۴۴ مورخہ ۲۵ فروری ۱۸۸۱ء منجانب صاحب کمشنر بہادر قسمت دہلی۔

واضح ہو کہ گورنمنٹ پنجاب سے بذریعہ چٹھی نمبری ۱۹۲ مورخہ ۱۵ فروری ۱۸۸۱ء حسب تجویز صاحب فنانشل کمشنر بہادر پنجاب یہ منظوری آ چکی ہے کہ ایک زمینداری انعام تعدادی مبلغ سو روپیہ تحصیل فیروزپور جھرکہ میں بھی دیا جائے۔ اور حسب شرائط مجوزہ صاحب فنانشل کمشنر بہادر پنجاب مندرجہ فقرہ نمبر ۲ و ۳ چٹھی نمبری ۱۴۳۱ مورخہ ۲۴ مئی ۱۸۸۰ء یہ تجویز بھی نواب لفٹننٹ گورنر بہادر پنجاب منظور فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی قابض انعام شخص ذیلدار بن جائے۔ تو اس وقت اس کو یہ انعام چھوڑ دینا پڑیگا۔ اور اس انعام کو منظوری صاحب کمشنر بہادر صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع کسی لائق نمبردار اسی فرقہ کو یا دیگر فرقہ اسی ذیل کو عطا کریں گے اور قوم خانزادہ میں سے جو نامی شخص ہوگا۔ اس کو نمبر سے ذیلداری دی جائے گی۔ نیز یہ انعام مالگزاری دیہہ سے منہا ہوا کریگا۔ فقط۔

تحصیل فیروزپور جھرکا

انعام بنام چودھری چھجو خاں ولد ولایت خاں قوم خانزادہ ساکن موضع مانڈی کھیڑہ -

انعام تعدادی یک صد روپیہ سالانہ

(نقل مطابق اصل ہے)

۸ -

نقول فرامین شاہی از اٹاوہ شہر پور۔ پی سنہ ۱۸۳۱ء نظم و نسق امور ممالک دستخط
انگریزی مسٹر جی ایم۔ رومیٹی سکریٹری ٹو دی گورنمنٹ اوف انڈیا -

سند معافی موضع بدھواڑ در علاقہ ربان پور برائے محمد علی خاں ولد فتح خاں قوم خانزادہ
مختار بنام سابق مہاراجہ گوالیار -

چوں از تحریر صاحب کمشنر بہادر جبل پور بہ دریافت آمد۔ کہ بعد از وقوعہ بلوہ
و فساد در … پور ایشاں از کمال خیر خواہی سرکار باوفار انگریزی کوشش و مساعی
فراواں و محنت و جاں فشانی ہائے بے پایاں بظہور آوردہ حفاظتِ جان کپتان کارفن
صاحب و کپتان آر۔ اے بسیل صاحب و کپتان ڈبلیو۔ پی اروِن صاحب و ڈاکٹر
او برائن صاحب و ہمراہیانِ شان کردہ اند۔ و ایں معنی موجبِ کمال خرسندی و
رضامندی بندگان نواب مستطاب معلے الالقاب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہٗ گردیدہ
نظر بر آں اندرہِ گزر مزید مرحمت کہ پیش نہاد خاطر نواب صاحب ممدوح نسبت الشاں
گشتہ یک موضع کہ ہشت صد روپیہ محاصل سالانہ دارد - در علاقہ منضبطہ بان پور
برائے ایشاں و اولاد مذکور ایشاں نسلاً بعد نسلاً معاف و مرحمت شد -
و ہم مبلغ دو ہزار روپیہ نقد انعام گردید۔ شکے نیست۔ کہ باز ایں چنیں عطیہ عظمیٰ و
موہبت کبرائے ہمیشہ خیر خواہی و جاں فشانی از کار سرکار باعثِ صلاح و فلاح خواہند
انگاشت۔ و ایں سند را وسیلہ فخر و مباہات دراہمثال و اقران خویش خواہند
شناخت تحریر قدم … ماہ جون سنہ ۱۸۵۹ء

از قلم اظہار حسین میر منشی محکمہ گورنری -

(نوٹ) بہت سے فرامین واسناد اور تاریخی حالات ہماری قوم کے پاس موجود ہیں لیکن باوجود تلاش وطلب کے بھی ہم کو اُن کی نقلیں دستیاب نہ ہوسکیں جس کا ہمیں سخت افسوس ہے۔

اگرچہ ہم نے بہت سے اصحاب کی خدمت میں چند مرتبہ تحریری اور زبانی عرض کیا۔ چنانچہ قصبہ کھوہ ریاست بھرت پور میں حاجی نصراللہ خاں کو قصبہ پہاڑی ریاست بھرت پور میں منشی عبدالصمد خاں کو۔ اور قصبہ ننگواں ضلع گوڑگانوہ میں منشی الٰہی بخش ولد محمد خاں کو۔ قصبہ فیروزپور جھرکہ میں چودھری عبدالصمد خاں صاحب کو۔ قصبہ کوٹ قاسم ریاست جے پور میں منشی نوروز خاں صاحب وکیل کو قصبہ شاہ آباد تحصیل تجارہ میں منشی اصغر خاں صاحب وکیل اور صوبہ دار میجر نواب عباس خاں کو تحریری طور پر چند مرتبہ عرض کیا۔ مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ قصبہ تجارہ اور شہر الور میں خود بھی حاضر ہوا۔ مگر بجز ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوسکا۔ فرمائیے ایسی صورت میں قومی حالات کا مہیا کرنا کس قدر دشوار امر ہے۔

ہم اس بات سے بھی واقف ہیں کہ جن لوگوں کے مکمل حالات درج نہ ہوسکیں گے وہ دوسری جگہ والوں کے حالات کو پڑھکر بہت خفگی کا اظہار فرمائیں گے۔ اور انصاف کو بالائے طاق رکھکر اپنی کوتاہی اور قصور کو ہرگز تسلیم نہ کریں گے۔ بلکہ الٹا ہمارے برخلاف طرفداری کا الزام قائم کرنے میں بھی ہرگز دریغ نہ فرمائیں گے۔ مگر یہ ان کی سراسر ناانصافی اور ہٹ دھرمی ہوگی۔ اگر یہ اصحاب اپنے اپنے فرمانوں اور تاریخی حالات کی نقلیں دے دیتے۔ تو اس سے علاوہ قومی تاریخ کی شان بڑھنے کے ان لوگوں کی بھی شہرت اور ناموری کا مکمل اظہار ہوتا تھا۔ مگر یہ لوگ کچھ اس طرح کاغذات کو دبائے بیٹھے ہیں کہ ان کو ہوا تک نہیں لگنے دیتے۔ ایسی حالت میں کسی کو کیا خبر ہوسکتی ہے۔ کہ آپ کے بزرگ کیسے مشہور اور نامور ہوئے ہیں۔

افسوس ایک وہ لوگ ہیں جو اپنی ناموری دکھلانے کیلئے رائی کا پہاڑ بنا دیتے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ بڑے بڑے شاندار کارناموں کو بھی چھپائے بیٹھے ہیں ؎

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے۔

اسناد وغیرہ کی نقل دے دینے سے ان میں کچھ کمی نہیں آسکتی تھی۔ شاید بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہوگا۔ کہ اس میں مولف تاریخ کا کچھ ذاتی فائدہ مدِ نظر ہے۔ جس کی وجہ سے بار بار نقلیں طلب کرتا ہے۔ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ آپ کے نام کی اسناد یا فرامین کی نقلوں سے کسی دوسرے کو بجز قومی شہرت بڑھنے کے ہرگز کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کو اپنی قومی شہرت اور ناموری کی بھی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ تو پھر اس سے زیادہ خود غرضی دنیا میں اور کیا ہو سکتی ہے

یہ مرض کچھ ہماری ہی قوم میں نہیں ہے بلکہ عموماً کل مسلم راجپوتوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ منشی عاشق علی خاں صاحب ناطق کلانوری نے بھی اپنی کتاب سراج التواریخ میں مختلف جگہ پر اپنی قوم کا یہی رونا رویا ہے۔ لہٰذا جو شکایت عاشق علی خاں کو اپنی قوم سے تھی بالکل وہی شکایت ہم کو بھی اپنی قوم سے ہے۔ اللہ تعالےٰ ان مسلم راجپوتوں پر رحم فرمائے۔ آمین فقط۔

۱۲۔ شجرہ نسب خانزادہ قوم از ابتدائے آفرینش تا اولاد بہادر ناہر خاں رئیسِ اعلےٰ

ہمارا یہ ارادہ تھا کہ ہم اپنی اس قومی تاریخ میں خانزادہ قوم کے مکمل نسب نامے درج کریں چنانچہ اس مطلب کے لئے ہم نے ہر ایک جگہ خبریں بھیجیں۔ زبانی بھی عرض کیا۔ خطوط بھی لکھے۔ لیکن کسی نے اپنے تاریخی حالات یا نسب نامے بھیجنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائی صرف ہم نے اپنی کوشش اور دوڑ دھوپ سے چند شجرے حاصل کئے جو درج کئے گئے ہیں۔

بعض صاحبان نے صرف اپنے ہی نام کے خاص شجرے بھیجے۔ ان کے متعلق یہ عرض ہے کہ اول تو فرداً فرداً ہر شخص کا شجرہ حاصل کرنا بہت دشوار ہے اگر حاصل ہو بھی جائیں تو تاریخ میں درج کرنا بڑا لمبا چوڑا کام ہے۔ فرض کرو ایک گاؤں میں سو آدمی ہیں تو سو شجرے ایک گاؤں کے ہی ہو گئے۔ جن کا درج کرنا معمولی کام نہیں ہے۔

اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہر ایک موضع یا قصبہ کا صرف ایک ہی شجرہ ہو جس میں بہادر ناہر خاں مورث اعلےٰ سے لیکر اس گاؤں میں آباد ہونے والے شخص کی دو چار پشتوں تک کے نام درج ہوں اور آخیر میں یہ لکھ دیا جائے کہ اس موضع میں فلاں فلاں شخصوں کی اولاد آباد ہے۔ بالکل اسی کے موافق ہم نے فیروزپور جھرکہ - بڑرکا - پنگواں - سمی خانزادہ - ساکھا واڑی - مبارک پور - تجارہ - شاہ آباد - غلم بیکا - اور بانڈی کھیڑہ کے شجرے درج کئے ہیں -

یہ شجرہ مندرجہ ذیل کتابوں سے مطابقت کر کے درج کیا جاتا ہے۔ مہابھارت پران ٹاڈ راجستھان - تاریخ راج بھرت پور - تاریخ راجپوتانہ و ضیاء مرحا صاحب ان شکستہ تجارہ - تاج التواریخ - کارنامہ راجپوتان ہند - وقائع راجپوتانہ - تاریخ قرولی تاریخ خانان میوات پوتھی جاگہ - تحریرات رانایان میوات وغیرہ اس شجرہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے - اول حصہ ابتدائے آفرینش سے کرشن جی تک کا ہے - دوسرا حصہ کرشن جی سے راجہ تہن پال والئی تہن گڑھ علاقہ بیانہ تک کا ہے - تیسرا حصہ راجہ تہن پال سے راجہ سانبر پال مورث اعلےٰ قوم خانزادہ تک کا ہے - چوتھا حصہ اسلامی زمانہ کا ہے جس میں راجہ سانبر پال و سوپر پال نے اسلام اختیار کر لیا تھا - جن کے اسلامی نام بہادر ناہر خاں اور چھجو خاں رکھے گئے تھے -

۱ - حصہ اول = وشن جی عرف نارائن جی - برہما جی یا آدم - اتری - سمندر - چاند - بدھ - پرورروا - آیو - نہسو - (ججانی یا سیاتی یا جودھا یا لودھا) جادو یا یادو - کروشٹ - ورجنو - سوانی - ارہنگ - چترتھ - سس بند - سروپت - سیاکوکید - اوسن - نتنگی - مورت - کوبل - ورست - رکھو - بکس - پرتھوکم - کھیوسمان - بھوگ - بھومیالی - ویدرب - کیک - لوہاد - ورتی - جہنتر - رشیم - بھیم رتھ - وبھورتھ - سکند - کرونک کر - دلیورتھ - دلیپ جیتر - ادھو - درستی - پرومہٹ - پرداپ - جنتو - سنوتی - تک عرف انک - شچن - دوبرتھ - شوربر - سینی - بھوج - رادک - دیوسید - شور - واسدیو - کرشنا یا کنہیا اوتار - کرشن جی - پردیامن - انروددھ - چترسین - اگرسین -

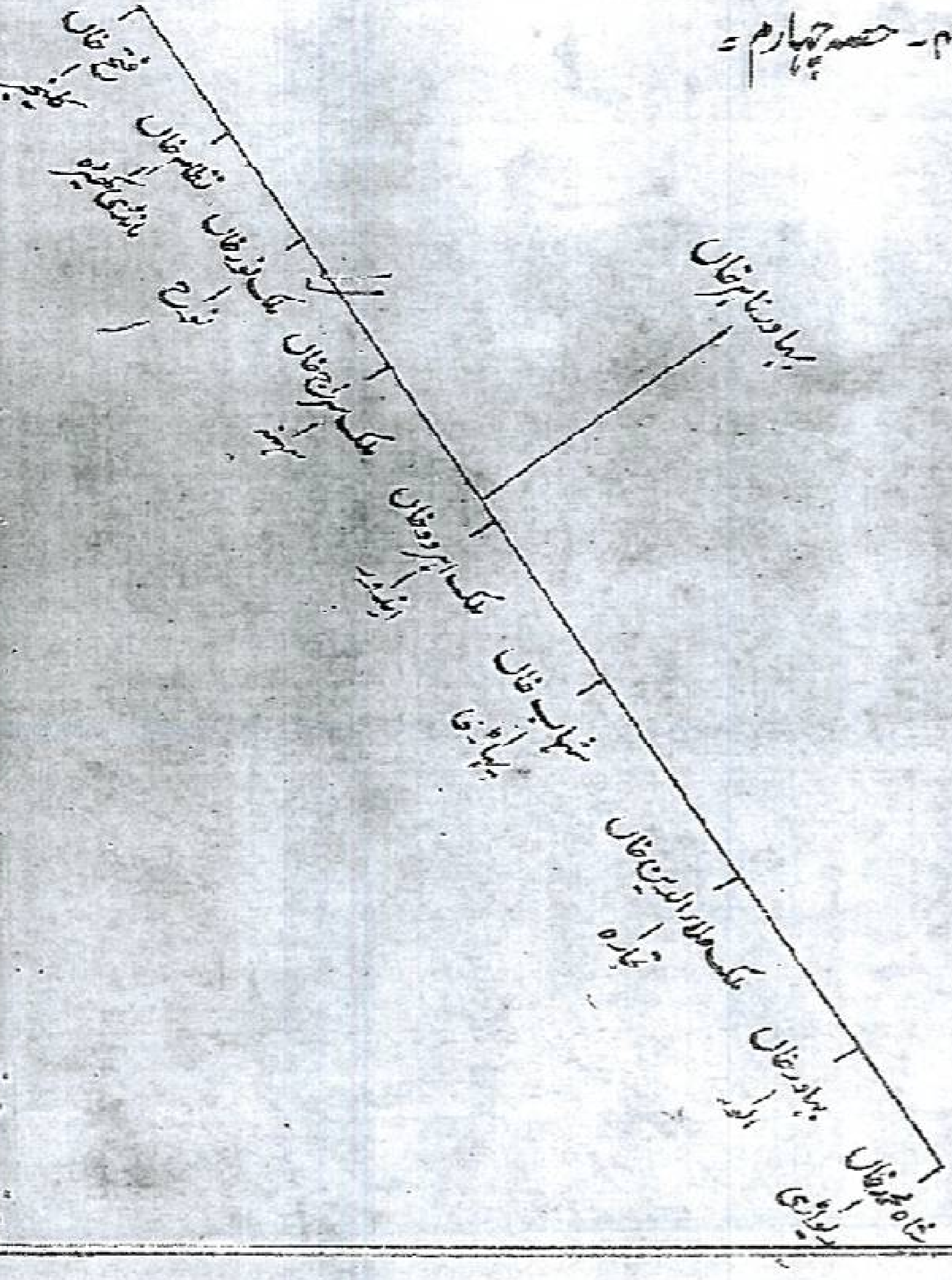
۲ - حصہ دوئم = دھرم سین - تہ پال - برہم پال - چندر پال - سہن پال -

نکے پال - تہن پال والی تہن گڑھ علاقہ بیانہ -

تہن پال - بانند پال - ننتے پال - اودھان پال - انراج -

۳- حصہ سوئم - تکہن پال - سانبر پال و شو پر پال جن کے اسلامی نام بہادر ناہر خاں اور چھجو خاں ہیں -

۴- حصہ چہارم -



۱۵- نقشہ محالات بلحاظ آبادی اولاد بہادر ناہر خاں مورث اعلیٰ

				آبادی	
نمبر شمار	نام مورث	نام علاقہ انگریزی یا ریاست	نام ضلع انگریزی یا ریاست	نام تحصیل یا پرگنہ	نام محالات
۱	شاہ محمد خاں	[illegible]	گوڑگانوہ	ریواڑی	ریواڑی - جھجر - نارنول - اب ان قصبوں میں کہیں بھی خانزادے آباد نہیں -
۲	بہادر خاں	الور	الور	الور	دھولیٹہ - حویلی الور - بہادر پور - بجیڑہ - شاہ پور - نالیٹہ - بھرجونہ - مسعود پور - کھلیرہ - تھیرا پور - ڈہرہ - گنگاورہ - حاجی پور - ڈھیکری - ٹوالا سیڑی - دھونگاڑہ - خلیل پور - خلیفہ پور - نٹھیرہ - ان میں سے محالات دل پور - دھولیٹ بھیر آباد ہیں
	״	״	״	راج گڑھ	مبارک پور - ملک پور - نوگاؤں کلاں - الہ دتی - بال پور - بروارہ - بلاسپور - سیفیلی - دوڑولی - کھیڑلی - وغیرہ

نمبر سلسلہ	[illegible]	[illegible]	آبادی		
			نام ضلع یا ریاست	نام تحصیل یا پرگنہ	نام محالات
〃	بہادر خاں	الور	الور	تجارہ	لوہکا ہیڑہ - سرولی - دوہالہ سرہٹہ - دمدمہ - گھرول - جھوانہ ڈھاڈوری - علاول پور وغیرہ ان میں سے دوہالہ گھرول اور علاول پور غیر آباد ہیں - اور سرہٹہ دمدمہ اور جھوانہ میں خانزادے آباد نہیں -
〃	〃	〃	〃	کشن گڑھ	بمبورہ - خیرتھل - جھڑجھیلا ہرسولی پور - اسمٰعیل پور ڈائی کا فتح آباد وغیرہ ان میں سے اسمٰعیل پور - فتح آباد اور ڈائی کا میں اب خانزادے آباد نہیں -
〃	〃	〃	جے پور	شہر جے پور	جے پور
〃	〃	〃	〃	کوٹ قاسم	کوٹ قاسم - بڈسرہ - جھوکی - بہرام پور - میرپور - گوول -
			گوڑگانوہ	نوح	کوٹلہ - سیت عرف عالم پور تحانہ - انتظام پور وغیرہ - اب ان میں کہیں بھی خانزادے آباد نہیں -
〃	〃	〃	〃	فیروزپور جھرکہ	قصبہ فیروزپور جھرکہ - ساولیڑہ - سانتھاوارٹی - لیسٹی خانزادہ -

نمبر شمار	نام رئیس	دارالریاست	آبادی: ضلع یا ریاست	آبادی: تحصیل یا پرگنہ	آبادی: نام تعلقات
					ننگلوان - بجھراورٹ - تھامد نگر - کھیڑلی متصل نادولی - اب ان میں سے کھیڑلی غیر آباد ہے -
۳	ملک علاؤالدین خاں	تجارہ	الور	تجارہ	حویلی تجارہ - شاہ آباد - بھنڈوٹی - سوراماس - کل گانوں - موسے پور - اودے پور - خضر پور - گوتوری - پاٹن - بینگن ہیڑی - لونگاں خرد - ڈھاکی - بلاسپور - ملک پور وغیرہ ملک پور غیر آباد ہے -
۴	شہاب خاں پہیر	پہاڑی	بھرت پور	پہاڑی ڈیگ	علی نگر یا نگر عرف گھساولی بہراوت - بھوج پور - پہاڑی کھوہ کلاں - اوندن - کامان - نظام نگر - بھرت پور - گھساولی اب غیر آباد ہے - بہراوت و بھوج پور میں اب خانزادے نہیں -
۵	ملک ابراہیم خاں عرف آڑو خاں	اندور	الور	تجارہ و کشن گڑھ	اندور - چھوٹی پہاڑی - علمدیکا - چھینچولہ - گنگدھولہ - کسرولی - نابھرولی - گندلپور - ملک پور - گنگدھولہ چھینچولہ آباد ہیں -

نمبر شمار	نام سردار	نام موضع جائے سکونت	نام ضلع و ریاست	نام تحصیل یا پرگنہ	آبادی: نام محالات
۶	ملک سراج خاں	سُہنہ	گوڑگانوہ	گوڑگانوہ	قصبہ سُہنہ - بادشاہ پور اُدواکا - بادشاہ پور میو خانزادے نہیں -
۷	نور خاں	نوح	،	نوح	نوح - بڑودی - بلڑی بنیوا ڈوڈا ہیڑی - نلہر - وغیرہ ڈوڈا ہیڑی اور نلہر اب غیر آباد ہیں -
۸	نظام خاں	مانڈی کھیڑہ	،	فیروزپور جھرکہ	مانڈی کھیڑہ - ٹپاک پور ہرنول -
۹	فتح خاں	کلینجر	،	نوح	کلینجر - ٹائیں - ہتھین -
۱۰	چھجو خاں برادر ناہر خاں	گھاگس	،	فیروزپور جھرکہ	گھاگس - کھوری -

نوح

ملک سراج خاں

چھبول اعداد = خاں



چوتھا باب

مشاہیر خاندانِ گکاں کے سیاسی حالات

تبصرہ

قبل اس کے کہ ہم خاندانِ گکاں کے سیاسی حالات درج کریں یہ بتا دینا نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے جو سیاسی حالات ہم اس باب میں درج کریں گے۔ وہ سب کے سب غیر ملکی مورخوں کی تاریخوں کے اقتباس ہیں جن میں انہوں نے عموماً غیر ملکی لوگوں کی فتوحات کی صورت میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے اور شکست کی صورت میں اسے دوسرا رنگ دے کر تاویلات سے چھپایا ہے۔ لیکن ہندوستانیوں کی فتوحات کو پست دبایا ہے۔ اور ان کی شکست کو رائی کا پہاڑ بنا دکھایا ہے۔

ان غیر ملکی مورخوں کی تاریخوں کا اقتباس دو وجہ سے مجبوراً کر لیا ہے۔ اول یہ کہ جن لوگوں کو ہم اپنے سیاسی حالات سنانا چاہتے ہیں وہ عموماً انہیں غیر ملکی تاریخوں کو صحیح سمجھتے ہیں اور یہ معلومات کا کافی ذخیرہ بھی ہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر ہم اپنی قومی و ملکی روایات۔ بوقتِ جنگ کی تحریرات اور ہندی تصانیف جیسے رامائن مہابھارت وغیرہ سے اخذ کر کے اپنے حالات لکھیں تو ان کو یہ غیر ملکی شخص صحیح نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ ان کی سینہ بہ سینہ روایت ہے۔ اگر دوسرے ہمارے ان حالات کو مبالغہ آمیز بتائیں گے تو خود ان کے حالات ہم سے زیادہ مبالغہ آمیز ہیں۔ چنانچہ اس مبالغہ آمیزی کے ثبوت میں ہم انہیں کے چند مصنفین اور تاریخ نویسوں کی رایوں کا اقتباس یہاں لکھتے ہیں۔ جس سے ناظرین پر ہمارے بیان کی صداقت کماحقہٗ ظاہر ہو جائے گی اور نیز وہ ہمارے ان سیاسی حالات کو درست تسلیم

ہمارے تبصرہ کا خیال بھی رکھیں گے۔ اور آخیر میں وہ جو رائے قائم کریں گے اس میں ہرگز یک طرفہ ڈگری نہ دینگے۔ اور یہی ہم چاہتے ہیں۔

اس تبصرہ میں مفصلہ ذیل باتیں قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ خانزادوں کی حکومت میوات میں خاندان تغلق و سادات و لودھی بادشاہوں کے زمانہ میں رہی تھی۔ اس نے خانزادوں کی جو لڑائیاں مندرجہ بالا بادشاہوں کے ساتھ ہوئیں اُن کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کرنا۔ دوئم یہ کہ ان ہرسہ خاندانوں کے بادشاہوں کی حکومتوں کے ضعف کے متعلق غیر ملکی مورخوں کی کیا رائے ہے۔ سوئم یہ کہ ہندوستانیوں کے متعلق ان غیر ملکی مورخوں کی کیا رائے ہے۔ چہارم مندرجہ بالا باتوں کا نتیجہ کیا ہے۔

غیر ملکی مورخوں کی مبالغہ آمیزی۔

(۱) انگریزی زمانہ کے مورخ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی بہت حق پسند۔ ایماندار اور منصف مورخ گذرے ہیں کیونکہ اُن پر کسی اسلامی شخصی سلطنت کا دباؤ نہ تھا۔ ابو الفضل اور خافی خاں جیسے چاپلوس اور خوشامدی مورخوں کی مانند یک طرفہ ڈگری دینے کی انہیں مطلق ضرورت نہیں پڑی۔ چنانچہ موصوف مذکور لکھتے ہیں کہ

(ہندو مسلمانوں کے باہمی معاملات اور لڑائیوں کا جو ذکر مسلمان مورخوں نے لکھا ہے ان میں اکثر یک طرفہ بیان ہے۔ گو اُن میں اتنا جھوٹ بھی نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی شکست کو بھی فتح لکھ دیا ہو۔ مگر ہاں انہوں نے اپنی فتوحات کی صورت میں اپنی مردانگی اور فرزانگی کا بیان بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے اور اپنی شکستوں کے ذکر میں ایسے عذرات کئے ہیں جن سے اُن کی جوانمردی میں بٹہ نہ لگے کیونکہ بالطبع انسان کو اپنی اہانت اور ہزیمت کے بیان کرنے سے نفرت ہوتی ہے۔ یہ تو تاریخی واقعات ہیں جو بڑے عظیم الشان ہیں۔ مگر کھیل میں لڑکوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ وہ اپنی ہار جیت کے بیان کرنے میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۳۵۳۔

یہی صاحب ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

(مسلمان مورخ خود بھی انصاف کریں۔ کہ وہ غیر قوموں کی برائیوں کو بڑے طمطراق سے لکھتے ہیں۔ اور ان کی خوبیوں کو سرسری طور پر زبان سے بیان کئے ہیں۔ اور ان کے کیسے بڑے بڑے نام رکھتے ہیں۔ اور ان کو بدنام کرتے ہیں۔ ان کی خوبیوں پر خاک ڈالتے ہیں اور صرف برائیوں کو بڑی مبالغہ کے ساتھ دکھاتے ہیں۔)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد ہفتم صفحہ ۵۵۲ ۔

یہی صاحب ایک جگہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ

(ایک زمانہ ایسا آیا۔ جس میں ہندوستان کے اندر پبلک اوپنین یعنی عام رائے معدوم ہو گئی۔ خوشامد اور دروغگوئی کا نام تاریخ ہو گیا)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۴۴ ۔

باوجود اس منصفی اور ایمانداری کے مولوی صاحب موصوف یہ بھی اعتراف فرماتے ہیں کہ

(ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی معاملات و مہمات کی تفصیل میں غلطیاں دانستہ یا نادانستہ ہو ہی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے مجھے بھی اپنی تاریخ میں یک طرفہ بیان بہ مجبوری کرنا پڑا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہندوؤں کی تصانیف سے تاریخیں موجود نہیں۔ کہ دونوں کا مقابلہ کر کے ثالث بالخیر بن کر تاریخ لکھی جائے)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ ۔

(۲) دوسرا مورخ فرشتہ جو متعصب کہا جا سکتا ہے وہ بھی یہ لکھتا ہے کہ (غیاث الدین تغلق کی موت کے بارہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ الغ خاں نے قصداً باپ کو ہلاک کیا ہے۔ اور ضیاء الدین برنی جو فیروز شاہ بادشاہ کے عصر میں تھا اور بادشاہ فیروز الغ خاں سے اعتقاد کمال رکھتا تھا۔ اس لئے اس بادشاہ کے لحاظ سے ضیاء الدین برنی نے یہ بات نہیں لکھی)

دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اوّل صفحہ ۱۵۰ ۔

یہی مورخ ایک دوسری جگہ بھی ضیاء الدین برنی کو ملزم گردانتا ہوا لکھتا ہے کہ
(قوم شیری خاں کے ساتھ مقابلہ میں محمد تغلق نے صرف یہ دیکھ کر راہ عجز اختیار
کیا لیکن ضیاء الدین برنی نے زمانہ کے لحاظ سے اس واقعہ کو اپنی تاریخ میں
مرقوم نہیں کیا۔)
دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۹۲۔

ناظرین مورخوں کی ان خوشامدوں کو اور مبالغوں کو غور سے اور بار بار پڑھیں لہٰذا اس قسم کے جن نامنصف مورخوں نے خانزادوں کے حالات لکھے ہیں ان سے کیا انصاف کی امید ہو سکتی ہے۔ اس تمہید کے بعد اب ہم اپنا تبصرہ لکھتے ہیں۔

خانزادوں کی تغلق بادشاہوں کے ساتھ لڑائیاں۔

اس خاندان کا تیسرا بادشاہ فیروز شاہ تھا۔ جس نے خانزادوں کو مسلمان بنایا تھا اس لئے اس کے ساتھ خانزادوں کی کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ البتہ اس کے آخیر زمانہ میں خانجہاں اس کا وزیر محمد خاں ولی عہد سے باغی ہو کر میوات میں بہادر ناہر خاں کے پاس پناہ لے گیا تھا۔ جب تغلق شاہ ثانی بادشاہ بنا۔ تو بہادر ناہر نے محمد خاں کے برخلاف اس تغلق شاہ کی مدد کی تھی۔ اس کے بعد جب ابوبکر بادشاہ بنا۔ تو محمد خاں کے برخلاف چند بار بہادر ناہر نے اس کی مدد کی۔ اور ہر بار اسے فتح دلاتا رہا۔ پھر نصرت شاہ اور ناصر الدین محمود بادشاہ ہوئے۔ تو ان دونوں کو بہادر ناہر اور اس کے پوتے اقبال خاں عرف ملو خاں نے کٹھ پتلی بنا کر نچایا۔ اور صرف روئی کپڑے پر ناصر الدین محمود کو برائے نام بادشاہ بنائے رکھا۔ ورنہ سلطنت کے تمام اختیارات اپنے ہی ہاتھ میں رکھے۔

۲۔ خانزادوں کی سید بادشاہوں کے ساتھ لڑائیاں۔

تغلق خاندان کے بعد سادات خاندان کی باری آئی۔ اس کا پہلا بادشاہ خضر خاں ہوا۔ اس کی ایک لڑائی راجہ جلال خاں خانزادہ والئی میوات سے ہوئی۔ جلال خاں پہاڑوں میں جا گھسا۔ خضر خاں دہلی واپس آگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا

مبارک شاہ بادشاہ بنا۔ سید بادشاہ بالعموم مصروف کار رہے ہیں تاہم خانزادوں نے کبھی سید کے ہاتھوں مالیہ ادا نہیں کیا۔ جب یہ خبر پاتے کہ کوئی فوج میوات میں آتا۔ تو جلال خان بعض وقت مالگذاری ادا کر دیتا۔ اور بعض وقت میوات کو خالی کر کے پہاڑوں اور جنگلوں میں چلا جاتا۔ اچانک بادشاہ یا فوج میوات کو لوٹ کھسوٹ کر کے ناکام دہلی کو واپس پھر جاتا تھا۔ جلال خان اور قدم خان خانزادگان نے ابراہیم شاہ بادشاہ شرقی سے مل کر مبارک شاہ کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ غرض خانزادوں نے کبھی مبارک شاہ کی اطاعت منظور نہیں کی۔ اس کے بعد محمد شاہ اور علاء الدین بادشاہ بنے۔ یہ دونوں ناکارہ اور کمزور طبیعت کے۔ ان کا زمانہ مبارک شاہ سے بھی زیادہ ابتر رہا۔ ان کی حکومت صرف دہلی سے چند میل تک تھی۔ علاء الدین نے تو دہلی بھی چھوڑ رکھی تھی۔ اور وہ ہمیشہ بدایوں میں رہا کرتا تھا۔ اس حالت کو دیکھ کر بہلول لودھی نے تخت دہلی پر قبضہ جما لیا۔ اس کے زمانہ میں احمد خان خانزادہ والی میوات نے بھی میوات سے آگے بڑھ کر لاڈو سرائے متصل دہلی تک پر اپنا قبضہ جمالیا اور خود مختار بن بیٹھا۔

۵۔ لودھی بادشاہوں کے ساتھ خانزادوں کی لڑائیاں۔

اس خاندان کا پہلا بادشاہ بہلول تھا۔ اس نے احمد خان والی میوات پر حملہ کیا۔ اور دہلی کے متصل کا وہ علاقہ واپس لے لیا جو احمد خان نے سادات کے زمانہ میں فتح کر لیا تھا۔ اس رنج سے احمد خان نے بہلول کے حریف حسین شاہ شرقی کو اس کے برخلاف مدد دی۔ جس سے بہلول کئی سال تک لڑائیوں میں پھنسا رہا۔ اور آخر صلح پر مجبور ہوا۔ چونکہ احمد خان نے بہلول کے برخلاف حسین شاہ شرقی کی مدد کی تھی۔ اس لئے بہلول نے دوبارہ میوات پر حملہ کیا لیکن اس دفعہ بالکل محروم رہا۔ کیونکہ خان خانان ایک نامی امیر نے جو کہ بہلول کے امرائے کبار میں تھا۔ احمد خان اور بہلول کے درمیان صلح کرا دی۔ بہلول کے بعد اس کا بیٹا سکندر شاہ بادشاہ بنا۔ اس کے زمانہ میں میوات کے اندر علاول خان خانزادہ حاکم میوات تھا۔

چونکہ اعظم ہمایوں خاں افغان شروانی جو بہلول لودھی کے دربار میں بڑا امیر و کبیر سردار تھا۔ اس کی دو لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ خود بادشاہ سکندر شاہ کی اور دوسری سے علاول خاں خانزادہ کی شادی ہوئی تھی۔ اس رشتہ کی وجہ سے سکندر شاہ اور علاول خاں ہم زلف بھائی بن گئے تھے۔ جس سے ان میں ہمیشہ محبت اور دوستی قائم رہی۔ اور میوات پر کوئی حملہ نہیں ہوا۔

سکندر شاہ کے بعد ابراہیم شاہ بادشاہ بنا۔ اس کے زمانہ میں علاول خاں کا بیٹا حسن خاں خانزادہ شاہ میوات تھا۔ چونکہ ابراہیم شاہ اور حسن خاں دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ اس لئے ان کے زمانہ میں بھی میوات پر کوئی حملہ نہیں ہوا۔ حملہ ہونا تو درکنار۔ ابراہیم شاہ نے وہ علاقہ بھی اپنے بھائی حسن خاں کو واپس دیدیا تھا۔ جو بہلول لودھی نے احمد خاں سے چھین لیا تھا۔ اسی رشتہ کی بدولت بابر کے برخلاف ابراہیم شاہ کی مدد کے لئے حسن خاں معہ اپنے والد اور دو بیٹوں کے جنگ ابراہیم میں شامل ہوا تھا۔

یہ مختصر سا خاکہ ان لڑائیوں کا ہے جو خانزادوں کے ساتھ تغلق و سادات اور لودھی بادشاہوں سے ہوئی تھیں۔

دوئم۔ تغلق و سادات و لودھی بادشاہوں کی کمزوریاں

تغلق خاندان:۔ فیروز شاہ کے بعد محمد تغلق۔ تغلق شاہ ثانی۔ ابوبکر شاہ نصرت شاہ اور ناصر الدین محمود یکے بعد دیگرے بادشاہ بنتے رہے۔ لیکن یہ سب کے سب سخت کاہل سست اور ناکارہ تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی اپنی مدد کے لئے اپنے درباروں میں ہندو اور ہندوستانی مسلمانوں کو اپنا طرفدار اور مددگار اور ہوا خواہ بنا رکھا تھا۔ تغلق شاہ اور ابوبکر ہمیشہ بہادر ناہر خاں خانزادہ کی حمایت پر حکومت کرتے رہے۔ نصرت شاہ اور ناصر الدین محمود کو بھی بہادر ناہر نے اور اس کے پوتے اقبال خاں عرف ملّو خاں نے صرف روٹی کپڑے پر بادشاہ بنا رکھا تھا۔ ان بادشاہوں کی سستی۔ نالائقی اور کمزوری

کی بدولت سلطنت میں بڑی بڑی تباہیاں، خرابیاں اور پریشانیاں واقع ہوئیں اور حکومت کے اندر ایسا ضعف آگیا۔ جس کی بدولت دہلی کی حکومت کا ڈھیر ایسا بگڑ گیا۔ جس سے وہ پھر بکھرنے لگا۔ دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۴۹۸۔

مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

۲۔ خاندان سادات:

(ان بادشاہوں کی سلطنت کا ذکر پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ایام سلطنت میں نہ وزیر نہ بادشاہ دونوں کا یہ حال رہا۔ کہ کبھی کٹھیر۔ کبھی گوالیار۔ کبھی بدایوں۔ کبھی میوات اور کبھی سنبھل میں جاتے رہے۔ اگر آج یہاں محصول وصول کیا ہے۔ تو کل کسی دوسری سرکشی نے سر اٹھایا ہے۔ سوائے دہلی کے کوئی ضلع اور صوبہ اُن کے قبضہ و تصرف میں نہ تھا۔ اگر ایک طرف کچھ ملک ہاتھ لگا۔ تو دوسری طرف اس سے زیادہ نکل گیا۔ برابر یہی حال ہوتا رہا۔ نہ وزیر سے کچھ بنا اور نہ بادشاہ سے۔ بلکہ خود ملتان و پنجاب میں بھی جو خضر خاں کو میراث میں ملے تھے۔ خلل پڑ گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے عہد سلطنت میں نہ سلطنت کی نمائش ہوئی اور نہ ملک کی افزائش ہوئی کوئی نیا صوبہ ان کے ہاتھ نہ آیا۔ رعب و داب کیا خاک ہوتا۔ خضر خاں نے تو دوسرے دعویداروں کے خوف سے اپنا نام بھی بادشاہ نہیں رکھا۔)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۴۳۰۔

(۲) دوسری جگہ یہی صاحب لکھتے ہیں کہ

(مبارک شاہ اور محمد شاہ کے زمانہ میں تمام علاقوں کے حاکموں نے ادائے مالگذاری سے ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ دونوں بادشاہ تادیب کرنے کے لائق طاقت ہی نہ رکھتے تھے۔ اس وجہ سے ہر سر میں ایک سودا اور ہر دل میں ایک تمنا پیدا ہو گئی۔ ابراہیم شاہ شرقی نے چند پرگنات دبا لئے خانزادوں نے سلطان محمود خلجی کو دہلی کی سلطنت کے لئے مالوہ سے لا کر محمد شاہ سے بھڑا دیا۔ علاء الدین کے زمانہ میں سب سے زیادہ طوائف

الملوکی رہی یہ اپنے باپ محمد شاہ سے بھی زیادہ مست اور ناکارہ نکلا ہمیشہ بدایوں میں پڑا رہتا تھا دکن۔ گجرات۔ مالوہ۔ جونپور بنگال وغیرہ میں وہاں کے حاکم خود مختار بن بیٹھے۔ احمد خاں بنگش نے لاڈو سرائے متصل دہلی تک قبضہ جما کر خود مختار بن بیٹھا۔ سنبھل سے نارنول تک دریا خاں لودھی حاکم تھا غرض اسی طرح کل ملک کو سرداروں گورنروں نے دبا کر خود مختار بن بیٹھے اور سلطنت دہلی کی حد ایک طرف لونی شہر پناہ سے صرف ایک میل اور دوسری طرف دس بارہ میل تک رہ گئی۔ یہ مثل اسی بادشاہ پر صادق......

آتی تھی کہ بادشاہی شاہ عالم تا حویلی پالم)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دہم صفحہ ۳۲۶ تا ۳۲۸۔

(۳) نجابائی پرشاد صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں کہ

(سیدوں کے عہد میں سرہند۔ میوات۔ جالندھر۔ علی گڑھ۔ اٹاوہ جونپور۔ بدایوں۔ مالوہ۔ گکھڑ۔ وغیرہ کے حاکموں سے خراج وصول کرنے کے لئے ہر سال ایک مہم یا قافلہ بادشاہ کی طرف سے بھیجا جاتا تھا۔ ان بادشاہوں کا عہد صرف اسی جد و جہد میں گذر گیا کہ کسی طرح دہلی میں ہی اپنی حکومت بنائے رکھیں۔ وغیرہ)

دیکھو تاریخ راجستھان جلد اول صفحہ ۲۶۷۔

(۴) سید محسن مرزا صاحب ایم۔ اے اور عبد الحمید خاں صاحب نیازی ایم۔ اے۔ پروفیسران ہسٹری لکھتے ہیں کہ

(فیروز شاہ کی وفات کے بعد ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ تغلق بادشاہ صرف برائے نام بادشاہ رہ گئے۔ ان کی حکومت دہلی سے صرف پانچ سات کوس تک ارد گرد رہ گئی۔ مگر امیر تیمور کے حملے نے اس خاندان کا بالکل خاتمہ کر دیا۔ اسی طرح خاندان سادات میں سید خضر خاں تغلقوں کی کھوئی ہوئی سلطنت کو واپس نہ لے سکا۔ اس خاندان کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ اس کے بادشاہوں کا کوئی سکہ تک جاری نہ تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی شان و شکوہ کچھ بھی نہ تھی)

تاریخ ہند مطبوعہ کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۷۰ و ۱۷۱۔

(۵) مولوی ذکاء اللہ صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ

(سیدوں کی سلطنت میں جو تمام چھتیس سال رہی خضر خاں نے نہ کبھی
عہدیداران سلطنت کے خوف سے اپنا نام بادشاہ ہی نہ رکھا۔ اس کا
بیٹا مبارک شاہ تھا جو فسادیوں کے ہاتھ سے شہید ہی مارا گیا۔ اس کے بعد
محمد شاہ اور علاء الدین صرف نام کے بادشاہ تھے۔ ان کی سلطنت
صرف دہلی کے گرد چند میل تھی۔ اس خاندان کے زمانہ میں امرا کا حال ایسا رہا کہ
یہاں کی سلطنت میں نوعی حکومت کی جھلک نظر آتی تھی۔ مسلمان بادشاہ
اور ہندو راجہ آزادانہ خود مختاری کے ساتھ حکومت کرتے تھے)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۳۰۳۔

(۶) مولوی عبدالحمید صاحب ایم۔ اے۔ و من موہن صاحب ایم۔ اے۔ پروفیسران
گورنمنٹ کالج لاہور لکھتے ہیں کہ

(خضر خاں اور اس کے جانشینوں کے عہد کو عہد سادات کہتے ہیں۔
لیکن ان کی سلطنت برائے نام تھی۔ ہندوستان میں ان کے زمانہ میں
مختلف علاقوں میں امیر اور صوبیدار خود مختارانہ طور پر حکومت کرتے تھے۔
کیونکہ سلطنت دہلی بہت ہی کمزور ہو گئی تھی)

دیکھو تاریخ ہند حصہ اول مطبوعہ گلاب سنگھ اینڈ سنز لاہور ۱۹۲۹ء
۱۸۳۔

اس خاندان کے صرف ایک بادشاہ بہلول لودھی کی طرف

۳۔ لودھی خاندان = یہ لڑائی احمد خاں خانزادہ سے ہوئی تھی۔ اس کے
بعد جو دو بادشاہ سکندر شاہ اور ابراہیم شاہ ہوئے۔ ان کے زمانہ میں کوئی
لڑائی خانزادوں سے نہیں ہوئی بلکہ ناطے رشتوں کی وجہ سے دوستی قائم ہوگئی۔
اور خانزادے اور پٹھان لوگ ایک دوسرے کے نہایت غمخوار اور مددگار
بن گئے تھے۔

سوئم۔ ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق غیر ملکی مورخوں کی رائیں۔

(۱) غیر ملکی مورخوں نے ہندوستانی مسلمانوں کا درجہ ہندوؤں کے برابر ہی سمجھا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی راجہ حسن خاں خانزادہ کو اکبر کے خوش کرنے کے لئے کافر کلمہ گو لکھتا ہے اور اس کی موت کی بابت لکھتا ہے کہ

(او در چاہ جہنم سے افتند۔)

(۲) خود بابر بادشاہ نے بھی اپنی توزک میں حسن خاں خانزادہ کو کافر نعمت، مرتد۔ ملحد۔ احسان فراموش۔ ہندوؤں سے رغبت رکھنے والا وغیرہ بیان کیا ہے۔

(۳) خاندان تیموریہ کے خوشامدی مورخوں نے بابر کے حملے کو جائز ثابت کرنے کے لئے ہندوستان کو دارالحرب لکھا ہے حالانکہ اس وقت یہاں لودھی پٹھان حکومت کرتے تھے۔

(۴) امیر تیمور کے ہمراہی بڑے بڑے عمامے باندھنے والے اور مولویانہ صورت بنانے والے علماء نے ہندی مسلمانوں کو ہندوؤں کے حکم میں داخل کرکے ثواب اور جہاد کی نیت سے اپنے ہاتھوں سے قتل کر ڈالا۔

(۵) محمد قاسم فرشتہ نے خان جہان نامی ایک سردار کو صرف اس قصور پر کافر لکھدیا ہے کہ اس نے سنکٹ رائے ہندو حاکم کو تاتار خاں کے برخلاف مدد دی تھی۔

(۶) ابوالفضل نے شیر شاہ اور اس کے بیٹے سکندر شاہ سوری کو نمک حرام اور کافر نعمت لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔

چہارم۔ مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ = مندرجہ بالا بیانوں میں مندرجہ ذیل باتیں تاریخی حوالوں سے بخوبی ثابت ہو چکی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

کہ تعلق سادات اور لودھی بادشاہوں کی جو لڑائیاں خانزادوں سے ہوئیں ان میں بادشاہوں کو کوئی حقیقی فتح کبھی حاصل ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ بادشاہوں کو خراج تک خانزادے لوگ نہیں دیتے تھے۔ اور یہ بادشاہ خراج وصول ہو جانے کو ہی

بڑی معراج اور فتح سمجھتے تھے ۔ دوئم یہ کہ تمام مندرجہ بالا بادشاہوں کی کمزوری کسی نہ کاہلی اور نااہلی کی وجہ سے ہمیشہ ان کے زمانہ میں طوائف الملوکی ۔ بدنظمی اور بغاوت پھیلی رہتی تھی ۔ اسی وجہ سے یہ بادشاہ خانزادوں کو بار بار شکست دینے کے قابل ہی نہ تھے ۔ سوئم یہ کہ جتنی ان نالائق بادشاہوں کی لکھی گئی ہیں ان کے لکھنے والے غیر ملکی مورخ تھے ۔ جنہوں نے ہندوستانیوں کی کمزوریاں اور شکست اور اپنی حکومت کی مدح و ستائش مبالغے کے ساتھ لکھی ہیں ۔ چہارم یہ کہ ان مورخوں نے خانزادوں کی بغاوت اور میوات کی مالگذاری ادا کرنے کا نام نافرمانی ۔ سرکشی ۔ وعدہ خلافی لکھا ہے ۔ لیکن ان کی ان تحریروں سے بھی خانزادوں کی شکست یا کمزوری ثابت نہیں ہوتی ۔ کیونکہ باغی نافرمان اور سرکش بھی زبردست ہی ہو سکتا ہے نہ کہ کمزور ۔

مبارک شاہ اور اس کے وزیر پانچ چھ دفعہ جلال خاں ثانی میواتی سے مالگذاری وصول کرنے کے لئے میوات میں آئے ۔ لیکن ان کی ہر واپسی کے بعد خانزادے لوگ باغی ہوتے رہے ۔ اپنے دشمن کی ایک یا دو خطا تو معاف ہو سکتی ہیں ۔ لیکن اتنی خطاؤں بغاوتوں اور سرکشیوں کے بعد بھی خانزادوں کے پاس ملک میوات کو برقرار رکھنا ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتا ۔ ان باتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ درحقیقت بادشاہ کو حقیقی فتح کبھی حاصل ہی نہیں ہوتی تھی ۔ اور یحییٰ بن احمد مصنف تاریخ مبارک شاہی نے خراج وصول کرنے کا نام بھی فتح رکھ دیا ہے ۔ حالانکہ اس میں بھی وہ بار بار ناکام واپس جاتے تھے ۔

خانزادگان میوات کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ وہ شاہان دہلی کو اپنا شاہنشاہ صرف برائے نام ہی سمجھتے تھے ۔ اسی وجہ سے میوات کا خراج ادا کرنا گوارا نہ کرتے تھے ۔ لیکن جب شاہنشاہ دہلی زبردستی خراج وصول کرنے کی کوشش کرتے تھے ۔ تو خانزادے اس کو اپنے اندرونی انتظام میں مداخلت بیجا سمجھ کر اسے ہرگز پسند نہ کرتے تھے ۔

کیونکہ یہ لوگ میوات کے اندر ہمیشہ آزادی اور خودمختاری کے ساتھ حکومت کرنے کے عادی تھے ۔ اس لئے مداخلت کی صورت میں بلا تامل بادشاہوں سے الجھتے تھے ۔ اور اپنی خودمختاری کو قائم رکھتے تھے ۔ اگر بادشاہوں نے میوات پر حملے کر کے

اس کو لوٹا کھسوٹا تو خانزادوں نے بھی اس کے بدلے میں فوج دہلی تک ملک کو لوٹ کھسوٹ کر تاراج اور برباد بناتے رہے۔ اور بادشاہوں کو دق اور تنگ کرتے رہے۔ اور ترکی بترکی جواب دینے میں کبھی کوتاہی نہ کرتے تھے۔

مسٹر اسی۔ اے۔ بیکٹ صاحب گزیٹیر الور میں لکھتے ہیں کہ

(جو تاریخی روایتیں جلال خان والئی میوات کے متعلق لکھی گئی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جلال خاں اور ان کے آباؤ اجداد کا خاندانی دعوے شاہان دہلی کی مخالفت تھا۔ کیونکہ وہ میوات پر ہمیشہ خود مختارانہ حکومت کرنا چاہتے تھے۔)

اس خود مختاری کو قائم رکھنے میں قدرت نے بھی بخوبی ان کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ

(حسن خاں وغیرہ خانزادے شاہان دہلی کے برائے نام مطیع تھے۔ انکے زمانہ میں ملک میوات کے اندر سلاطین دہلی کو مستقل حکومت کرنی کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ میوات کا علاقہ بہت فراخ ہے اس میں پہاڑ اور خودرو جھاڑیاں ایسی ہیں جن میں ان میواتی سرداروں کو حملے کے وقت پناہ لینے کا خوب موقعہ مل جاتا تھا۔ چنانچہ جب کبھی ان پر دہلی کی طرف سے فوج کشی ہوتی۔ تو یہ لوگ برابر مقابلہ کرتے تھے۔ لیکن جب کبھی میدان میں جم کر مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ تو فوراً پہاڑوں میں جا گھستے تھے۔ جس کی وجہ سے حملہ آور اکثر بار محروم و ناکام ہو کر واپس لوٹتے تھے)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد سوئم صفحہ ۱۱۰۔

خانزادوں نے بھی رانا پرتاپ اور سیواجی کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ اگر میدان میں کامیابی نظر نہ آتی دیکھتے تھے۔ تو جنگی قواعد اور حکمت عملی کی رو سے وہ بنا مقام جنگ پہاڑوں کو بنا لیتے تھے۔ جس طرح اکبر اور جہانگیر کے مقابلہ میں رانا پرتاپ سنگھ اور اورنگزیب کے مقابلہ میں سیواجی کیا کرتا تھا۔

ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ

(جب رانا پرتاپ سنگھ نے کھلی لڑائیوں میں کام بنتے نہ دیکھا۔ تو اس نے

سب میو-گوں کے نقش قدم پر قدم رکھتے ہوئے نیا اور میدان کو چھوڑ کر
کوہستانی قلعوں میں چلا گیا)

دیکھو تاریخ راجستھان جلد اول صفحہ ۷۱۷ -

بالکل اسی کے مطابق خانزادوں نے بھی بادشاہان دہلی کے مقابلہ میں طریقہ
حکمت عملی اختیار کی تھی -

خانزادوں کے زمانہ کی حکومت کے متعلق مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی
یہ بھی لکھتے ہیں کہ

(اکبر سے پہلے ہندوستان میں دستور تھا کہ امرا اور حاکم لوگ اپنے اپنے
علاقوں میں خود مختار بادشاہ ہوتے تھے - اور صرف برائے نام ہی بادشاہ
دہلی کی اطاعت کرتے تھے - بادشاہان دہلی ان کے اندرونی انتظامات میں
مطلق دخل نہ دیتے تھے - بلکہ فقط اپنے شاہی دربار اور میدان جنگ میں
ہی حکمراں ہوتے تھے)

تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۳ -

مسٹر سی - اے - بیکلے صاحب لکھتے ہیں کہ

(مبارک شاہ بادشاہ نے ۱۴۲۵ء میں میوات پر چڑھائی کی - میواتی
خانزادے تجارہ کی پہاڑیوں میں جا کر چھپ گئے - یہ پہاڑیاں ایسی ہیں کہ بادشاہ
کو اکثر بار بغیر اُن کے فتح کئے ہوئے ہی دہلی کو واپس جانا پڑتا تھا -)

گزیٹیر الور صفحہ ۱۷۱ -

یہی صاحب ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

(جلال خاں والی میوات نے عبد احمد خاں اور مبارک خاں کے جو کہ اس
کے خاندان میں سے تھے ایک فوج الور کے قلعہ میں جمع کی - اور ایسی بہادری
سے لڑے کہ بادشاہی فوج کے کمانڈر کو مجبور ہو کر واپس جانا پڑا -)

دیکھو گزیٹیر الور صفحہ ۱۶۹ -

مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی یہ بھی لکھتے ہیں کہ

(مبارک شاہ بادشاہ نے ۱۴۲۵ء میں میوات پر چڑھائی کی اس وقت

تمام ملک میں سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ اس لئے فوج نے کوچ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس وقت میں غلہ اور گھاس کی بھی بہت کمی تھی اور جس جگہ بادشاہی لشکر ٹھہرا ہوا تھا وہ بھی کچھ اچھی نہ تھی۔ اس وجہ سے دہلی کو واپس لوٹ گیا)

دیکھو تاریخ ہندوستان جلد دوئم صفحہ ۳۱۰۔

محمد قاسم فرشتہ بھی یہی لکھتا ہے کہ

(جب مبارک شاہ نے ۸۲۸ھ میں میواتیوں کی طغیانی کی خبر سنی۔ تو اس طرف نہضت فرمائی۔ میواتی خانزادے اپنی ولایت خالی کرکے کوہ جھر میں در آئے۔ اور سلطان عسرت غلہ۔ اور نایابی علف اور قلت جگہ کے سبب سے مراجعت کرکے دہلی میں آیا۔)

دیکھو ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۳۸۔

ان تمام حوالوں سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ شاہان دہلی کو خانزادوں پر کبھی بھی اصلی اور حقیقی فتح نصیب نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ یہ اکثر بار بادشاہ کو مالگزاری بھی ادا نہیں کرتے تھے۔ اور بادشاہ ہمیشہ فتح سے ناکام اور محروم ہو کر واپس لوٹتے تھے۔ اور اس محرومی اور ناکامی کو کبھی تو فوج کے کوچ کے انکار اور کبھی فوج کے لئے اچھی جگہ نہ ملنے بلکہ پہاڑی اور ناہموار ہونے یا قحط پڑ جانے یا موقعہ جنگ پر بادشاہ کے بیمار پڑ جانے یا غلہ اور گھاس کی کمی ہونے وغیرہ کی مہمل اور لچر تاویلوں سے غیر ملکی مورخوں نے چھپایا ہے۔

امید ہے ہمارے اس تبصرہ کو غور سے مطالعہ کرنے کے بعد ناظرین پر ضرور اصل حقیقت روشن ہو جائے گی۔ اور یہی ہمارا مقصود و مدعا ہے۔

235



بہادر ناہر خاں مورث اعلیٰ خانزادگان

بہادر ناہر خاں کو شکار کا بہت شوق تھا۔ تیر کا نشانہ بہت بے خطا لگاتے تھے جس ت فیروز شاہ کا نشانہ شیر کے شکار پر خالی گیا اور بہادر ناہر خاں نے جانبازی سے آگے بڑ اس جھلاتے ہوئے شیر کو ایک ہی ضرب میں مار ڈالا تھا جس سے بادشاہ مذکور کی جان بچی اس روز سے انہیں کو شاہی دربار میں جانے کا موقعہ حاصل ہو گیا تھا اور یہی شکار کا موقع اس کے لئے آئندہ ترقی درجات کا باعث بن گیا جسکی بدولت فیروز شاہی دربار میں رسائی حاصل ہو گئی۔

اس شاہی قدر دانی اور عزت افزائی اس کو اسلام میں داخل ہونے کی طرف راغب بنا دیا جس کا مفصل ذکر پہلے آ چکا ہے۔

اسلام لانے کے بعد فیروز شاہی دربار میں اس کو اپنی بہادری، لاوری۔ شجاعت، ہمت اور لیاقت خداداد کی بدولت بڑا اقتدار اور رسوخ حاصل ہو گیا اور رفتہ رفتہ شاہی مسند داں میں داخل ہو گیا فیروز شاہ کی وفات کے بعد اس کی قسمت نے اور بھی زیادہ یاوری کی اس نے کوٹلہ کے پہاڑ پر اپنی سکونت اور حفاظت کے لئے ایک نہایت مضبوط قلعہ مثل فیروز شاہی قلعہ کے نمونہ پر ۱۳۸۸ء میں تعمیر کرایا جس کا نام تاریخوں کے اندر کوٹلہ بہادر ناہر لکھا گیا ہے اس قلعہ کے کھنڈرات آجتک ملتے ہیں۔

اس قلعہ کے ساتھ ہی ایک مسجد بھی کوٹلہ میں بنوائی تھی جو دہلی کی جامع مسجد سے ملتی ہے یہی وہ قلعہ ہے جس میں بیٹھکر شاہان دہلی کا مقابلہ کیا جاتا تھا اور شاہان دہلی اپنی خانہ جنگیوں کے موقعوں پر اکثر بار اپنے دشمنوں سے بچنے کے لئے اسی قلعہ میں بہادر ناہر کے پاس آکر پناہ لیتے تھے۔

مسٹر سی۔ اے۔ ہینٹ صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

فیروز شاہ تغلق کی وفات یعنی ۱۳۸۸ء کے بعد بہادر ناہر میواتی جسکا ہندوانی نام سانبر پال تھا ایک شخص ہوتا ہے جس کا قلعہ کوٹلہ تجارہ کی پہاڑیوں میں ہے اس بہادر ناہر کی دہلی دربار میں بڑی زبردست شخصیت تھی جو بہادر ناہر جو کہ پیدائشی جادو قوم کا تھا خانزادہ قوم کا مورث اعلیٰ ہوا ہے جس کی سلطنت کی تاریخ بعد...

مشہور ہو گئی تھی۔ گزیٹیر ۱۰ صفحہ ۱۰۷۔

• کتاب خیر المجالس ملفوظات حضرت نصیر الدین صاحب چراغ دہلوی میں تمہید قلندر شاہ لکھتے ہیں۔ کہ بعہد فیروز شاہ باربک ۸۶۳ھ میں پہلے پہل جس جادو بنسی راجپوت نے غارت فرمانبرداری دین و مذہب کا دوش پر اپنے رکھا اور آبیاری کلمہ طیبہ سے گلزار ایمان کو سیراب و سیراب و شاداب بنایا وہ ناہر خان مورث اعلیٰ قوم خانزادہ میوات ہوا ہے جس کے مولد کا زاد بوم مقام تہن گرٹھ علاقہ بیانہ ہے اقبال کی رہبری سے وہاں سے برآمد ہو کر اپنی ہمت و شجاعت کی بدولت ملک میوات کو تاخت و تاراج بنایا۔

— بہادر ناہر خان نے اپنی حکومت کے زمانہ میں نکوم قوم کو جو کہ چوہانوں کی ایک شاخ تھی اور وہ میورت میں پھیلی ہوئی تھی جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا اور قلعہ الور ان سے چھین لیا جس کی مختصر کیفیت یہ ہے:۔

— یہ نکوم قوم درگا دیوی کی بہت پرستش کرتی تھی ان کو اس دیوی پر بہت بڑا اعتقاد تھا آجتک بھی اس دیوی کی مورت الور کے قلعہ میں موجود ہے اور ریاست کی طرف سے اس کے مقررہ خرچ کے لئے سالانہ خرچ دیا جاتا ہے۔

یہ نکوم لوگ بڑے ظالم اور سفاک تھے ہر روز ایک آدمی کو جو کسی اونی قوم کا ہوتا تھا اس درگا دیوی پر نذر چڑھاتے تھے ایک غریب ڈومنی تھی جو درگا دیوی کے مندر میں پوجا کے وقت بھجن گایا کرتی تھی اتفاقاً ایک روز اس کا لڑکا نکوموں نے دیوی کی بھینٹ چڑھا دیا ڈومنی بچاری کو اس کا بہت رنج ہوا مگر قہر درویش بر جان درویش یہ غریب ان ظالموں کا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ آخر صبر و شکر کر کے بیٹھ رہی مگر اندرونی طور پر انتقام کی آگ اس کے سینے میں بھڑکتی رہی اور بدلا لینے کی تجاویز سوچتی رہی آخر ایک روز اس نے بہادر ناہر خان کے پاس جا کر اپنی درد بھری کہانی ایسے انداز میں رو رو کر سنائی کہ بہادر ناہر خان نے بھی ان ظالموں سے بدلا لینا اپنا ضروری فرض سمجھا۔

ڈومنی نے اپنا بدلا لینے کی یہ ترکیب بتائی کہ فلاں روز یہ لوگ تمام رات درگا دیوی کی پوجا کرتے ہیں اور اس پوجا کے ختم ہونے تک ہتھیار وغیرہ پاس نہیں رکھتے اس لئے آپ قلعہ کی دیوار کے نیچے گھات لگائے بیٹھے رہیں جس وقت قلعہ میں سے میں الکھ نیچے پھینکوں تو سمجھ لینا کہ اب قلعہ پر حملہ کرنے کا وقت ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا رات بھر بہادر ناہر کی فوج قلعہ الور کی دیوار

کہ پنچ نامو تھی پوری تھی۔ سب خبر دی گئی نے وقت مقررہ پر قلعہ سے پیچھے ... تو پیچھے ... وقت ... قلعہ میں گھس گئی اور تمام ظالم بھومیوں کو قتل کر ڈالا اور قلعہ پر اپنا قبضہ جما لیا۔ جس جگہ سے قلعہ میں داخل ہوئی تھی وہ جگہ اب تک ... کا دروازہ کہلاتی ہے۔

اس فتح کے بعد تمام میوات شمالی بہادر ناہر کی حکومت قائم ہو گئی اور کوٹلہ کے چوہان رئیس ہاہاری بھی بہادر ناہر کا فرمانبردار بن گیا۔

کہتے ہیں یہ علاقہ پہلے بھی راجہ چوہان کے تحت میں تھے جن کا سرغنہ پرتھوی راج تھا جو پرتھی راج کا قریبی رشتہ دار تھا اگرچہ پرتھی راج کے مارے جانے کے بعد دہلی کی حکومت مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی تھی۔ لیکن یہ چوہان لوگ ریاستی حیثیت سے میوات میں پائے جاتے ہیں۔ کچھ بڑگوجر لوگ بھی میوات میں آباد تھے جن کو پرتھی راج نے اپنے زمانے میں ڈھونڈھ کے علاقے سے بلا کر مسلموں پر ظلم کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔

غرض الور سے لیکر بھونہ اور پنوگڑھ تک یہی لوگ آباد تھے قصبہ بھینے کی پاس پہاڑ پر جو قلعہ بنا ہوا ہے کہتے ہیں وہ بھی چوہانوں کا بنایا ہوا ہے۔"

جب فیروز شاہ تغلق پر ۷۸۹ھ میں بوجہ بڑھاپے کے ضعف غالب ہو گیا تو اس نے اپنے وزیر خان جہاں کو سلطنت کا کام سپرد کر دیا خان جہاں نے فیروز شاہ اور اس کے بیٹے محمد خاں میں عداوت کرا دی۔ تاکہ خود بادشاہ بن بیٹھے لیکن جلدی یہ راز فاش ہو گیا خان جہاں وزیر محمد خاں کے خوف سے بھاگ کر میوات بہادر ناہر سے پناہ کا طالب ہوا۔

بہادر ناہر نے اپنے ماتحت سردار کوٹلہ کے چوہان رئیس ہاہاری کے پاس بھیج دیا۔ لیکن محمد خاں نے سکندر خاں کو اس کے پکڑنے کے لئے بھیجا کوٹلہ کا مذکور خان جہاں کی حفاظت نہ کر سکا تاچار اس نے وزیر مذکور کو سکندر خاں کے حوالہ کر دیا اس کے بعد فیروز شاہ کسی بات پر شاہزادہ محمد خان سے بھی ناراض ہو گیا اس لئے اس نے اپنے پوتے تغلق شاہ کو امرا کے مشورہ سے بادشاہ بنایا۔ تغلق شاہ نے اپنے وزیر تاج الدین کو اور میوات سے بڑھ کر بہادر ناہر کو ایک بڑا لشکر دیکر شاہزادہ محمد خاں کو شکست دینے کے لئے بھیجا ان دونوں میں لڑائی ہوئی جس میں ناصر الدین محمد خاں نے شکست کھائی وہ بھاگا بھاگتا ہوا قلعہ نگر کوٹ میں جا پہنچا بہادر ناہر اور خان جہاں معرفت تاج الدین واپس لوٹ آئے۔

پھر ۹ جمادی الاول سنہ ۷۹۲ھ میں محمد شاہ کی لڑائی فیروز آباد میں ابو بکر سے شروع

ہوئی تو ابوبکر نے اپنی مدد کے واسطے بہادر ناہر کو میوات سے بلوایا۔ وہ بہت بڑا لشکر لیکر شہر دہلی داخل ہوا جس سے ابوبکر بہادر کی پشت اور باہمت ہوگیا اس مدد کے آنے سے ابوبکر دوسرے دن فیروز آباد سے نکل کر محمد شاہ سے لڑا اور بہادر ناہر کی مدد سے محمد شاہ کو شکست دی اس لڑائی کا حال ملا عبدالقادر بدایونی اس طرح لکھتے ہیں کہ۔

ابوبکر شاہ معتقویت بہادر ناہر خاں خانزادہ میواتی صف آرائی کردہ بتاریخ نہم جمادی الاول سن مذکور در میدان فیروز آباد محمد شاہ جنگ کردہ فیروز گشت منتخب التواریخ جلد اوّل صفحہ ۲۵۹۔

محمد شاہ مذکور جمنا سے پار اتر کر جالیسر کو بھاگ گیا۔ کچھ عرصہ بعد ابوبکر کے ایک سردار اسلام خاں نے اس سے ناراض ہوکر ایک عرضی محمد شاہ کے پاس بھیج کر اس بلایا۔ ابوبکر اس حال سے خبردار ہوکر اور ایک جماعت اپنے خاص معتمدوں کی لیکر بہر میوات میں بہادر ناہر کے پاس آیا محمد شاہ نے ابوبکر سے لڑنے کے لئے ایک جرار لشکر میوات میں بھیجا۔ آخر ماہ محرم سنہ ۷۹۲ھ میں بہادر ناہر کو اپنا مددگار بناکر ابوبکر شاہ بھی لڑائی کے لئے قلعہ کوٹلہ سے نکلا۔ باہم لڑائی ہوئی ابوبکر نے کچھ آدمیوں کو مارا۔ مگر محمد شاہ کا بیٹا ہمایوں خاں خوب جم کر لڑا جس سے ابوبکر اور بہادر ناہر ناکام ہوکر قلعہ کوٹلہ میں واپس گئے محمد شاہ نے قلعہ کوٹلہ کو گھیر لیا ناچار ابوبکر اور بہادر ناہر صلح کرنے پر مجبور ہوئے محمد شاہ نے بہادر ناہر کو تو خلعت و انعام دیکر رخصت کر دیا۔ اور وہ قلعہ کوٹلہ میں واپس آگیا لیکن ابوبکر کو اپنے ہمراہ لیجاکر قلعہ میرٹھ میں قید کر دیا چنانچہ وہ اسی قید میں مر گیا۔

ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ

در ماہ رمضان سن مذکورہ میسر چپ و بعضے از بندگان فیروز شاہی لیسے از اسباب از ابوبکر رنجیدہ بودند۔ پنہانی خطوط بہ محمد شاہ نوشتہ اور استدعا نمودہ۔ وابوبکر شاہ بعد از وقوف بر آں حال بے دست و پا شدہ بہ تقریب استمداد از بہادر ناہر روئے بجانب کوٹلہ میوات نہاد۔ و بعد ازیں حادثہ کر متوالنسے بست۔ و ہم دریں کوٹلہ بود۔ تا آنکہ بکوچ متواتر محمد شاہ بر سر ابوبکر رفت۔ و بہادر ناہر میواتی و ابوبکر شاہ کہ پناہ بہ او بردہ بودند بعد از جنگ بسیار امان خواستہ محمد شاہ را دیدند۔ و بہادر ناہر خلعت و نوازش یافت و ابوبکر شاہ را در قلعہ میرٹھ محبوس ساختند۔ تا بہ ہماں حبس از حبس خانہ دنیا رست)

دیکھو منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۲۶۱۔

چونکہ بار بار ابوبکر شاہ کو مدد دیتے اور بغاوت و سرکشی اختیار کرنے سے محمد شاہ بادشاہ بہادر ناہر خاں سے ناراض ہو رہا تھا اس وجہ سے ماہ شوال ۷۹۵ھ میں پھر اس نے میوات میں آکر اسے تاراج و برباد کیا اور وہاں سے جالیسر جاکر بیمار پڑ گیا۔

لیکن جب اس نے پھر یہ خبر سنی کہ بہادر ناہر پھر باغی بن بیٹھا ہے اور دہلی کے گرد و نواح کے بہت سے مواضعات کو لوٹ کھسوٹ کر غارت و برباد کر دیا ہے اور دارالسلطنت کے نزدیک ہی غارتگری میں مشغول ہے تو ناچار وہ اسی بیماری کی حالت میں پھر میوات کی طرف آیا جب کوٹلہ کے نزدیک پہونچا تو بہادر ناہر مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا لیکن خونریز لڑائی کے بعد پھر قلعہ کوٹلہ میں داخل ہو گیا اور وہاں سے جھرکے پہاڑوں میں چلا گیا محمد شاہ مجبور ہو کر اور بیماری کے غلبہ کی وجہ سے دہلی کو واپس چلا گیا اور ۱۷ ربیع الاول ۷۹۶ھ میں مر گیا۔

ابوبکر اور محمد شاہ کے زمانہ میں یہ دو باتیں قابل غور ہیں اول یہ کہ ان دونوں بادشاہوں کے ہندو اور نومسلم لوگ بڑے طرفدار اور ہواخواہ تھے اور بڑی گرمجوشی سے انکی طرف سے لڑائیوں میں اپنی جانیں نثار کرتے تھے چنانچہ بہادر ناہر تو اپنی فوج کو لیکر ابوبکر کی طرف سے جان لڑاتا تھا اور رائے سر وغیرہ ہندو رائے اور رانا محمد شاہ کا دم بھرتے تھے گویا مسلمان بادشاہوں کی سلطنت کو خانزادے اور ہندو لوگ تقویت دیتے تھے دوئم یہ کہ جب سے سلطنت ہند کا تعلق خاندان غور سے منقطع ہو کر خاندان تغلق سے وابستہ ہوا ہے اسی وقت سے خانزادوں کی قدر و منزلت شاہی درباروں میں برابر بڑھتی چڑھتی چلی گئی اور ان دونوں بادشاہوں کے زمانہ میں تو ان کا عروج بہت بڑھ گیا تھا۔

چند روز بعد بہادر ناہر نے ناصر الدین محمود سے ناراض ہو کر اپنے پوتے اقبال خاں عرف ملو خاں کو اپنے ساتھ ملا کر ناصر الدین محمود اور نصرت شاہ میں خانہ جنگی کرا دی اور فیروزآباد اور دہلی میں الگ الگ دو بادشاہ پیدا کر دئے ان دونوں میں تین سال تک برابر خانہ جنگی ہوتی رہی۔ سلطان محمود نے بہادر ناہر کو بڑی جمعیت کے ساتھ دہلی کہنہ کے قلعہ میں حاکم مقرر کر دیا اور ملو خاں کو اقبال خاں کا خطاب دیکر قلعہ سیری سپرد کیا اور اپنا وزیر انتظم بنا لیا انہیں ایام میں سلطان محمود اور نصرت شاہ کی خانہ جنگیوں کی خبر سن کر امیر تیمور نے محرم ۸۰۰ھ میں دریائے سندھ سے عبور کرکے ہندوستان میں آیا اس نے ہندوستان کو اور شہر دہلی کو خوب لوٹا کھسوٹا جب واپس جانے لگا تو چلتے وقت فیروزآباد میں آیا اس نے وہاں سے ایک سفارت کوٹلہ کے مقام پر بہادر ناہر کے پاس بھیجی

رانا مذکور کی سنگ دلی پر ہزار افسوس ہے جس نے ایسے میدان جنگ کے شیر کو جس نے اپنی عمر میں بہت سے بہادروں کو نیچا دکھایا تھا فریب کے آہنی قفس میں محبوس کر کے قتل کرڈالا ایک شاعر نے بہادر ناہر کی وفات کا ایک قطعہ لکھا ہے۔ شعر

تیغ ستم چو بر سر ناہر شدہ رواں ۔ اقبال تیغ و دیگ ہمہ از جہاں برفت

ہاتف بگفت از سر افسوس ایں سخن ۔ ناہر بخواب دائمی سوئے جناں برفت

جب بہادر ناہر کے قتل کی خبر تجارہ میں اس کے بیٹے ملک علاء الدین خاں کو معلوم ہوئی تو اس کی رگ حمیت جوش میں آئی اس وجہ سے وہ اپنے باپ کے خون کا بدلا لینے کے واسطے بہت سویرے اپنے رفیقوں اور عزیزوں کو ہمراہ لیکر برق و باد کی مانند جہاد مود اس پہونچکر رانا مذکور کو مکان کے اندر معہ اس کے اہل و عیال کے قتل کر دیا اور اس کے تمام مکانوں میں آگ لگادی اور بدلا لینے کے بعد اپنے باپ کو کوہ بلوتا متصل جہاسو داس پرگنہ تجارہ میں دفن کر کے صحیح و سلامت تجارہ واپس آیا اور اس طرح ایک لائق اور بہادر بیٹے نے اپنے باپ کے خون کا بدلا لیکر یعنی خودداری کا پورا ثبوت دیدیا۔

بہادر ناہر کے نو بیٹوں میں ان کا مقبوضہ علاقہ حسب تفصیل ذیل تقسیم کیا گیا تھا

نقشہ تقسیم پرگنہ جات در اولاد بہادر ناہر خاں مورث اعلیٰ

نمبر شمار	نام پسر	تعداد پرگنہ جات	نام دار الریاست	نام پرگنہ جات و محالات
۱	شاہ محمد خاں	۲	ریواڑی	جھجر۔ ریواڑی۔
۲	بہادر خاں	۲۲	الور	حویلی الور۔ بہادر پور۔ بالیٹہ۔ ڈونگر پور۔ ڈوبکہ بہروز۔ اسمٰعیل پور۔ کھلورہ۔ ہرکول۔ بیرا کھٹہ۔ تھانہ موج پور۔ ہرسانہ۔ حاجی پور۔ حسن پور۔ بڑودہ میو۔ بڑودہ فتح خاں۔ گھاٹہ۔ سوانہ۔ مونگانہ منڈاور۔ بجھیڑہ ہرسورہ
۳	ملک علاء الدین خاں	۱۴	تجارہ	حویلی تجارہ۔ رنگن۔ ہرسولی۔ نہانہ۔ شاہ آباد۔ ہنڈوری۔ سوراورس۔ کل گاؤں۔ موسے پوادوپور

نمبر شمار	نام پسر	تعداد پرگنہ جات	نام دارالریاست	نام پرگنہ جات و محالات
۴	شہاب خاں پسر	۱۰	پہاڑی	بھنگوں۔ ہیڑی۔ تھمری پور۔ پاٹن۔ گوکولا۔ پہاڑی۔ ساکرس۔ پہادس۔ چگراں۔ بھوارٹ۔ فاضل پور شیر پور۔ کھوہ کلاں۔ ٹی نگرہ۔ کھنساؤں
۵	ملک محمود خاں عرف آٹھ دو خاں	۱۰	اندور	اندور۔ بہوڑہ۔ ہیرا۔ تاوڑو۔ ناتووکی۔ سرہیلی۔ کوٹلہ دہوج۔ پہاڑی۔ ماہم دلی۔ گھمرنگا
۶	سراج خاں	۱	شہنہ	شہنہ
۷	نور خاں	۶	نوح	نوح۔ بڑولی۔ دوجینہ۔ اوٹری۔ ارمرہ۔ کمرحلہ
۸	نظام خاں	۳	مانڈی کھیڑہ	مانڈی کھیڑہ۔ نگینہ۔ سانٹھاواڑی
۹	فتح خاں	۳	کلینجر	کلینجر۔ سونکھ۔ سوبگھری

شاہ محمد خاں پسر اول بہادر ناہر خاں جاگیردار

پرگنہ جھجر و ریواڑی

شاہ محمد خاں عمر میں اپنے سب بھائیوں سے بڑے تھے باپ کی طرف سے جاگیر میں ان کو دو پرگنہ جھجر اور ریواڑی ملے تھے۔ ریواڑی کو اپنی دارالریاست بنایا۔

کہتے ہیں ان کا رعب داب اپنے علاقہ میں ظلم کے درجہ کو پہونچا ہوا تھا۔ چنانچہ قصبہ ریواڑی کے رہنے والے بڑے بوڑھے لوگ آجتک بھی ان کے ظلموں کی داستانیں نہایت حسرت و قلق کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس ظلم کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ آج کل ریواڑی کے اندر شاہزادوں کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ سنتے ہیں صرف ایک یادو گھر باقی رہے ہیں اور وہ بھی بہت معمولی حالت میں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اولاد نہیں تھے۔ سچ ہے

چونکہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھی تلوار کا

شاہ محمد خاں کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا فضو سلطان خاں بن بہادر خاں اس کی جگہ مسند نشین ہوا:۔

بہادر خاں پسر دوم بہادر ناہر خاں والیٔ میوات

اگرچہ یہ عمر میں شاہ محمد خاں سے چھوٹا تھا۔ لیکن یہ بہادر ناہر خاں کی تمام اولاد میں سب سے زیادہ باقبال، معزز اور مشہور ہوا ہے۔ باپ کی وفات کے بعد یہی میوات کی حکومت پر گدی نشین ہوا۔ موروثی جاگیر بھی اپنے دوسرے بھائیوں سے اس کو زیادہ ملی تھی قصبہ بہادر پور کو سنہ ۸۰۲ھ میں اس نے خود ہی بسایا تھا۔ اور اسی کو اپنا دار الریاست مقرر کیا۔

میوات میں عام لوگ اس کو بلی بہادر خاں بھی کہتے ہیں اگرچہ ملک علاء الدین خاں تجارہ میں اور شہاب خاں پہاڑی میں مسند نشین ہو کر جاگیردار اور معزز کہلاتے تھے لیکن باوجود اس دولت و ثروت کے اپنے بڑے بھائی بہادر خاں کے ہمیشہ فرمانبردار اور تابعدار رہے

سلطان ناصر الدین محمود کے زمانے میں جو فیروز شاہ باربک کا پوتا تھا بڑی طوائف الملوکی اور ابتری پھیل گئی تھی جس سے اس کے تمام امیر وزیر برگشتہ ہو گئے تھے"

اسی زمانہ میں بلی بہادر خاں نے بھی قصبہ بہادر پور کو بسا کر اس کے اندر ایک قلعہ اور ایک بڑا محل تعمیر کرایا۔ وہ اخیر عمر تک اسی قلعہ میں خدا کی عبادت کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہو گیا اور اسی قلعہ میں دفن ہوا۔ اس کی تاریخ وفات ایک شاعر نے یوں لکھی ہے۔

مرا فکر گریبان گیر گردید — کہ سال فوت او در خامہ آید
شدہ ناگہ مرا ایمانہ ہاتف — وفاتش از بہادر خاں برآید

اس قطعہ میں مادہ تاریخ لفظ بہادر خاں ہے جس سے آٹھ سو تریسٹھ (۸۶۳) برآمد ہوتے ہیں۔ یہی سن وفات ہے گویا خود نام ہی مادہ تاریخ بن گیا۔

بہادر خاں اپنے باپ سے بھی زیادہ کثیر الاولاد ہوا ہے چنانچہ خانزادوں کی بہادری اور کثیر الاولادی کی بابت یہ قصہ مشہور ہو گیا تھا کہ خانزادہ قوم بڑی بہادر اور دلاور ہے جس میں نو ناہر اور بارہ بہادر پیدا ہوئے ہیں یعنی ناہر خاں کے نو بیٹے اور بہادر خاں کے بارہ بیٹے بڑے بہادر اور دلاور پیدا ہوئے ہیں"

یہاں خانزادوں کی تھی جس کی بدولت نامکمل بہادر ناہر خاں کی اولاد سے سرزمین گاؤں آباد ہو گئے جو میوات کے علاوہ صوبہ یو۔ پی۔ بہار اور راجپوتانہ وغیرہ تک پھیلے ہوئے ہیں اگر ان لوگوں میں اتفاق ہوتا تو آج میوات کا نقشہ کچھ اور ہی نظر آتا لیکن افسوس انکی خانہ جنگیوں نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ شعر

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے ۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کہتے ہیں خانزادوں کے چودہ سو چوراسی گاؤں اور قصبے ہیں۔ لیکن آج ان کی آبادی شاید سالم چوراسی گاؤں میں ہی موجود ہو۔ البتہ یو۔ پی۔ بہار اور راجپوتانہ میں اب بھی ایک بڑی تعداد خانزادوں کی موجود ہے جو دریائے گنگا اور جمنا کے میدانی دوآبہ میں بڑی بڑی جاگیروں کے مالک ہیں۔

سنا جاتا ہے راجہ محمود آباد بھی خانزادہ قوم میں سے ہے جس نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا ہے یہ لوگ بابر بادشاہ کے جلاوطن کرنے پر میوات سے وہاں چلے گئے تھے۔

اگرچہ اس جلاوطنی کے بعد سلطان حسین تیمور حاکم میوات اور نواب بیرم خاں وزیر اعظم اکبر کی سفارش پر پھر خانزادوں کو میوات میں واپسی کی اجازت مل گئی تھی اور اس اجازت کے بعد کچھ لوگ یہاں واپس بھی آگئے تھے لیکن پھر بھی ایک بڑی تعداد نے وہاں اپنی مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

بہادر خاں کی اولاد میں بڑے بڑے نامور اور مشہور آدمی پیدا ہوئے ہیں مثلاً قدر خاں جلال خاں۔ فیروز خاں۔ اقبال خاں۔ احمد خاں۔ ملک فخر الدین خاں حسن خاں وغیرہ جن کے بہادرانہ کارناموں سے صفحات تاریخ بھرے پڑے ہیں۔

خضر خاں بادشاہ دہلی سے بھی بہادر خاں کی چھیڑ چھاڑ رہی تھی چنانچہ ۸۱۶ھ میں جب خضر خاں ملکی انتظام کی خاطر رہتک کی طرف گیا۔ تو وہاں سے نارنول پہونچا۔ چونکہ اس زمانے میں بہادر خاں کے قبضے میں تھا خضر خاں نے نارنول کو تباہ و برباد کر دیا اور دل کا بخار نکال کر واپس دہلی چلا گیا۔

بہادر خاں کی دو شادیاں ہوئی تھیں پہلی بیوی چند میرا ضلع بلند شہر کے بڑگوجروں کی بیٹی تھی جس سے سات بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں اکرم خاں۔ فیروز خاں۔ نصر سلطان خاں۔ ملک تاج خاں۔ اقبال خاں عرف ملو خاں۔ ہیم خاں۔ عماد خاں دوسری بیوی کی جو راٹھور ... کی بیٹی تھی جس سے اور عبے سلطان خاں۔ بارنگ خاں۔ شکر خاں۔ ملک فخر الدین خاں۔ منصور خاں۔ غلیس خاں پیدا ہوئے

بہادر خاں کے مرنے کے بعد اس کا مقبوضہ علاقہ حسب تفصیل ذیل اس کے بارہ بیٹوں میں تقسیم ہوا :-

(۱) اقلیم خاں۔ بہادر پور۔ الور۔ فیروز پور جھرکہ۔ ڈونگر۔ بہروز۔ نارنول۔ سمبل پور۔ کہلوڑا۔ بڑودہ میو۔ بڑودہ فتح خاں۔ شاہدرہ۔ بجھیڑہ۔ ڈھوٹی۔ دوب۔ بھٹ کوں۔ بالٹیہ۔ پاٹن۔ سورج پور۔ ہر سانا۔ تن پور۔

(۲) فیروز خاں۔ نوگانوں کلاں۔ فیروز پور جھرکہ۔ اندور۔ سانتھاواڑی۔ کوٹلہ۔ ساکرس۔ نگینہ۔ کرہڑہ۔ جھجراوٹ۔ پنگوان۔ بسی خانزادہ۔ بسیرو۔

(۳) نصو سلطان خاں۔ اپنے نانا شاہ محمد خاں کی جگہ ریواڑی اور جھجر ملا تھا۔ اور سرہٹہ۔ کوٹ قاسم۔ ڈھولیٹ۔ بڑسرہ۔ بجرلکا ہیڑہ حصے میں آئے۔

(۴) کلیتاج خاں۔ ادجنیہ۔ کھوری کلاں۔ گھاگس

(۵) اقبال خاں عرف ملو خاں۔ گھرول۔ تانگل۔ سرولی۔

(۶) ہیم خاں۔ تہانہ کھوڑ۔ کھوہرہ۔ مبارک پور۔ مالپور۔ ملک پور۔ للاونڈی۔ بروارٹہ

(۷) عمادا خاں۔ سینتی۔ برکھونہ۔ سول کھر۔ بسوہ

(۸) ترغنے سلطان یا ترنگ خاں۔ کھیڑلی متصل دوہا۔ راولی۔ پاٹن۔ کھوری۔ نانگل

(۹) لشکر خاں۔ ٹائیں۔ ملک پور

(۱۰) ملک فخر الدین خاں۔ جھنجو۔ گل پور متصل کوٹ۔ کلنجر۔ ملائی۔ ناہر بسادلی

(۱۱) منصور خاں۔ ونٹیلا۔ دہولی۔ بہری۔ انچواڑی۔ بہوتری۔ کٹھولی۔

(۱۲) خلیل خاں۔ ملاٹا متصل تہنہ۔ خلیل پور۔ میلا داس۔ ایسن پور۔ گھاسیڑہ

بہادر خاں کے بارہ بیٹوں میں سے بعض کا سیاسی حال

(۱) اقلیم خاں۔ یہ بہادر خاں کے سب سے بڑا بیٹا تھا باپ کی وفات کے بعد میوات کی حکومت اسی کو ملی اس لئے اور یہی گدی نشین ہوا یہ تمام میوات کے خانزادوں کے سردار مانے جاتے تھے ان کے اخلاق حسنہ سے سب بھائی بند ان سے خوش رہے اور رعایا بھی ان کے انصاف سے خوش رہی۔"

چونکہ اقلیم خاں اور سید خضر خاں دونوں شاہان تغلق کے زمانہ میں مصروف زمرہ تھے سب سمت سے
خاندان تغلق سے حکومت چھین کر خضر خاں کے سپرد کی۔ تو وہ دہلی کا بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن اقلیم
خاں اور مسعود وغیرہ جو اس وقت ہوئے کے خضر خاں کا کچھ لحاظ نہ کرتے اور خود مختار [illegible]
سوات پر خود مختارانہ حکومت کرتا رہا۔ باوجودیکہ خضر خاں بادشاہ تھا خانزادوں سے [illegible]
سوات پر قبضہ کی کوشش کرتا رہا۔ اور اسے لوٹ کھسوٹ کر ویران بنا رہا۔ ۸۳۳ھ میں خضر خاں نے
نارنول کو جو اس وقت خانزادوں کی جاگیر میں تھا تاخت و برباد کیا اور وہاں سے سوات کی طرف چلا
قصبہ بگاڑتا رہا۔ سرہٹہ اور گھر ول وغیرہ کو جو خانزادوں کے مسکن تھے لوٹا اور [illegible] کو پھر آگیا۔

خانزادوں کے بعد اٹھائی زمانہ میں کل قوم نے اقلیم خاں اور اس کی اولاد کو اپنا راجہ بنا رکھا تھا اور
سال بھر میں دو دفعہ دیوالی اور دسہرہ پر اس راجہ کو سلام کرنے نور میں حاضر ہوتے تھے ایک دفعہ حسب
دستور دسہرہ پر نور گئے تو وہاں کے خانزادوں نے بے پروائی برتی اور کچھ خاطر تواضع نہ کی اس
بات سے جانے والے سردار نور والوں سے ناخوش ہو گئے۔ اور وہاں سے واپس آکر جلال خاں رئیس
اندور کو اپنا راجہ بنا لیا۔ اور اس وقت سے یہ راجگی کا حق اندور والوں کے پاس آگیا۔ اور نور والوں
نے اپنے غرور کی بدولت اس سرداری کو کھو دیا۔

اقلیم خاں کے چھ بیٹے ناہر خاں۔ حسن خاں۔ احمد خاں۔ دلاور خاں۔ عظمت خاں اور عالم خاں
پیدا ہوئے۔

شجرہ نسب نور والوں کا یہ ہے "شمس خاں۔ بن معین خاں۔ بن کمال خاں بن عالم
خاں۔ بن راجو خاں۔ بن رستم خاں بن مصطفےٰ خاں بن عالم خاں بن احمد خاں بن اقلیم خاں
بن بہادر خاں بن ناہر خاں مورث اعلیٰ۔

عالم خاں:۔ اگرچہ عالم خاں سب بھائیوں میں چھوٹا تھا۔ لیکن نہایت قابل اور ہوشیار آدمی
تھا۔ کہتے ہیں یہ شخص بڑا خدا پرست۔ صالح۔ درویش پرور اور درویشوں کا معتقد تھا۔ حاجی علیم الدین
صاحب نارنولی کے مریدوں میں تھا۔ جو گنبد محمد [illegible] نارنول کے مزار پر بنا ہوا ہے اسی عالم
خاں نے اپنے پیر کے حکم سے بنوایا تھا۔

یہ بھی سید خضر خاں بادشاہ دہلی کا ہم عصر تھا اور [illegible] نارنول تگلیہ کا علاقہ اس کے
قبضے میں تھا۔ لیکن عبدل خاں محمد خاں ملک فخر الدین خاں وغیرہ خانزادگان کی طرح خضر خاں
وغیرہ کسی شاہ وغیرہ شاہان دہلی کی مخالفت نہیں کرتا تھا۔ بلکہ ہمیشہ ان سے رابطہ [illegible] رکھتا تھا

سے زندگی بسر کرتا تھا۔ سید شاں کے بعد جب سکندر شاہ لودھی ۸۹۴ھ میں بادشاہ بنا تو اس کے زمانہ میں تجارہ کے پرگنے کا ایک گورنر بادشاہ کی طرف سے رہتا تھا اس گورنر کے نہایت معتمد اور مشہور و معروف افسروں میں سے ایک افسر یہ عالم خاں بھی تھا اس نے اپنی افسری کے زمانہ میں موضع مسیت علاقہ باوڑہ میں ایک مسجد اور اس کے پاس ایک گنبد تعمیر کرایا تھا۔

عالم خاں کو عام لوگ میوات میں ڈھیلہ عالم خاں کہتے تھے۔ لیکن اس ڈھیلہ لفظ کی وجہ تسمیہ کسی تاریخ یا یادداشت وغیرہ میں نہیں پائی گئی۔ کہتے ہیں اس عالم خاں کے تین بیٹے پیدا ہوئے تھے ان میں سے مبارز خاں کو آبائی جاگیر اور گدی ملی

نواب مبارز خاں

جب عالم خاں نے وفات پائی تو اس کی جگہ اس کا بڑا بیٹا مبارز خاں پیروز و نارنول کا جاگیردار مقرر ہوا۔ یہ شخص بھی خانزادان میوات میں معزز و ممتاز گزرا ہے اور شیخ فضل اللہ بخاری بن شیخ ناصرالدین مخدوم جہانیاں سے بیعت رکھتا تھا۔ باوجود دولت و حشمت کے نہایت تقوٰی اور طہارت رکھتا تھا اور بغاوت و سرکشی و مخالفت شاہان دہلی سے الگ رہ کر محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں کے ساتھ آداب شاہی کا بہت لحاظ رکھتا تھا اس کے دو لڑکے پیدا ہوئے بڑا لڑکا عیش محمد خاں اور دوسرا قادر خاں تھا۔

قادر خاں عرف قادر شاہ بن مبارز خاں

جب قادر خاں پیدا ہوا۔ تو شیخ فضل اللہ صاحب بخاری کے پاس اس کو لیگئے پیر موصوف نے نہایت شفقت و عنایت سے اس لڑکے کو اپنی فرزندی میں قبول فرماکر اس کا نام اپنے بیٹے شیخ عبدالقادر کے نام پر قادر شاہ رکھا۔ قادر شاہ کی طبیعت میں درویشوں کی صحبت اور برکت سے ایام طفلی میں ہی کمال تقوٰے و طہارت پیدا ہوگئی تھی دیانت و شجاعت اور سخاوت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اسی وجہ سے ان کا لقب سخیا مشہور ہوگیا تھا چھوٹی عمر میں ہی شہادت کا درجہ بھی حاصل ہو گیا تھا آپ کا مزار قصبہ پیروز میں بنا ہوا ہے جسکی زیارت کے لئے دور دور سے اہل حاجت آتے ہیں اور اپنی دلی مراد پاتے ہیں درگاہ میں آپ کے خاندان کے حالات کی ایک کتاب بھی رکھی ہوئی ہے۔

ابتدا سے ہی آپ کو عبادت کا شوق بہت پیدا ہو گیا تھا۔ اور اس میں کچھ ایسا لطف آنے لگا کہ جس سے شب بیداری فرماتے تھے اور اکثر روزے رکھتے۔ ترک لذات نفسانی کے سوا کوئی دوسرا کام نہ کرتے تھے یہاں تک کہ عین عالم شباب میں نکاح کی خواہش بھی پیدا نہیں ہوئی چنانچہ ان کے والد مبارز خاں نے اپنے خدمت گزاروں اور مصاحبوں کو اس امر کے لئے مقرر کیا تھا کہ وہ

انہیں سمجھا سمجھا کر نکاح کے لئے جو سنت نبوی ہے آگاہ اور رضا مند کریں۔

اتفاقاً ایک روز نادر شاہ کوہستان کی طرف شکار کھیلنے چلے گئے۔ جب دو گھنٹے گزر کر سخت دھوپ ہوئی تو علاقہ بھر بند میں جا پہنچے۔ تو گھوڑے کو پانی پلانے کے لئے کنوئیں پر گئے وہاں ایک بھینس کو دیکھا جو بپھر کر بھاگی پھرتی ہے اور بڑے سے بڑے جوانمرد اور شہ زور آدمی اس کے پکڑنے سے عاجز ہیں۔ تب ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی جو کنوئیں سے پانی بھر کر گھڑا سر پر رکھے ہوئے جا رہی تھی اس نے اس کی اور پھرتی سے اس بھینس کا رستہ پکڑ لیا۔ جس کی وجہ سے بھینس باوجود زور لگانے کے بھاگ نہ سکی اور وہیں کھڑی رہ گئی۔ نادر شاہ نے اس لڑکی کی اس جرأت و دلاوری کو ملاحظہ فرما کر اپنے مصاحبوں سے فرمایا۔ کہ اگر اس لڑکی کے بطن سے لڑکا پیدا ہو۔ تو وہ البتہ نہایت نامی۔ زور آور۔ بہادر۔ شاہوں کی صحبت کے لائق اور جہاد کے قابل ہو سکتا ہے ملازموں میں سے ایک نے آپ کا دلی منشا معلوم کر کے اس لڑکی کے باپ کا نام و قوم و سکونت وغیرہ دریافت کر لی۔ جب نادر شاہ شکار سے گھر واپس آئے تو یہ تمام حالات ملازموں نے مبارز خاں کے سامنے بیان کر دیئے وہ اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا۔ اسی وقت ایک ملازم کو اس لڑکی کے والد مسمی تاج خاں کو بلانے کے واسطے گڑھ دولی بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس سے اس کی لڑکی کی شادی کے واسطے کہا گیا۔ تاج خاں مذکور نے یہ عذر کیا۔ کہ حضور امیر الامرا اور میرے سردار ہیں اور میں ایک غریب اور حضور کا معمولی خدمتگار ہوں چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ میری یہ کہاں طاقت کہ اپنے مالک کے ساتھ قرابت مندی کا بوجھ اٹھا سکوں۔ مبارز خاں نے اس کو تسلی و تشفی دے کر کہا کہ میں کیا کروں میرے لڑکے کی خوشی اور خواہش یہی ہے۔ لیکن تم کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے دونگا۔ الغرض تاج خاں مذکور نسبت قبول کر کے واپس چلا گیا اور اپنے بھائی بندوں سے حقیقت حال بیان کی سب نے اس رشتہ کو پسند اور قبول کر کے تاج خاں کو مبارکباد دی۔ آخر شادی کی تاریخ گیارہ ماہ رجب مقرر کی گئی۔

چونکہ یہ شادی مبارک نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے خانزادوں میں اب ہر مہینے کی گیارہویں تاریخ منحوس سمجھی جاتی ہے اسی لئے اس تاریخ کی شادی نہیں کی جاتی تھی۔ غرض جب نادر شاہ کی شادی ہو چکی۔ اور اس کے دوسرے دن جب برات والے لوگ رخصتی میں مصروف تھے کہ یکایک ایک طرف سے فریاد فریاد کی آواز آنے لگی۔ بعض لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب برات بیاہ کر واپس حویلی کی ڈیوڑھی پر پہنچی ہی تھی کہ یہ فریاد کی آواز اس وقت آئی تھی۔ آخر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک سوداگر صلح خاں نامی جہاں [illegible]

اور پیادہ کے ساتھ آکر داد خواہ ہوا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ اے خان اعظم اس علاقہ میں آپ کی شجاعت کا آوازہ سن کر حاضر خدمت ہوا ہوں۔ امیدوار ہوں کہ میری مدد فرما کر مشکل کو آسان فرمائیں گے۔ خدا آپ کو اس کا اجر دیگا مبارز خاں نے اس کو اپنے پاس بلا کر اس کی مصیبت کی داستان سنی اس نے عرض کیا کہ میں ایک سوداگر ہوں۔ اور ہر جگہ سامان تجارت فروخت کرتا پھرتا ہوں۔

شہر سورت اور گجرات کی طرف سے تجارت کا مال خرید کر لاتا ہوں۔ اور پورب پنجاب اور راجپوتانہ وغیرہ میں لیجا کر فروخت کرتا ہوں۔ ایک موکل نامی جاگیردار شیخاواٹی نے نالہ دونہ کے متصل آکر میرے قافلہ پر شب خون مارا اور تقریباً ایک لاکھ کا روپیہ کا مال واسباب اس نے لوٹ لیا ہے کہ میرے اہل عیال کو بھی قید کر کے لے گیا۔ اب بجز خدا کے کوئی میرا مددگار نظر نہیں آتا۔ اس لئے حضور کی پناہ میں آکر داد خواہ ہوا ہوں۔ جب مبارز خاں نے یہ حال سنا تو اس کے حال زار پر بہت رحم آیا۔ عیش محمد خاں اپنے بڑے لڑکے سے فرمایا کہ اے لخت جگر سلیح خاں سوداگر تباہ و برباد ہو کر ہماری پناہ میں آیا ہے اس مظلوم کی دستگیری اور مدد ہم پر لازم ہے۔ عیش محمد خاں نے عرض کیا کہ میں دہلی جا رہا ہوں بادشاہ نے طلب فرمایا ہے اور تاکیدی حکم آیا ہے ایسی حالت میں بھلا یہ کمترین سلیح خاں کی مدد کس طرح کر سکتا ہے۔ البتہ وہاں سے واپسی پر اس کی مدد کر سکتا ہوں۔ اور راؤ موکل کو قرار واقعی سزا دے سکتا ہوں اور اس کا مال واسباب واپس دلا سکتا ہوں مبارز خاں نے کہا۔ تا تریاق از عراق آوردہ شود۔ مار گزیدہ مردہ بود۔ اس طویل عرصے میں تو یہ بیچارہ بے موت ہی مرجائے گا۔ قادر شاہ اس بات کو سن کر رہ نہ سکا۔ دست بستہ عرض کیا کہ غریب اور مظلوم آدمی فریادی بن کر آیا ہے۔ اب اگر ہم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ کر مدد کرنے سے انکار کر دیں تو یہ بات مروت اور اخلاق اور شیوۂ مردانگی سے کوسوں دور ہے اس لئے اگر حکم عالی پاؤں تو سلیح خاں کے ساتھ جا کر راؤ موکل کو تنبیہ و تدارک کر دوں باپ نے یہ بات سن کر تامل کیا۔ مگر قادر شاہ نے اصرار کیا۔ ناچار اس کو جانے کی اجازت دی گئی اور ان کے غلام میاں نصر اللہ کو بھی ان کی خدمت کے لئے مقرر کیا گیا۔ قادر شاہ نے ایک بڑی سپاہ لیکر شیخاواٹی کی طرف کوچ کیا۔ اور مبارز خاں گڑھ دوبلی سے دلہن کو رخصت کرا کر بہروز میں واپس آگیا۔ جب راؤ موکل نے قادر شاہ کے آنے کی یہ خبر سنی کہ وہ سلیح خاں کی مدد کو آرہے ہے تو وہ غرور میں مخمور ہو کر کچھ خیال میں نہ لایا۔ اور لڑائی کے لئے آمادہ ہو گیا۔ آخر دونوں لشکروں کے درمیان بمقام شاہ پور متصل منوہر پور علاقہ شیخاواٹی ایک زبردست لڑائی ہوائی۔ جس میں ہزاروں راجپوت اور مسلمان کشتہ اور شہید ہوئے راؤ موکل بھاگ گیا۔ جس سے قادر شاہ

نے باہر نکلنا چاہا تب حوض کے پاس شہید ہو جانا چاہتے تھے لیکن نادر شاہ کی گردن پہ تلوار کا وار ہو گیا تھا۔ اس سے وہ بھی شہید ہو گئے۔ کہتے ہیں یہ سر کٹے ہوئے بھی وہ اچھلتے رہے۔ لیکن کچھ دیر بعد ہم سے بہت سے لوگوں کی جانوں کی وجہ سے بدلہ لینا پڑ گیا تھا۔ لیکن یہ کہ بڑے ان کے ساتھی ان کی نعش کو پہروں تک سنبھالے رہے ان کے دل میں نادر شاہ کو نواب صاحب کے لشکر کے ساتھ مل کر مار دینے کے لوگوں نے انہیں بہت سمجھایا کہ نادر شاہ نے اللہ کے لئے ایسا کام کیا ہے جیسا میراں سید حسین خنگ سوار نے کیا تھا۔ خوش قسمتی سے شہید کی لاش کو دفن کر دیا گیا اور مزار پر ایک عالیشان گنبد محمد معروف نامی معمار سے تعمیر کرایا گیا۔ آپ کے مزار کا کتبہ یہ ہے:۔

بماہ جمادی الثانی رجب ۱۱۴۲ھ بعہد سلطان السلاطین محمد شاہ بن فرخ خان بن خضر خان مقبرہ سلطان الزمان الشان الکریم العادل نادر شاہ بن مبارز خان بن عالم خان بن الحکیم محمد خان بن بہادر خان بن ناصر خان تعمیر گردید

شیخ مفضل اللہ بخاری اور محمد عابد قاضی کو مزار کی تعمیر کی خدمت سپرد کی گئی۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے سر کو ہمراہ لے آئے اور دھڑ کو وہیں دفن کر آئے اسی وجہ سے ان کی قبریں دو جگہ بتلائی جاتی ہیں۔

ان کی دولہن بھی جن کو اپنے خاوند کا منہ بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا، کچھ عرصے کے بعد اپنے خاوند کے رنج و غم میں گھل گھل کر مر گئی۔ ان کی قبر بھی وہیں نادر شاہ کی درگاہ کی سیڑھی کے نیچے بنا دی گئی ہے۔

چونکہ یہ لڑائی بے کس اور بے بس عورتوں اور بچوں کو بچانے اور ظالم کو سزا دینے کے لئے ہندوؤں کے ساتھ ہوئی تھی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ نادر شاہ نے شہادت کا درجہ حاصل کیا ہے۔ اب ہر سال ان کے مزار پہ عرس کی رسومات ادا کرنے اور فاتحہ خوانی کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں اور ایک بڑا میلہ بھرتا ہے جس میں دور دور سے خلقت آ کر شامل ہوتی ہے اور مزار پر نذر و نیاز چڑھاتی ہے۔

کہتے ہیں جس زمانہ میں نادر شاہ کا مزار بنایا گیا تھا اور عرس شروع ہوا تھا اس وقت نکال دیں تین سو ساٹھ نقارے رکھے گئے تھے جو عرس کے موقعہ پہ بجائے جاتے تھے اور وہاں بہت سا چڑھاوا بھی آتا تھا مگر آج کل چڑھاوا تو برائے نام آتا ہے جسے بیرون والے مجاور آپس میں تقسیم کر لیتے تھے اور کچھ حصہ درگاہ کے محافظ کو بھی دے دیتے ہیں۔ لیکن نقاروں میں سے صرف دو یا تین ہی باقی رہ گئے ہیں۔

قادر شاہ کے شہید ہونے کی خبر ایک خاص شقہ بردار کے ذریعہ عیش محمد خاں کے پاس دہلی روانہ کی گئی تھی۔ عیش محمد خاں اپنے بھائی کے اس حادثہ جانکاہ کو سن کر بہت رنجیدہ ہوا اور بہت سی شاہی فوج کی مدد لیکر دہلی سے میوات میں واپس آیا۔ اور فوراً راؤ موکل سے لڑنے کے لئے شیخاواٹی گیا۔ راؤ موکل حملے کی تاب نہ لایا۔ اور اپنے امرا اور بھائی بندوں سے مشورہ کرنے لگا انہوں نے کہا اس وقت بہتری کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو بھاگ کر مارواڑ چلے جائیں یا مبارز خاں کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی طلب کریں۔

آخر باتفاق رائے یہی صلاح ٹھہری۔ کہ سلیح خاں کا کل مال واسباب مبارز خاں کی خدمت میں بھیجا کر پیش کر دیں۔ غرض کل سامان لیکر راؤ موکل حاضر ہوا۔ اور اپنی گستاخی کی معافی مانگی آخر قصور معاف کیا گیا اور راؤ موکل نے سلیح خاں کا کل سامان تار تار حوالہ کر دیا سلیح خاں اپنا سامان وصول کر کے مبارز خاں کی خدمت میں آداب بجالایا اور اپنے گھر کو واپس گیا ؎

رستم رہا زمیں پہ نہ سام رہ گیا   مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

عیش محمد خاں بن مبارز خاں اور اس کی اولاد

جب مبارز خاں نے اس دنیا سے کوچ کیا۔ تو اس کی جگہ اس کا بڑا بیٹا عیش محمد خاں عرف ویش خاں اپنی جاگیر پر گدی نشین ہوا اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا عالی خاں جانشین ہوا عالی خاں کے مرنے کے بعد چونکہ یہ لاولد فوت ہوا تھا۔ اس لئے اس کی جگہ اس کا چھوٹا بھائی ہمایوں خاں ہمایوں خاں گدی نشین ہوا۔ ہمایوں خاں کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا تاج خاں حاکم جاگیر ہوا۔ اسی زمانہ میں حسن خاں بن علاول خاں والی میوات بڑا اولوالعزم اور صاحب ہمت و شوکت ہوا ہے جس کا مفصل حال آگے آئے گا۔ غرض تاج خاں پسر ہمایوں خاں سے جو اپنی آبائی ریاست کی گدی پر بیٹھا تھا مسماۃ نور ملکہ بنت احمد خاں خانزادہ زوجہ عالی خاں برادر ہمایوں خاں نے نااتفاقی اور بغاوت کر کے اور ریاست کی دعویدار بن کر یوں ظاہر کیا کہ ریاست بھروزنگی مالک میں ہوں۔ میں اپنے دشمن تاج خاں کو ہرگز ریاست نہ لینے دونگی۔ تاج خاں سمجھدار آدمی تھا۔ اس نے اپنی چچی کی یہ حق تلفی کی بات سن کر دو چار معتبر آدمیوں کو اپنے ساتھ لیکر نور ملکہ کے پاس گیا اور رفع دفع کرنے کے لئے اس طرح عذر کیا کہ اے والدۂ بزرگوار تم کو میں بجائے عالی خاں اور ہمایوں خاں کے سمجھتا

ہوں۔ اسی واسطے ریاست کا کام آپ کی نیابت میں آپ کا بخت تیار کر رہا ہوں۔ بلکہ آپ کسی طرح کا خیال میری غداری یا بیوفائی کا اپنے دل میں ہرگز نہ لائیں۔ مگر نور ملک نے کوئی غور نہ کیا تب تاج خاں نے ناچار ہوکر عرض کیا کہ اے والدہ مکرمہ یہ ریاست میرے باپ شہباز خاں کی ہے جس پر آپ کا حق آپ ہی کے برابر ہے اس لئے بغیر لڑے بھڑے میں اسے ہرگز نہ دوں گا نور ملک نے یہ تمام حال حسن خاں بن علاول خاں حاکم سوات اپنے پوتے کو لکھ بھیجا۔ حسن خاں نے پانچ ہزار سوار اور پیادے نور ملک کی مدد کے واسطے اور سے بھیج دئے طرفین میں دس بارہ روز تک لڑائی ہوتی رہی حتے کہ دونو طرف کے بہت سے آدمی مارے گئے آخر تاج خاں جنگ کی تاب نہ لا کر اپنے مع اہل وعیال تناول کی طرف چلا گیا اور نور ملک ریاست کا کام کرنے لگی

چونکہ یہ ملکہ لاولد تھی اس لئے اس نے چوہان راجپوت کے ایک لڑکے کو گود لیکر پرورش کیا۔ اور اس کا نام ملک محمد رکھا۔ مگر ایک سال بعد نور ملک مر گئی۔ اس کا مقبرہ حضرت قادر شاہ کے مزار کے پاس ہی تعمیر کیا گیا ہے جو آج تک زنانہ گنبد کے نام سے مشہور ہے۔

تاج خاں جب تناول پہونچا تو راجہ قائم علی خاں رئیس تناول نے یہ خبر سنکر اس کو اپنے پاس بلا لیا اور بڑی عزت سے پیش آیا اور ایک مکان علیحدہ اس کے رہنے کے لئے تجویز کر دیا اور خرچ اخراجات کے لئے ایک ٹھیکیدار تھا جس مقرر کر دیا۔ تاج خاں راجہ مذکور کا یہ حسن سلوک دیکھکر بہت خوش ہوا لیکن چند ماہ بعد ہی تپ دق میں مبتلا ہو گیا ہر چند علاج کیا۔ مگر آرام نہ ہوا اور بیماری جان لیکر ٹلی۔ راجہ مذکور کے باغ میں اس کو دفن کیا گیا۔ لیکن چہلم کے روز مرحوم کی بیوی کے لڑکا پیدا پیدا ہوا۔ جس کا نام محمد خاں رکھا گیا جب تاج خاں کے مرنے کی خبر ملک محمد بیٹے نور ملک کو معلوم ہوئی تو اس نے بھی حسن خاں بن علاول خاں والی سوات کو جو اس وقت قلعہ [illegible] کی تیاری میں مصروف تھا۔ جاکر اطلاع دی اور حسن خاں کو اپنے ہمراہ پہروٹ لے آیا جس نے پہروٹ میں ایک قلعہ پختہ پہاڑی کی ایسی جگہ بنوا کر حفاظت کر دی کہ جہاں پر آمد و رفت کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا۔ اس قلعہ میں ملک محمد کو مضبوط کر کے خود واپس چلا گیا۔

محمد خاں پسر تاج خاں جو کہ فتح پور میں پیدا ہوا تھا جب جوان ہوا تو راجہ قائم علی خاں کی برادری میں بیاہا گیا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام غلیم خاں رکھا گیا ایک عرصہ تک محمد خاں وہیں رہا۔ جب بابر کی لڑائی میں حسن خاں [illegible] کے ہاتھ سے مارا گیا اور قوم [illegible] کے سوات سے [illegible] ہونے کی خبر معلوم ہوئی [illegible] نے [illegible]

لینے کی خواہش کی۔ بعد راجہ قائم علی خاں سے اجازت طلب کی۔ راجہ مذکور نے لڑائی کا سامان
اور ایک ہزار سوار دیکر بہروز روانہ کر دیا۔ جب ملک محمد کو جو بائیس سال سے بہروز پر قابض تھا
خبر پہنچی تو لڑنے کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ چند روز لڑائی ہوتی رہی خانزادگان اور بہادر پور و بجارہ
نے بھی مل کر محمد خاں کی مدد کی۔ جس سے ملک محمد گھبرا کر بھاگ گیا اور محمد خاں نے فتح پائی۔ ناچار
ملک محمد نے حاضر ہو کر محمد خاں سے معافی مانگی آخر لوگوں کی صلاح و مشورہ سے سو بیگہ اراضی ملک
محمد کو دیدی گئی۔

اس کے بعد محمد خاں نواب بیرم خاں خانخاناں کی سفارش سے نارنول کا فوجدار مقرر ہو
گیا اور بائیس سال تک اس عہدہ پر مقرر رہا اس نے بہروز کی رعیت کو بہت آرام سے رکھا آخر عمر میں
ایک سخت عارضہ میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اس کے بعد سلیم خاں پسر محمد خاں جو بنت حسن خاں بن علاول
خاں سے تھا قصبہ بہروز میں مسند نشین ہوا۔ اس بات پر علیم خاں اور سلیم خاں دونوں بھائیوں میں
ترکہ پدری کے لئے جھگڑا پیدا ہوا۔ لیکن بھر خانزادگان بہادر پور اور بجارہ و دیگر شرفاء بہروز
نے علیم خاں کو سو بیگہ زمین اور سوئم حصہ آمدنی درگاہ قادر شاہ کا دلوا کر باہم فیصلہ کرادیا
شجرہ نسب بہروز والوں کا یہ ہے"

(۱) اولاد سلیم خاں ناہر خاں۔ بلی بہادر خاں۔ اقلیم خاں۔ ڈھیلہ عالم خاں۔ امیر سیاہ خاں۔
عیش محمد خاں عرف درویش خاں ہمایوں خاں۔ تاج خاں محمد خاں۔ سلیم خاں۔ ناہر خاں
عالم خاں۔ عظمت خاں۔ مبارز خاں۔ امانت خاں۔ شجاعت خاں۔ صداقت خاں۔ مہابت خاں
ہدایت خاں۔ بہادر خاں۔ اچھو خاں۔ مست خاں۔

(۲) اولاد علیم خاں کمال خاں۔ دلمیر خاں۔ دلاور خاں۔ نورخاں۔ مجاہد خاں۔ میرامی خاں
شکر اللہ خاں۔ باقر خاں۔ جمال خاں۔ لطیف خاں۔ عنایت خاں۔
مجید خاں۔ اختیار خاں۔ لعل خاں۔ شجاعت علی خاں۔ جیون خاں عرف سوداگر۔ نور داد خاں
عمر خاں۔ دریا خاں۔ نصیر خاں۔ پیر خاں۔ منصور خاں۔ شیر خاں۔ صورت خاں۔ زندہ شاہ
خاں۔ روشن خاں۔

فیروز خاں بن بہا خاں والی میوات

اقلیم خاں کی وفات کے بعد اس کا چھوٹا بھائی نواب فیروز خاں اس کی جگہ مسند نشین ہوا۔ انہوں نے قصبہ فیروزپور کی آبادی کی بنیاد ڈال کر اپنے نام پر اس کا نام فیروزپور رکھا۔ اور چونکہ اس قصبہ کے پاس ہی پہاڑ میں سے پانی جھرتا ہے اس سبب سے اسے فیروزپور جھرکا کہتے ہیں۔ فیروز خاں کا نصیب ایسا زور آور مددگار ہوا کہ وہ اپنے سب اہل عصر سے زیادہ نامور اور مشہور ہو گیا۔

جب سید خضر خاں بادشاہ دہلی نے سنہ ۸۲۳ھ میں نواب فیروز خاں والی میوات کی سرکشی و بغاوت کی خبر سنی تو وہ بہت سا لشکر لیکر میوات پر چڑھ آیا۔ اور اس کو غارت و برباد کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر میوات کے خانزادے اپنی ولایت خالی کر کے قلعہ کوٹلہ میں قلعہ بند ہو بیٹھے۔ اور مدافعت کا پورا انتظام کر لیا۔ بادشاہ نے بھی محاصرہ ڈال دیا۔ ایک عرصے تک لڑائی ہوتی رہی۔ قلعہ والوں کو رسد کی تکلیف ہونے لگی۔ آخر وہ لڑتے بھڑتے قلعہ سے نکل کر پہاڑ والی میں چلے گئے۔ خضر خاں واپس دہلی آ گیا۔ لیکن ادھر بادشاہ نے پیٹھ موڑی ادھر خانزادے پھر میوات میں آ موجود ہوئے۔ اور حسب سابق اپنا عمل و دخل جما لیا۔

نواب صاحب کے چھ بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔ قدو خاں یا خدو خاں۔ جلال خاں۔ ملک فخر الدین خاں۔ تمنہ خاں۔ عالی خاں۔ تیج خاں۔

فیروز خاں کی وفات کے بعد ان کی جگہ پر ان کا بیٹا راجہ جلال خاں حاکم میوات ہوا۔

قدو خاں یا خدو خاں

قدو خاں قصبہ جھمراوٹ پرگنہ فیروزپور جھرکہ میں اپنی جاگیر پر رہتے تھے نہایت ضدی۔ بے پرواہ اور مغرور تھے ان کی طبیعت میں ضد اس قدر تھی کہ خدا کی پناہ۔ اسی ضد نے ان کی جان کھوئی۔

کہتے ہیں قدو خاں نے اپنے مکان کے دروازہ پر اپنا جوتا رکھ چھوڑا تھا۔ اور ملازم کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ جو شخص ہمارے سلام کے لئے حاضر ہو اس سے کہدو کہ اس جوتے کو سلام کر جائے ان کی اس قسم کی باتوں سے لوگ سخت ناراض اور متنفر تھے مگر ان سے ڈرتے بھی تھے

چونکہ مبارک شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں طوائف الملوکی کثرت سے پیدا ہو گئی تھی ہر ایک جاگیردار اپنی اپنی جگہ پر خود مختار بنا بیٹھا تھا۔ ادھر بغاوت میں بادشاہ سے بھی [illegible]

کے اندر سنہ ۸۲۶ھ مطابق ۱۴۲۳ء میں بادشاہ مذکور سے باغی بن بیٹھے۔ اور جلال خاں قدو خاں ملک فخرالدین خاں پسران فیروز خاں میوات کا محصول دبا بیٹھے۔ انہوں نے کوہستان اندور کو اپنی راجدھانی بنایا۔ جب شاہی لشکر ان کو سزا دینے کے لئے میوات میں آیا۔ تو غازی زادے لوگ قلعہ اندور میں بیٹھکر مقابلہ پہ جم گئے اور شاہی فوج سے جنگ شروع کر دی۔ ایک عرصے تک لڑائی ہوتی رہی۔ لیکن جب مقابلہ سخت دیکھا۔ تو قلعہ اندور سے نکل کر کوہستان الور میں چلے گئے۔ شاہی لشکر وہاں بھی پہونچا۔ اور مورچہ بندی کرکے جنگ کا انتظام کیا۔ پھر تو ادھر ادھر سے توپیں چلنی شروع ہو گئیں اور آتش سبز و فریقین میں مشتعل ہو گئی اسی طرح ایک عرصے تک بازار جدال و قتال گرم رہا۔ لیکن قدو خاں وغیرہ کی رسد اور سامان جنگ ختم ہو جانے سے انہوں نے امان طلب کی بعد عہد و پیمان بادشاہ دہلی چلا گیا انہیں ایام میں ابراہیم شاہ شرقی سے مبارک شاہ بادشاہ کی لڑائی چھڑ گئی۔ قدو خاں نے محمد خاں اوحدی حاکم بیانہ کو مبارک شاہ کے برخلاف جنگ پہ آمادہ کر لیا۔ اور خود بھی ابراہیم شاہ شرقی کا مددگار بن گیا ان دونو لڑائیوں کے ایک ہی ساتھ ہو جانے سے مبارک شاہ کے لئے بڑی مصیبت پیدا ہو گئی۔ جب خدا خدا کرکے بادشاہ کا ان خرخشوں سے پیچھا چھوٹا۔ تو وہ قدو خاں کا سخت دشمن بن گیا۔ لیکن شاہ شرقی کی دوستی سے وہ اسے ایک دم قابو میں بھی نہ لا سکتا تھا۔ آخر تالیف قلوب کے بہانے سے قدو خاں کو بلوانا چاہا۔ مگر قدو خاں کے دشمن بادشاہ کو بھڑکا کر اسے سزا دلوانا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے قاصد کو ایسی پٹی پڑھا دی۔ جس کے ذریعہ انہوں نے بادشاہ کی خفگی اور عتاب ظاہر کیا اور یہ کہا کہ وہاں جانے پر بادشاہ آپ کو ذلیل بنائے گا اس لئے نہ جائیں بہتر ہے۔ یہ سن کر قدو خاں سخت ناراض ہوئے اور بادشاہ کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ قاصدوں نے یہاں آکر قدو خاں کی بغاوت اور سرکشی کے بہت سے فرضی قصے بادشاہ کے گوش گزار کر دئے۔ غرض دشمنوں نے اپنی ریشہ دوانیوں سے بادشاہ کو قدو خاں کی طرف سے سخت برہم بنا دیا۔ اور جو شک و شبہ بادشاہ کو قدو خاں کی طرف سے پہلے موجود تھا وہ اب یقین کے درجہ کو پہونچ گیا۔

اگرچہ بادشاہ ایسے جوانمرد اور بہادر آدمی کو شاید قتل کرنے پر تیار نہ ہوتا اور قدو خاں کے معافی مانگنے پر وہ ضرور معاف بھی کر دیتا۔ لیکن عدول حکمی کے سبب سے اس نے قدو خاں کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا اور ساتھ ہی گرفتار کنندگان کو انعام کا لالچ بھی دیا غرض قدو خاں کو گرفتار کرکے دربار میں لے جانا چاہا تو اس کے بعض بہی خواہ تھے اس کو

ایک کھڑکی کی راہ سے بادشاہ کے روبرو پیش کرنا چاہا۔ اور ہدایت کی کہ آداب شاہی کا پورا لحاظ رکھے۔ لیکن قدو خاں کے دماغ میں غرور رعونت بھرا ہوا تھا اس نے بے ساختگی سے کہا کہ بادشاہ کے ہاتھ میں اس وقت میری جان ہے مگر میں اپنی عزت اور غرور دلی کو ہرگز نہیں چھوڑونگا۔ آج تک میرا یہ سر کسی کے آگے نہیں جھکا ہے اور نہ پیچھے کبھی جھکیگا۔ جب عمال شاہی اس کو کھڑکی سے لے چلے تو قدو خاں نے پہلے کھڑکی میں قدم رکھے اور سر پیچھے کی طرف جھکا کرتا رہا اسی طرح اندر داخل ہو گیا اور بادشاہ کو سلام نہیں کیا۔ بادشاہ نے اس گستاخی پر برہم ہو کر اس کو سنہ ۱۳۲۰ھ میں قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ بعض مقامی روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے اس کو دیوار میں زندہ چنوا دینے کا حکم دیا تھا۔ لیکن قدو خاں اس حکم کو سنکر مطلق نہ گھبرایا اگرچہ دوستوں نے ہر چند سمجھایا کہ اب بھی معافی مانگ لی جائے۔ لیکن نہ مانا جنید۔ یہ جنید نگل محمد کے مطابق اس نے معافی مانگنے سے قطعی انکار کر دیا۔ اور اپنی ضد پر برابر قائم رہا۔

کہتے ہیں۔ دیوار میں چننے کے وقت بھی آپ نہایت مستقل مزاجی سے کھڑے رہے جب چنائی سے صرف سر ہی باہر رہ گیا۔ اور تمام جسم دیوار کے اندر چنا جا چکا۔ تو راج مزدوروں نے ازراہ ہمدردی بڑی منت و سماجت سے عرض کیا۔ کہ خاں صاحب اب بھی اس ضد کو چھوڑ دیں اور معافی مانگ کر اپنی جان بچا دیں۔ اپنے بال بچوں پر رحم فرمائیں لیکن اس ضدی شخص نے ان کی بھی ایک نہ مانی۔ بلکہ ناراض ہو کر کہا کہ تم اس معاملہ میں ہرگز دخل نہ دو۔ اور اپنا کام کئے جاؤ۔ آخر وہ۔ دلاور۔ بہادر اور ضدی شخص اسیطرح دیوار کے اندر زندہ چنوا دیا گیا اور اپنی مستقل مزاجی کی بدولت آن تک نہ کی۔

قدو خاں کے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ اول نور خاں جس نے بنگواں آباد کر کے وہاں اپنی سکونت اختیار کی بنگواں کے خانزادے اسی نور خاں کی اولاد ہیں دوئم نصیر خاں جس نے لسی خانزادہ آباد کر کے وہاں اپنی سکونت اختیار کی ان کی اولاد لسی خانزادہ میں آباد ہے۔ سوئم حامد خاں۔ جس کی اولاد جھمراوٹ میں آباد ہے

نور خاں نے سنہ ۱۴۵۲ھ ہجری میں بنگواں کو آباد کیا تھا۔ پہلے بنگواں کی جگہ پر ایک موضع جھنجھر کی آبادی تھا جو راجہ آسکرن کے ماتحت تھا ایک تیتر کے شکار پر نور خاں اور آسکرن کا باہم جھگڑا ہو گیا۔ اور جنگ و جدل کی نوبت پہنچ گئی۔ نور خاں نے اس کو شکست دیکر اس کا کل مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور اس کے مکانات اور محل وغیرہ کو منہدم کر کے اور

اس کا کل سامان جمع کر کے اس سے پنگواں آباد کیا۔

آبادی کے لئے جگہ تلاش کر کے بنیاد رکھتے وقت نور خاں مذکور کے ایک ملازم نے پانی کا برتن ان کو کھانے کے لئے دیا تھا۔ اتفاقاً وہ پانی ہاتھ سے زمین پر گر پڑا جس جگہ یہ پانی گرا تھا وہیں نور خاں نے اپنی برچھی گاڑ دی اور آبادی کی بنیاد رکھ دی۔ اور بطور نیک شگون کے اس آبادی کا نام پانی گنواں رکھا گیا پھر کثرت استعمال سے پنگواں مشہور ہو گیا اس کے بیان کے لئے دیکھو تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۵۲۔

قدو خاں کی اولاد کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے

ناہر خاں۔ بہادر خاں۔ فیروز خاں۔ قدو خاں یا خدو خاں

نور خاں بانی پنگواں
اس کی پانچویں پشت میں
تاتار خاں پیدا ہوا

- عبدل خاں — اسکی اولاد سے حاجی کامدار خاں وغیرہ ہیں
- فیض اللہ خاں — اسکی اولاد سے چودھری الٰہی بخش وغیرہ ہیں

نصیر خاں بانی بہی خانزادہ
اجمیری خاں
کالے خاں
ابراہیم خاں
شہادت خاں
امانت خاں
محمد خاں
رسول خاں
ثابت خاں
حمید خاں

- حسن خاں — اس کی اولاد سے صوبیدار عبدالرحمن خاں وغیرہ ہیں
- کمال خاں — اسکی اولاد سے شمس الدین خاں نمبردار وغیرہ ہیں
- لاڈ خاں — اسکی اولاد سے کالو خاں وغیرہ ہیں

حامد خاں
اس نے بھراوٹ آباد کیا۔
شجرہ نسب معلوم نہ ہو سکا

راجہ جلالی خاں والئ میوات



راجہ جلال خاں بن فیروز خاں والی میوات

نواب فیروز خاں کے بعد اس کا بیٹا راجہ جلال خاں میوات کی حکومت پر گدی نشین ہوا۔ جلال خاں اپنے بچپن کے زمانہ میں موضع ڈھاڑولی میں رہا کرتا تھا۔ لیکن جب تخت نے ان کو راجہ بنا دیا۔ تو اس خطاب کو حاصل کرنے کے بعد قصبہ اندور میں آ بسے۔

خانزادوں کے عہد حکومت میں اندور ایک بڑا گاؤں پرگنہ کہلاتا تھا۔ جس کی جگہ اب پرگنہ ٹپوکڑہ بن گیا ہے جیسا کہ کتاب آئین اکبری میں تحریر ہے۔

اگرچہ آجکل قصبہ اندور ایک کھنڈرات کا ڈھیر نظر آتا ہے۔ لیکن ایک زمانہ ایسا بھی تھا جبکہ یہ اندور میوات کی چند مشہور جگہوں میں شمار ہوتا تھا۔

واضح ہو کہ بہادر ناہر خاں کی وفات کے بعد اندور ہی میوات کا سب سے بڑا قلعہ بن گیا تھا۔ جسے راجہ جلال خاں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں بنوایا تھا اور قصبہ اندور کو ایک قصبے کی شکل میں راجہ نے تبدیل کر دیا تھا اور اپنی راجدھانی بنایا تھا۔

مدت تک اس کی اولاد وہاں پر حکومت کرتی رہی۔ چنانچہ آج تک اس کی اولاد وہاں پر آباد ہے اور موجود ہے۔

حشمت خاں و وزیر خاں ولد بخت خاں خانزادہ [illegible] جو کہ بماہ جون ۱۸۵۷ء [illegible] بجرم بغاوت اور مقام سہنا کے وہابیوں کی تائید اور مدد دینے کے شبہ میں گرفتار ہو گیا تھا۔ جس کا سلسلہ جلال خاں کی اولاد ہی سے ہوا ہے۔

قصبہ اندور سے تین بڑی بڑی سڑکیں پہاڑوں کے اوپر سے گزرتی ہوئی بنائی گئی تھیں ایک سڑک گھرول کو جاتی تھی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ دوسری کوٹلے کے قلعہ کو آتی تھی۔ تیسری پہاڑ کے اوپر سے گزرتی ہوئی اس مقام تک جاتی تھی جسے عوام گاؤں کا ٹیک کہتے ہیں۔ یہی وہ سڑک ہے جس کے ذریعہ یہ لوگ شاہان دہلی کا دباؤ پڑنے پر پہاڑوں کے اوپر سے گزرتے ہوئے اندر پہونچ جاتے تھے اور پھر بادشاہ کو ان کا تعاقب کرنا بڑا مشکل ہو جاتا تھا۔

جو تاریخی روایتیں جلال خاں کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ ان سے یہ حال بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ جلال خاں اور ان کے آباؤ اجداد کا خاندانی دستور شاہان دہلی کی مخالفت [illegible]

چھین کر سلطان علاء الدین کو دی گئی ہو۔

چہارم یہ کہ سنہ ۹۰۵ھ میں سکندر شاہ نے تجارہ میں جو اپنا نائب بھیجا تھا اور جس کا مسعود خاص عالم خاں خانزادہ بھی تھا جو کہ اقلیم خاں کا بیٹا تھا۔ یہ تجارہ میں رہا کرتا تھا شاید اسی کو شیخ جی نے عالم خاں عرف علاء الدین لکھ دیا ہو۔

پنجم یہ کہ علاول خاں خانزادہ حاکم میوات کا بھی اصلی نام علاء الدین ہی تھا جو کہ سکندر شاہ کا ہم زلف بھائی بھی تھا اور سلطان علاء الدین بادشاہ مذکور کا حقیقی بھائی تھا۔ ان دونوں ناموں کے یکساں ہونے سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ جی نے سہواً مغالطہ کھایا ہے۔ کیونکہ علاول خاں بھی بھائی ہی تھا۔

ششم یہ کہ سکندر شاہ اور علاء الدین میں ہمیشہ ناموافقت رہی اسی وجہ سے وہ بہادر شاہ گجراتی کے پاس مدد کو گیا تھا اگر اس کو میوات کی حکومت سکندر شاہ دیدیتا تو وہ مارا مارا کیوں پھرتا۔

ہفتم یہ کہ سنہ ۷۸۰ھ سے سنہ ۹۳۲ھ تک مسلسل ومتواتر میوات پر خانزادوں کی حکومت رہی ہے ان کے زمانہ میں کسی دوسرے کی حکومت میوات پر کسی بھی تاریخ کے اندر نہیں لکھی گئی اس لئے شیخ جی کا لکھنا قطعی غلط ہے۔

ہشتم یہ کہ سکندر شاہ نے اپنے زمانہ میں اپنے بھائی علاء الدین کو قلعہ چندداڑہ میں محصور کردیا تھا اور پھر وہ بادشاہ کے ڈر سے وہاں سے بھاگ کر فیضے خاں کے پاس پٹیالی میں چلا گیا۔ لیکن سات مہینے بعد بادشاہ نے اس کو ولایت اٹاوہ دیدی۔ دیکھو تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد دوئم صفحہ ۲۵۳۔ اس حوالہ سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ علاء الدین کو سکندر شاہ نے کبھی میوات کا حاکم نہیں بنایا تھا۔ علاول خاں نے اپنے زمانہ میں پھر تری کا گنبد اپنے سرکاری رکن گیلا تھا جن ساکن تجارہ کی معرفت تیار کرایا تھا جس کا مفصل ذکر گنبدوں کے بیان میں کردیا گیا ہے

علاول خاں کے گھر میں دو بیویاں تھیں ایک اعظم ہمایوں خاں شروانی افغان کی بیٹی تھی جس سے چار لڑکے حسن خاں۔ کبیر خاں۔ ابراہیم خاں دولت خان پیدا ہوئے۔ جن کی اولاد میں مفصلہ ذیل اشخاص پیدا ہوئے ہیں۔

محمود خاں۔ تاتار خاں۔ نظام خاں۔ احمد خاں۔ محمد خاں۔ دلاور خاں۔ میواتی خاں۔ جہاں خاں۔ عمر خان۔ جلال خاں وغیرہ۔

27



دوسری بیوی عالم خان بن اقلیم خان خانزادہ کی بیٹی تھی۔ جس کا نام اللہ دی بیگم تھا اس سے بھی چار بیٹے پیدا ہوئے۔ اسد خان۔ قطب خان۔ حسین خان۔ ماکھو خان۔

کہتے ہیں الور کا قلعہ پہلے کورے پتھروں کا ڈھیر تھا۔ جسے نکومبو نے بنایا تھا۔ نکومبو لوگ اس میں بیٹھ کر تمام میوات میں رہزنی اور لوٹ مار کرتے تھے جس سے مخلوق خدا ان کے ظلموں سے تنگ تھی۔ اس وجہ سے سنہ ۱۴۴۹ ہجری میں اس قلعہ کو پختہ طور پر حسن خان نے اپنے باپ علاول خان کے نام پر بنوایا تھا جس کا ذکر قلعوں کے بیان میں مفصل آچکا ہے۔

علاول خان کا ایک سرکاری رکن یادگیل گیلا تھا جن سا کن مجارہ بھی تھا چنانچہ اس کی بابت یہ نقل مشہور ہے کہ مال علاول کا اور جس گیلا کا کہتے ہیں اسی گیلا تھا جن کی سرکردگی میں علاول خان نے موضع علاول پور بسایا تھا۔

راجہ حسن خان بن علاول خان شاہ میواتؒ

راجگی کا خطاب

(۱) راجہ حسن خان خانزادوں کے اندر بڑا نامور۔ اولوالعزم اور مشہور سردار گزرا ہے۔ بابر بادشاہ نے بھی اس کو اپنی توزک میں راجہ حسن خان لکھا ہے خانزادہ مسلم جادو بنسیوں میں اور قائم خانیوں میں راجہ کا خطاب اسلام لانے کے بعد تک بھی برابر قائم رہا۔ ٹھٹھہ کے سندھ راجاؤں نے بھی فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں اسلام اختیار کرکے اپنا لقب راجہ ہی برقرار رکھا تھا۔

راجہ حسن خان کے زمانہ میں خانزادوں کا عروج

حسن خان کے زمانہ میں خانزادوں کا اقبال ملک میوات کے اندر بڑے عروج پر تھا۔ تھا سے کوئی مورخ میاں محمد حسین صاحب مہتاس تحریر فرماتے ہیں کہ شیر شاہ سوری۔ نہابت خان سونگرا۔ حسن خان میواتی معاون رانا سانگا اور بیرم خان خان خانان وزیر اعظم اکبر ان چاروں شور بیروں کے کارنامے تاریخ ہند میں نہایت وضاحت کے ساتھ لکھے گئے ہیں یہ چاروں اشخاص نہایت اعلیٰ پایہ کے سردار گزرے ہیں ان شخیا خان عالی شان میں سے حسن خان میواتی مسلمان

راناسانگا کے حالات ہم نے رسالہ مسلم راجپوت امرتسر میں بھی تحریر کئے ہیں شوقین اصحاب ان تنہا بہادر مردانہ کے حالات وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں دیکھو رسالہ مسلم راجپوت امرتسر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۵

چونکہ سلطان ابراہیم لودھی اور راجہ حسن خاں دونو حقیقی خالہ زاد بھائی تھے اس لئے جب سلطان ابراہیم ۱۵۱۷ء میں دہلی کا بادشاہ ہوا تو اس نے اس رشتہ کی وجہ سے حسن خاں کا وہ اقتدار بڑھایا جس کی وجہ سے وہ میوات میں خودمختارانہ حکومت کرتا تھا۔ اور میوات کے جو سات پرگنے بہلول لودھی نے احمد خاں کے زمانہ میں چھین لئے تھے وہ بھی ابراہیم شاہ نے حسن خاں کو واپس دے دئے تھے۔ اسی لحاظ سے حسن خاں کو شاہ میوات بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ملک کے اندرونی انتظام میں شاہنشاہ دہلی کا ماتحت نہیں رہا تھا۔ لیکن افسوس خانزادوں کے اس اقبال و عروج کو جلد ہی ادبار نے آ گھیرا چنانچہ تھوڑے ہی عرصے بعد جب بابر بادشاہ ہندوستان میں آیا۔ تو اس نے یہاں کی حکومت ۱۵۲۶ء میں ابراہیم شاہ کو قتل کرکے چھین لی تو اس ناگہانی تغیر سے خانزادوں کی حکومت پر بھی زبردست اثر پڑا۔ کیونکہ جب ان کے رشتہ دار اور قدردان ابراہیم لودھی کے پاس سے حکومت جاتی رہی تو پھر خانزادوں کے اقتدار میں بھی فرق آ جانا لازمی امر تھا۔

اگرچہ بابر بادشاہ نے حسن خاں کے ساتھ اپنی توزک کی تحریر کے مطابق شریفانہ برتاؤ کیا تھا۔ جس کی وجہ خواہ مصلحت وقت ہو یا اس کی طبیعت کا خاصہ ہو۔ لیکن اس سے بابر کا منشا صرف یہ تھا کہ حسن خاں میرا تابعدار اور اطاعت گزار بن کر رہے۔ لیکن حسن خاں کی خودداری اور چھتری پن نے یہ امر ہرگز گوارا نہ کیا کیونکہ خانزادوں کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے کہ اس کو مٹ جانا تو منظور ہے لیکن کسی کی تابعداری اور اطاعت منظور نہیں ہوئی۔ گویا یہ قوم ایک خشک لکڑی کی مانند ہے کہ جو بیرونی دباؤ پڑنے پر بیشک ٹوٹ تو جاتی ہے لیکن مڑتی یا جھکتی نہیں۔ زمانہ بانو نازہ تو بانہ ابساز پر اس قوم کو عمل کرنا نہیں آتا۔ آخر اسی رعونت کی بدولت آج خانزادے لوگ اپنی ڈھائی سو سال کی حکومت سے محروم ہو گئے ہیں۔

حسن خاں کے خلاف بابر کے الزامات

بابر بادشاہ اپنی توزک میں راجہ حسن خاں کا اس طرح رونا روتا ہے کہ جب ہم آگرہ پہنچے

آیا۔ تو دہلی اور آگرہ کے سوا باقی سب جگہ کے سرداروں نے میری اطاعت سے انکار کر دیا۔ چنانچہ سنہ ۹۳۲ھ میں راجہ حسن خاں نے بھی دوسرے سرداروں کی مانند علم بغاوت کھڑا کر دیا اور مضبوطی کے ساتھ الور کے قلعہ میں محفوظ ہو بیٹھا۔ یہ مردود سب شرول اور فسادوں کی جڑ تھا۔ اس کا بیٹا ناہر خاں ابراہیم لودھی کی لڑائی میں میرے پاس بطور ضمانت میں دیا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے یہ اس سبب سے ظاہر میں حسن خاں میرے پاس آمد و رفت رکھتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے بیٹے کو طلب کرتا رہتا تھا۔ میرے بعض امراء کے دل میں یہ آیا کہ حسن خاں کی استمالت (اپنی طرف کشش) کو دلجوئی و راغب کرنا کے لیے اگر ہم اس کے بیٹے کو بھیج دیں تو وہ خوش ہو کر میری اطاعت بجا لائیگا چنانچہ ان کی سفارش پر میں نے ناہر خاں کو خلعت فاخرہ پہنا کر اور انعام و اکرام دیکر اس کے باپ سے وعدہ کر کے رخصت کر دیا۔

جونہی حسن خاں نے اپنے بیٹے کے رخصت ہونے کی خبر سنی۔ تو وہ فوراً الور سے نکل کر بارہ ہزار اور بقول بعض دس ہزار سوار اپنے ساتھ لیکر رانا سانگا سے جا ملا۔ افسوس اس وقت اس کے بیٹے کا رخصت کرنا نہایت بے موقع ثابت ہوا۔ میں نے پہلے بادشاہوں کی طرح حسن خاں پر مروت و مہربانی کی نظر رکھی۔ مگر وہ احسان فراموش ثابت ہوا اور جگہ بجگہ فتنہ و فساد کی آگ میرے برخلاف بھڑکانے لگا۔ میوات کا ملک دہلی کے قریب واقعہ ہے اور بہت زرخیز ہے اس کی آمدنی چار کروڑ تنکہ نقرئی سالانہ تھی۔ حسن خاں کو یہاں کی حکومت وراثت میں ملی تھی۔ اس کے خاندان میں دو سو برس سے زیادہ حکومت چلی آتی ہی اور وہ شاہان دہلی کا برائے نام ہی مطیع تھا۔ جب میں نے ہندوستان فتح کیا تو سلاطین سابق کی طرح حسن خاں پر بھی میں نے عنایت کی تھی۔ مگر اس کافر نعمت احسان فراموش نے میری اس مروت اور عنایت کا کچھ بھی خیال نہیں کیا کیونکہ اس کا دل ہندؤں کی طرف مائل تھا جتنے فساد برپا ہوئے ان سب کا بانی مبانی یہی تھا اسی نے رانا سانگا سے سازش کر کے سلطان سکندر شاہ لودھی کے بیٹے سلطان محمود کو بادشاہ دہلی کی سلطنت کے لئے نامزد کیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ

ان الزامات کے برخلاف معلوم راجپوت [illegible] اور حسن خاں [illegible] بھی [illegible] اور بابر کو کیا کہتے ہونگے۔ البتہ ان [illegible] شکایت [illegible] بیان [illegible] حسن خاں نے بابر کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا [illegible] بیجا [illegible]

کو رانا سانگا کی طرف جھکنا پڑا جو اس زمانہ میں شمالی ہندوستان کا زبردست راجہ بنا ہوا تھا۔
اگر سانگا کے ساتھیوں میں صرف اکیلا حسن خاں ہی مسلمان ہوتا۔ تب بھی بابر کا حسن خاں کے لئے یہ کہنا کہ اس کا دل ہندوؤں کی طرف جھکا ہوا تھا کچھ قرین قیاس ہو سکتا تھا۔ لیکن حسن خاں کے علاوہ اور بھی چند مسلمان سردار ایسے تھے جو بابر کے برخلاف سانگا کے مددگار بن گئے تھے مثلاً صلاح الدین نامی ایک سردار نے تیس ہزار سواروں سے اور سلطان محمود بن سکندر شاہ لودھی نے دس ہزار سواروں سے بابر کے برخلاف سانگا کو مدد دی تھی ان کے علاوہ قاسم خاں۔ نظام خاں۔ محمد زیتون۔ تاتار خاں۔ حسین خاں قطب خاں عالم خاں وغیرہ سب نے بابر سے بغاوت اختیار کر لی تھی بلکہ اس کے قومی امراء مثلاً خواجہ کلاں اور احمدی پروانچی وغیرہ بھی کابل کو واپس بھاگ گئے تھے۔ کیا ان سب مسلمان سرداروں کے دل بھی سانگا کی طرف جھکے ہوئے تھے ہرگز نہیں۔ بلکہ بات صرف وہی تھی کہ یہ سب سردار اپنا اپنا مفاد چاہتے تھے اور اس مفاد کے حصول کا واحد ذریعہ انہوں نے یہی خیال کیا تھا کہ بابر کے برخلاف رانا سانگا کی حمایت میں متحدہ محاذ جنگ قائم کر لیا جائے چنانچہ اسی امید پر وہ سب بلا تفریق مذہب و ملت رانا سانگا کی طرف جھک گئے تھے۔"

بابر نے حسن خاں کو جو کافر نعمت اور احسان فراموش لکھا ہے یہ بھی اسی کی ہٹ دھرمی ہے اگر واقعی حسن خاں بابر کو ہندوستان کا شاہنشاہ تسلیم کر لینے کے بعد پھر بغاوت اختیار کرتا تب تو بابر کا ایسا کہنا کچھ درست ہی ہو سکتا تھا۔ لیکن ابھی تک بابر کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ جس میں کہ آندھی و کے پیر شدی والا معاملہ تھا۔ شہر دہلی اور آگرہ کے سوا ابھی بابر کے پاس دھرا ہی کیا تھا تمام سردار باغی ہو رہے تھے حکومت نے ہنوز استقلال حاصل ہی نہیں کیا تھا۔ پس ایسی مذبذب حالت میں کیسے یقین ہو سکتا تھا کہ بابر ایک دن ضرور ہندوستان کا شاہنشاہ بن جائے گا۔ اور سب کو اس کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ اسی واسطے رانا سانگا اور حسن خاں نے مل کر سلطان محمود بن سکندر شاہ لودھی کو دہلی کا بادشاہ بنا کر اس کی مدد کی تھی کیونکہ ہندوستان کی حکومت کا وہی اصلی وارث تھا۔ لیکن مشیت ایزدی سے سلطنت ہند۔ خاندان لودھی سے منہ موڑ چکی تھی اس وجہ سے کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی اور بابر تمام شمالی ہندوستان کا بادشاہ بن بیٹھا ع

یہ اپنا اپنا مقدر ہے کیا گلہ اس کا
کوئی فقیر کوئی شہریار ہوتا ہے

اس موقعہ پر حسن خاں کا یہی فرض تھا کہ وہ اپنے پرانے آقاؤں کی جن کی بدولت اس کو

یہ عروج حاصل ہوا تھا ہر طرح سے مدد کرے۔

چونکہ ہندوستان کی حکومت ایک عرصے سے پٹھانوں کے قبضے میں چلی آتی تھی اس لئے شاہنشاہی حقوق بابر کی آمد کے وقت سلطان ابراہیم لودھی کو اور اس کے بعد سلطان محمود بن سکندر لودھی کو حاصل تھے جن کی شاہنشاہی کے ماتحت مانا جاتا تھا اور حسن خاں وغیرہ سردار اپنے اپنے علاقوں میں بادشاہ بنے ہوئے تھے اگر یہ لوگ سلاطین مذکورہ بالا سے بغاوت کرتے تب تو ان کی طرف سے حسن خاں کے لئے کافر نعمت اور احسان فراموش وغیرہ کے الفاظ درست مانے جا سکتے تھے۔ نہ کہ بابر کی طرف سے جس کا ابھی تک کوئی حق قائم ہی نہیں ہوا تھا۔ اگر جہاد کا خیال کیا جائے تب بھی بابر کسی طرح حق پر ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ بابر کے حملے کے وقت ہندوستان دارالاسلام تھا نہ کہ دارالحرب۔ جس میں سلطان ابراہیم لودھی مسلمان بادشاہ موجود تھا اور ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر بلاوجہ صرف ملک گیری کی ہوس میں حملہ کر دینا شرعاً ناجائز ہے اور اس کے طرفین کے مسلمانوں کی خون ریزی کا عذاب حملہ آور کی گردن پر عاید ہوتا ہے دوم یہ کہ بابر بادشاہ محمود غزنوی اور محمد غوری کی طرح صرف اسلام کی اشاعت کے لئے بھی ہندوستان میں نہیں آیا تھا بلکہ اس کے پاس اس کے آباؤ اجداد کے ملک میں سے ازبکوں کے سردار شیبانی خاں نے ایک انچ زمین بھی نہیں چھوڑی تھی اور ناچار یہ اپنی بہن خانزادہ بیگم کو شیبانی خاں کے نکاح میں دیکر اور اس سے رہائی حاصل کرکے ننگے سر ننگے پاؤں مع اپنے حرم سرا کے آدھی رات کے وقت سمرقند سے ہندوستان کی طرف بھاگا تھا۔ اور یہاں آکر ایک مسلمان بادشاہ پر جس کے گھرانے میں پشتوں سے حکومت چلی آتی تھی حملہ کر دیا ان وجوہات سے وہ غازی کہلانے کا بھی مستحق نہیں تھا۔ البتہ غاصب سلطنت ضرور کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس نے ہندوستان پر اچانک لٹیروں کی طرح چھاپہ مارا تھا۔ حالانکہ اس طرح حکومت حاصل کرنے کا اخلاقاً۔ مذہباً اور قانوناً اس کو کوئی بھی حق حاصل نہ تھا۔ اور یہ سب کچھ اس کی کارروائی غاصبانہ تھی اسی وجہ سے حسن خاں وغیرہ نے ملکر جوانمردی سے اس کا مقابلہ کیا۔ اور نامردوں اور کم ہمتوں کی طرح ملک اس کے حوالے نہیں کر دیا تھا۔ البتہ فتح و شکست خدا کے اختیار ہے وہ جس کو چاہے دے لیکن اس سے جو کچھ بن پڑا اپنے ملک کی حفاظت کے لئے وہ کیا۔ شعر

فتح و شکست مقدر پہ ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

خانزادوں کے جد امجد بہادر ناہر کے متعلق مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی بھی لکھتے ہیں کہ خانزادان فیروزپور کے خوش اعتقادی مورخ ان شیر شاہ کو کافر نعمت اور غاصب سلطنت لکھتے ہیں وہ افغان تھا جن کی سلطنت عرصے سے ہندوستان میں چلی آرہی تھی اور ہمایوں کی نسبت زیادہ مستحق تھا۔ دیکھو تاریخ ہندوستان جلد سوم صفحہ ۳۲۲۔

البتہ فتح کے بعد بابر کی زندگی ایک ست روی ہو جاتی ہے کہ جو اس کے ہاتھ میں قلم بھی اس نے اس شاندار مگر ظلم و کینہ و دشمنی سے پُر عمل کر کے جو چاہا اپنی تزک میں لکھ دیا یا لکھوا دیا اسی سال لگ بھگ فتح حاصل کرنے کے بعد بھی میوات کی طرف سے بابر کے دل پر خوف چھایا ہوا تھا اس لئے اس نے دوبارہ میوات کو برباد کرنے کے لئے فوج بھیجی تھی بابر خود بھی اپنی تزک میں لکھتا ہے کہ غنیم سیکری کی فتح کے بعد میں نے ہندوؤں کا ملک چھوڑ کر سب سے پہلے میوات کا نظم و نسق ضروری سمجھا۔ اسی لئے میں نے وہاں سے چل کر اور میوات جا کر پانچ پانچ کوس کے اور چھ چھ کوس پر ڈیرے ڈال دیئے اور چند سرداروں کو حکم دیا کہ میوات کے بدمعاشوں اور باغی خانزادوں کو قرار واقعی سزا دیں اور وہاں کا معقول انتظام کر دیں۔ تاکہ آئندہ کے لئے کوئی خطرہ باقی نہ رہے فتح کے بعد میں نے تجارہ شاہ چین تیمور سلطان کو حاکم مقرر کیا اور پھر میں ماہ رجب میں الور گیا وہاں ایک روز ٹھہر کر تمام خزانے شاہزادہ ہمایوں کے حوالے کئے اور الور ودی خاں کو وہاں حاکم مقرر کیا۔ غرض میں نے میوات کا انتظام سابق سے اچھا کر دیا چونکہ بابر کو ہر وقت میوات کی طرف سے یہ کھٹکا تھا کہ ایسا نہ ہو کوئی دوسرا حسن خاں جیسا شخص کھڑا ہو اس لئے اس نے اس موقعہ پر میوات کے خانزادوں کو جلا وطن کرنے میں کوئی کمی نہیں کی چنانچہ صوبہ بہار، بریلی اور راجپوتانہ میں جو خانزادے اب آباد ہیں ان میں سے زیادہ تعداد اسی زمانہ کی نقل مکانی کئے ہوئے ہے۔

یہ بابر کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے زمانہ میں کوئی اصلی یا نقلی حسن خاں پیدا نہیں ہوا البتہ خانزادان میوات کے زمانہ میں ایک نقلی حسن خاں بھی پیدا ہو گیا تھا۔ جس کو ملا عبدالقادر بدایونی اور بیرم خاں خانخاناں نے بھی دیکھا تھا۔

اس نقلی حسن خاں کے پیدا ہونے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس زمانہ کے لوگ حسن خاں کو کتنا بڑا بہادر، جوانمرد اور جان باز سردار مانتے تھے اسی وجہ سے فرضی یا نقلی حسن خاں بن کر ہی اپنی توقیر بڑھانا چاہتے تھے اور یہ سب کچھ اسی اصلی حسن خاں کے رعب و دبدبہ کا اعجاز ہے جس کو بابر مردود، ملحد، کافر نعمت، احسان فراموش وغیرہ لکھتا ہے۔

مرہم تو ہم زاد شد ... بہ جگر سینہ ست
... سعد ... تحریر ... شد

جنگ فتح پور سیکری ۹۳۳ھ

... جنگ فتح پور سیکری ... سلطان ...
... بیا جلوس ...
سلطان ابراہیم کے مددگاروں میں حسن خاں میواتی ...
اس لڑائی میں ابراہیم لودھی کو شکست ہو گئی اور وہ قتل کر دیا گیا۔

چونکہ بابر کا اپنے بھائیوں اور اہل ملک سے کچھ بہتری کی امید نہ تھی اس لئے اس نے اپنے آباؤ اجداد کی مانند ہندوستان کو فتح کرنے کے بعد یہیں رہنا پسند کیا۔ کیونکہ اپنے ملک میں اس کے پاس دھرا ہی کیا تھا۔ پس اس نے اس ارادے کو دیکھ کر ہندوستان کے تمام سردار بلا تمیز مذہب و ملت بابر کے برخلاف رانا سانگا کی مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ حسن خاں نے بھی بارہ ہزار سواروں سے اور سلطان محمود بن سکندر شاہ نے دس ہزار سواروں سے اور صلاح الدین نے تیس ہزار سواروں سے سانگا کی مدد کی تھی ان مسلمان سرداروں کے علاوہ بہت سے ہندو راجے اور راناؤں نے بڑی بڑی فوجیں بھیجیں۔ آخر ۹۳۳ھ مطابق ۱۵۲۷ء کو رانا سانگا دو لاکھ آدمیوں کا لشکر لیکر بابر کے مقابلہ پر آیا۔ مقام کانواں علاقہ بیانہ پر جو فتح پور سیکری سے آٹھ میل پر ہے دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا یہ وہ وقت تھا جب کہ ہندو مسلمان سرداروں نے مل کر آخری کوشش اپنی آزادی کے واسطے کی تھی۔ رانا سانگا نے بھی کچھ حسن خاں کو دعوت دی تھی کہ وہ اس قوم کی مدد کرے جس میں سے وہ خود پیدا ہوا ہے تا کہ مسلمانوں کی طاقت کو جو شمال کی طرف سے بڑھتی چلی آتی ہے روکا جا سکے چونکہ حسن خاں کی طاقت اس زمانہ میں بہت زبردست تھی بابر خود بھی ... بغاوت ... پیدا کر ... سکتا تھا اس نے اس کو اپنی جانب لانے کی بہت کوشش کی کیونکہ اس تمام محبت ہندوؤں کے ساتھ تھی۔ اور اس کے ... کی موجودگی سے ... بابر کی مخالفت کو بہت کافی خطرناک بنا دیا۔ سلطان محمود بن سکندر شاہ ... وجہ سے بابر کا مخالف تھا کہ اس کو اپنے بھائی ابراہیم لودھی کے جوش خون کی وجہ سے اور لودھی خاندان سے سلطنت جاتے رہنے سے سخت رنج تھا۔

حسن خاں ... کا بھی معتقد تھا ... صاحب ... سے جیت رکھتا تھا اس لئے اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر ... کی اجازت طلب کی اور ... ہو گیا

پیش کر کے فتح کی دعا کے لئے طالب ہوا۔

کہتے ہیں سید جمال صاحب مرد باکمال تھے انہوں نے حسن خاں کو بابر کے ساتھ لڑنے سے منع فرمایا تھا اور یہ کہا تھا کہ بابر دیندار بادشاہ ہے اس پر فتح پانا دشوار ہے لیکن خدا کی مرضی یہی تھی۔ حسن خاں نے اپنے پیر کے حکم کو بھی ٹال دیا اور بیانہ ریور سے واپس ہو کر الور کے قلعہ میں پہونچا۔ اور وہاں سے فوج لیکر بہت جلد رانا کی مدد کے لئے آگرہ جا پہونچا۔ آخر طرفین میں بڑے زور کی خونریز جنگ واقع ہوئی۔ صبح سے عصر تک لڑائی ہوتی رہی ٹاڈ صاحب اپنی تاریخ میں اس لڑائی کی شکست کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ:-

سانگا کے طرفداروں کو دو وجہ سے شکست ہوگئی۔ اول یہ کہ بابر کے پاس توپخانہ تھا جس کے گولوں سے ہندوستانیوں کے پرے کے پرے صاف اڑ گئے۔ دوسرا سبب یہ کہ تلوار سے تلوار بج رہی تھی تیر پہ تیر برس رہے تھے۔ گولے پہ گولا پڑ رہا تھا لڑائی کے دونو پلے برابر تھے کسی کو خبر نہ تھی کہ فتح کا رخ کدھر ہے کہ اس حالت میں ایک تنور قوم کے سردار نے رانا سانگا کے ساتھ دغا کی یہ نمک حرام مقدم لشکر تھا۔ ہراول فوج کی باگ اسی کے ہاتھ میں تھی۔ جب ایسا سپہ سالار دفعتہً دشمن سے ملجائے۔ اور اپنی ہی تلوار اپنی گردن پر وار کرنے لگے تو کیونکر دل اوچھا نہ ہو:-

دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۴۷۵

اگرچہ ہندوستانی سرداروں نے بڑھ بڑھ کر حملے کئے لیکن چونکہ ان کے پاس توپخانہ نہ تھا بلکہ تیر وکمان اور تلوار تھی۔ بھلا توپ کے سامنے تیر و تلوار کیا کام دے سکتی ہے بابر کے توپ خانہ نے ہر ایک آگے بڑھنے والے سرِ حامد کی فوج کو بھون ڈالا اور فوجوں کے پرے کے پرے اڑا دیئے جس سے بابر کو فتح ہوگئی اور رانا سانگا میدان جنگ سے اپنی جان لیکر بھاگ گیا اور اپنے ہمراہیوں سے غداری کر کے ان کو وہیں خاک و خون میں تڑپتا ہوا چھوڑ گیا اور چتوڑ کی رانا وتی کے نام کو بٹہ لگا گیا۔ البتہ حسن خاں میواتی جوانمردی کے ساتھ وہیں لڑتا رہا اور بابر جیسے زبردست دشمن کے مقابلہ میں سینہ سپر بنا رہا حسن خاں کے دوسرے مسلمان ہمراہی سردار سلطان محمود نے بھی رانا سانگا کی رفاقت میں اپنی جان قربان کر دی۔

واقعی بہادری اسی کا نام ہے باوجودیکہ ہندوؤں میں سے ہی سلہدی نامی رئیس

راسیت جن باغی ہو کر بابر سے مل گیا تھا جن سے ان لوگوں کو یہ روز بد دیکھنا نصیب ہوا اگر یہ مسلمان سردار بابر سے مل جاتے تو چنداں تعجب نہ تھا۔ لیکن یہ سب کے سب وفا کے پتلے نکلے۔

اثنائے جنگ میں حسن خاں کا گھوڑا نشیب میں اگر ٹھوکر کھا گیا جس سے حسن خاں گھوڑے کی پیٹھ سے گر گیا۔ بابر کی فوج نے پہچان کر اسے قتل کر ڈالا اور ایک زبردست دشمن کے مارے جانے پر اس کی تمام سپاہ میں خوشی کے شادیانے بجائے گئے تھے ؎

رستم، بازئیں پہ نہ سالم رہ گیا

مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

افسوس حسن خاں کی عمر نے وفا نہ کی۔ ورنہ اس نے اپنے دل میں یہ پکا ارادہ کر لیا تھا کہ بغیر فتح کئے ہوئے الور میں واپس نہ آؤنگا اور بیشک اگر وہ مارا نہ جاتا۔ تو ضرور اپنے ارادے کو پورا کر کے چھوڑتا یا کوئی اس کا وارث ہی ایسا صاحب ہمت اور دور اندیش ہوتا تو بابر کی اولاد کو ہندوستان کی سلطنت کبھی میسر نہ ہوتی۔

اکبر نامہ میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں ناہر خاں پسر حسن خاں اور جمال خاں و فتح جنگ خاں چچازاد بھائی حسن خاں کے اور حسین خاں برادر حقیقی حسن خاں نے بجز اطاعت کوئی چارہ نہ دیکھا اس لئے یہ سب بابر کے پاس حاضر ہو گئے اور متوفی کی لاش کو اپنا وطن الور میں لیجانے کی درخواست کی بابر نے درخواست منظور کر لی کیونکہ یہ سب لوگ درخواست کرنے والے بڑے پایہ کے سردار تھے اور ساتھ ہی حسن خان کے قریبی رشتہ دار تھے۔

الغرض برادران حسن خاں نے اس کی لاش کو میدان جنگ سے لا کر الور کی آبادی کی شمالی جانب دفن کر دیا۔ اور اس کی قبر پر ایک بڑا گنبد تعمیر کرا کر اس جگہ کا نام حسن کی رکھدیا چنانچہ وہ جگہ آجتک اسی نام سے مشہور ہے۔

اس لڑائی کا سن وقوع ایک ہندی دوہے سے یوں عیاں ہوتا ہے ؎

پندرہ سو چوراسی پڑا

حسن خاں جب بابر سے لڑا

اور بابر والوں کی طرف سے فارسی تاریخ ذبیح بادشاہ اسلام نکالی گئی

بابر نے مجبوراً حسن خاں کے بیٹے ناہر خاں کو یہاں کا قدیمی جاگیردار اور اقبال و اور باز کوحسن جانب نا ہر خیال کر کے بابر نے ناہر خاں کا قصور معاف کر دیا اور ایک معقول جاگیر والا دی جس کی آمدنی سات لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔

خانزادوں کا تنزل

بابر لکھتا ہے کہ راجہ حسن خاں کے سرداروں میں ایک شخص کرم چند نامی ہندو سردار بھی تھا۔ وہ اس وقت بھی آگرہ میں میرے پاس آیا کہ راجہ حسن خاں کا بیٹا ناہر خاں میرے پاس موجود تھا اور اب پھر دوبارہ بھی حسن خاں کے مارے جانے اور حکومت میرے قبضے میں آجانے کے بعد بھی میرے پاس آیا اور ناہر خاں کی طرف سے میرے مراحم خسروانہ کی درخواست کی۔ میں نے اس کے ساتھ ایک سردار عبدالرحیم بھیج دیا۔ اور خطوط لکھ دیے تاکہ انکو پڑھکر ناہر خاں کے دل کو اطمینان ہو جائے۔ اور اس کے دل سے خوف جاتا رہے وہ میری اس مہربانی کو دیکھکر میرے پاس چلا آیا۔ میں نے اس پر عنایت کی اور اسکو سات لاکھ ٹنکہ نقرئی سالانہ کا ایک پرگنہ بطور جاگیر اس کے گزارے کے لئے دے دیا۔

حسن خاں کے مارے جانے کے بعد خانزادے سرداروں کی ڈہائی سو سال کی حکومت جاتی رہی اور ان کی پولٹکل طاقت بالکل درہم برہم ہو گئی اس کے بعد پھر کبھی خانزادہ قوم کے اندر بہادر ناہر خاں راجہ جلال خاں۔ اقبال خاں۔ احمد خاں اور حسن خاں جیسے اولوالعزم بہادر سردار دکھائی نہیں دیئے۔ جو کہ کبھی شاہان دہلی کے موافق نظر آتے تھے۔ اور کبھی مخالف بنجاتے تھے اکبر۔ جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانے کے خانزادوں کی مقامی حیثیت پھر بھی بڑی زبردست اور شاندار رہی جو کہ پچھلی صدی تک قائم رہی

حسن خاں کی حکومت کی وسعت

جس ملک پر خانزادوں نے حکومت کی تھی اسکی وسعت مسلمان مورخوں کی کتابوں۔ مقامی روایتوں اور ان عمارات کے کھنڈروں سے جو کہ انہوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں بنائے تھے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ ریواڑی۔ جھجر۔ تہنہ ۔ اندور۔ بٹوگڑہ۔ تاوڑو۔ فیروزپور جھرکا۔ گھرگانوہ۔ بادشاہپور۔ سوہنہ ۔ سی۔ مجارہ۔ کشن گڑھ۔ الور۔ ڈڈیکرہ۔ بہادرپور۔ رام گڑھ۔ پہاڑی۔ کامان۔ کیوہ کلاں تجارہ۔ علی عزت گڑھ۔ بند گڑھ وغیرہ پرگنے جن میں سے ہر ایک کے ماتحت انتظامی طور پر کئی کئی سو قصبات لگائے ہوئے تھے وہ سب کے سب خانزادوں کے قبضے و دخل میں تھے بہت سے گنبد۔ مسجدیں۔ عیدگاہیں۔ سرائیں۔ سڑکیں مقبرے۔ قلعہ اور آبادیاں وغیرہ جو آجتک موجود پائی جاتی ہیں انہیں کے

بنائے جاتے اور بنائے جاتے ثابت ہوتے ہیں۔

حسن خاں نے اپنے زمانہ میں اپنے استحکام اور حفاظت کے واسطے کئی اور ہر ایک بڑا مضبوط پختہ قلعہ تعمیر کرایا تھا جو آج تک موجود ہے پہلا احاطہ جو مغلوں کے زمانہ میں صرف ایک اینٹ پتھر کا ڈھیر تھا۔ اس کو توڑ کر اور وہاں پھر سے نئے سرے سے قلعہ بنوایا۔ آپ کی حکومت کی [illegible] بہت بڑی رقم خرچ کرنے کے لئے منظوری کی تھی ۔ ۹۳۵ھ میں اس قلعہ کی بنیاد ڈالی گئی اس کی تعمیر کی تاریخ "بنا قلعہ جاوید" سے نکالی گئی جس کے عدد ۹۴۲ ہوتے ہیں۔ اس قلعہ کے چار دروازے تھے [illegible] اور [illegible] کنگوروں سے اس کی چار دیواری بنائی گئی تھی قلعہ کا محیط [illegible] گز حسب [illegible] رکھا گیا ہے چار دیواری کی بلندی اٹھارہ ہاتھ ہے۔ فصیل بھی بہت چوڑی رکھی گئی ہے قلعہ کے اندر متعدد مکانات اور باڑی اور کوئیں تعمیر کرائے گئے ہیں۔

۷ حسن خاں کی عادات و اطوار

حسن خاں بڑا مہمان نواز تھا۔ ایک دفعہ جب ۹۳۱ھ میں شہزادہ بہادر خاں ولد مظفر خاں گجراتی خواجہ معین الدین صاحب اجمیری کے مزار کی زیارت کر کے واپس جانے لگا تو وہ حسن خاں میواتی کی تعریف سن کر اس سے ملنے کے لئے میوات میں آیا حسن خاں نے اس کی آمد کی خبر سن کر چند منزل آگے بڑھ کر اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ اور بڑی دھوم دھام سے ضیافت و مہمانداری کا حق ادا کیا۔

حسن خاں شجاعت و بہادری میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ چتوڑ سیکری کی لڑائی میں رانا سانگا بھی اپنی جان بچا کر بھاگ گیا۔ مگر حسن خاں آخر وقت تک جوانمردی اور ثابت قدمی کے ساتھ بابر جیسے زبردست دشمن کے مقابلے میں سینہ سپر بنا رہا اور رن میں جان دیدی لیکن پیٹھ نہ دکھائی۔

حسن خاں شاعر بھی تھا اس کا دل تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری کی طرف بہت راغب تھا چنانچہ وہ اپنے زمانہ کے شاعروں میں شعر و سخن کا استاد مانا جاتا تھا یہ رباعی خود اسی کی طبع زاد ہے

شب تاریک و رہ باریک و منزل دور راہے نے ✤ دو چشم کور بے ہمرہ بجز ایزد و پناہے نے

کند ہر دم حسن خاں ایں ثنائے ذات پاک حق ✤ کہ او شاہ است برشاہاں دبر تو ہیچ شاہے نے

حسن خاں کی عادات وغیرہ اور علمی لیاقت کے متعلق ملا عبدالقادر بدایونی نے جو عبارت منتخب التواریخ میں لکھی ہے وہ بحسب عادت حسن خاں کو ہندی نژاد ہونے کی وجہ سے ہندوؤں کی فہرست میں داخل کر کے لکھی ہے اس میں بیساختہ طور پر اس کی قلم سے ایسے الفاظ بھی نکل گئے ہیں جن سے حسن خاں کی سراسر تعریف و توصیف پائی جاتی ہے ہم اس اصل عبارت کو معہ ترجمہ یہاں پر بجنسہ نقل کرتے ہیں۔

در جنگ بابر تیرے بر پیشانی حسن خاں میواتی گمراہ کافر کلمہ گو بود رسید۔
بعد از مرگ مردم او را در چاہے انداختند۔ و در دلبغاری نہادند واد در چاہ جہنم مے افتند
اگرچہ شخصے میواتی در سن نہ صد و شصت بعد از فوت سلیم شاہ افغان سور در میوات خروج
کردہ خود را حسن خاں مے گفت۔ و بعضے از نشانہائے پنہانی بہ میواتیاں مے گفت۔ و جمعے او را
قبول کردہ بودند۔ و جامع این منتخب نیز در سن نہ صد و شصت و پنج در آگرہ او را دیدہ با وجود
آثار نجابت و سرداری از شکل و روئے او ہیچ معلوم نمے شد۔ و خان خاناں بیرم خاں مرحوم
مے گفت کہ حسن خاں مذکور مردے صاحب جمعیت و پادشاہ نشانے بودہ۔ و طبعے نظمے داشت
و ابیاتے او میان مردم مشہور است و این مرد کہ خود بگواسے مے ماند صورت او تمام مسخ
شدہ مے نماید۔ حاشا و کلا این آں حسن خاں باشد و بعد از چند گاہ بعضے از خانزادہائے
میواتی بنا بر حمیت و غیرت او را بقتل رسانیدند)
منتخب التواریخ جلد اول صفحہ ۳۴۰ مطبوعہ ۱۸۶۸ء کلکتہ کالج پریس،،

اردو ترجمہ۔ بابر کی لڑائی میں حسن خاں میواتی کی پیشانی پر کہ وہ کافر کلمہ پڑھنے والا تھا ایک
ایک تیر لگا۔ اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اس کو ایک کوئیں میں ڈال دیا اور خود بھاگ گئے
اور اب حسن خاں دوزخ میں پڑا ہوا ہے،،

اگرچہ ایک میواتی آدمی سن نوسو ساٹھ ہجری میں سلیم شاہ سوری پٹھان کے مرنے کے بعد میوات
میں ظاہر ہوکر اپنے آپ کو حسن خاں کہتا تھا اور کچھ پوشیدہ نشانیاں بھی میوات کے رہنے والے لوگوں
کو دکھاتا تھا۔ اور بہت سے لوگوں نے اس کے کہنے کا اعتبار بھی کر لیا۔ اور اس تاریخ کے لکھنے والے
نے یعنی خود ملا صاحب نے بھی سن نوسو پینسٹھ ہجری میں آگرہ میں اس کو دیکھا تھا۔ لیکن سرداری اور
بزرگی کے نشانات اس کے چہرہ اور شکل سے کچھ معلوم نہیں ہوتے تھے اور بیرم خاں خاناں مرحوم
بھی یہی کہتے تھے۔ کہ حسن خاں مذکور فوج و لشکر کا مالک اور بڑے رعب و داب والا اور بادشاہوں
جیسی نشانیاں رکھنے والا تھا اور وہ شاعر بھی تھا چنانچہ اس کے شعر بھی لوگوں میں مشہور ہیں لیکن یہ
تو کوئی گنوار معلوم ہوتا تھا اس کی تمام شکل بدلی ہوئی اور خراب معلوم ہوتی ہے یہ ہرگز وہ حسن خاں
نہیں ہے چنانچہ میواتی خانزادوں نے اس کی اس شکل و صورت سے نفرت اور غیرت کھا کر اس کو قتل
کر دیا۔

حسن خاں کی وفات،، اس کی وفات کے بارہ میں مورخوں کا اختلاف ہے شیخ محمد

محمود صاحب۔ مولوی محمد الحق صاحب رام پوری۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی مرزا محمد تقی وغیرہ
مسٹر جیمز ٹاڈ صاحب۔ سید الطاف حسین صاحب وغیرہ تاریخی نامہ نگار حسن خاں کا میدان
جنگ میں ہندوؤں کی ضرب سے مارا جانا لکھتے ہیں اور مسٹر ... صاحب کا بیان ہے یہ
لکھتے ہیں کہ حسن خاں یا تو لڑائی میں مارا گیا۔ یا لڑائی کے بعد ہی ان کے رشتے داروں نے ان
سے قتل کروا دیا گیا۔ چنانچہ اس کا مقبرہ الور میں موجود ہے اور ملا عبدالقادر بدایونی یہ لکھتے ہیں کہ اس
کی پیشانی پر تیر لگا تھا جس سے وہ مر گیا۔ اور لوگوں نے اس کو کوئیں میں ڈال دیا۔

منشی خدا داد خاں صاحب عظیم آبادی اپنی تاریخ میں یہ لکھتے ہیں کہ حسن خاں کے ہاتھ
بیٹوں نے اس کی لاش میدان جنگ سے اپنے وطن الور میں لا کر دفن کر دی اور اس پر مقبرہ بنا
دیا۔ اس جگہ کا نام آج تک حسن کی مشہور چلا آتا ہے۔

نواب جمال خاں برادر حسن خاں جاگیردار الور

جمال خاں کو بعض مورخ حسن خاں کا حقیقی بھائی اور بعض چچا زاد بھائی لکھتے ہیں جب سکندر شاہ لودھی بادشاہ تھا۔ تو اس نے رشتے کے تعلق کی وجہ سے جمال خاں کو بھی اپنے امرا میں داخل کر کے جون پور کا حاکم بنا دیا تھا۔

جس وقت اکبر ہندوستان کا بادشاہ تھا اس نے اپنے باپ ہمایوں کی بدنظمی کو یاد کر کے ہندوستانی رئیسوں کے ساتھ اپنی رشتہ داریوں کی بنیاد ڈال کر ان کو اپنا یار و مددگار بنانا چاہا کیونکہ ہندوستان کی تسخیر کے لئے اس تدبیر سے بہتر کوئی تدبیر نہیں تھی۔ اسی وجہ سے اس نے بیرم خاں خان خاناں کی صلاح و مشورہ سے جمال خاں چچا زاد بھائی حسن خاں سے رشتہ کا تعلق پیدا کیا تھا۔

چونکہ جمال خاں کے دو لڑکیاں تھیں جن میں سے بڑی لڑکی اکبر بادشاہ کو بیاہی گئی اور دوسری اس کے وزیر اعظم بیرم خاں کو جس سے اس کا بیٹا عبدالرحیم خان خاناں پیدا ہوا تھا جو کہ اکبری نورتنوں میں بڑا مشہور آدمی ہوا ہے جمال خاں کی بڑی لڑکی کی شادی میں جس کا نام شاہ بانو تھا اور جس کے بطن سے اکبر کی دو لڑکیاں پیدا ہوئی تھیں مورخوں کا اختلاف ہے چنانچہ تاریخ فرشتہ و دربار اکبری۔ مرقع الور۔ تاریخ ضلع گوڑگانوہ۔ تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ وغیرہ میں تو یہ شادی اکبر بادشاہ کے ساتھ ہونی بیان کی گئی ہے لیکن آثار امراء و گزیٹیر میں ... ہمایوں بادشاہ سے ...

ساتھ عقد ہونا لکھا گیا ہے۔

شادہانو بیگم کی شادی سے پہلے اکبر کی پانچ شادیاں اور بھی ہو چکی تھیں۔ چھٹی بیوی یہ شادہ بانو بیگم تھی۔ اس کے بعد اکبر کی دو شادیاں اور ہوئیں۔

چونکہ جمال خان کی بڑی لڑکی کی شادی میں یہ اختلاف ہے کہ وہ اکبر بادشاہ کے ساتھ ہوئی تھی یا ہمایوں کے ساتھ اس لئے ہم ناظرین کی دلچسپی کے لئے تمام حوالوں کو تاریخوں سے اخذ کر کے یہاں لکھتے ہیں۔

(۱) مولوی محمد حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ:۔

بیرم خاں کو تو ایک عالم جانتا ہے اب عبدالرحیم کی ماں کا خاندان بھی سن لو۔ کہ جمال خاں میواتی کی بیٹی اور حسن خاں میواتی کی بھتیجی تھی۔ بڑی بہن اکبر بادشاہ کے محل میں تھی اور چھوٹی وزیر کے حرم سرا میں۔ خاص بادشاہ نے خود عبدالرحیم نام رکھا۔ کتاب دربار اکبری صفحہ ۵۷۷

۲۔ شیخ محمد مخدوم صاحب لکھتے ہیں کہ

حسن خاں خانزادہ رئیس الور کا ایک بھائی جمال خاں تھا اس کی دو لڑکیاں تھیں ایک اکبر بادشاہ کے عقد میں آئی تھی اور دوسری بیرم خاں مدار المہام سلطنت کو بیاہی تھی جس سے عبدالرحیم خان خاناں پیدا ہوا) کتاب ارژنگ تجارہ صفحہ ۲۵

۳۔ سید الطاف حسین صاحب لکھتے ہیں کہ

جب ۹۶۸ھ میں بیرم خاں وزیر بدست مبارک خاں لوحانی مارا گیا۔ تو بیرم خاں کے ملازموں نے اس کے چار سالہ بیٹے عبدالرحیم کو معہ اس کی والدہ کے جو کہ دختر جمال خان چچا زاد بھائی حسن خاں خانزادہ کی تھی احمد آباد گجرات میں پہونچا دیا۔ دیکھو تاریخ ضلع گوڑ گانوہ صفحہ ۱۴۱

۴۔ محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں کہ:۔

محمد امین دیوانہ اور بابا زنبور وغیرہ ملازمان بیرم خاں نے اس کے فرزند مرزا عبدالرحیم کو جو کہ ماہ صفر ۹۶۴ھ میں پیدا ہو کر اس وقت چار برس کا تھا اس کی والدہ کے ہمراہ جو کہ دختر جمال خاں چچیرے بھائی حسن خاں میواتی کی تھی۔ احمد آباد گجرات میں لے گئے۔ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۳۵۷

۵۔ مسٹر سی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب پولٹیکل ایجنٹ الور لکھتے ہیں کہ۔

ہمایوں بادشاہ کی دوبارہ تخت دہلی کو واپس لینے کے بعد شیر شاہ بادشاہ کے خاندان کا زوال ہو چکا تھا اس وقت خانزادوں نے مطلق کوئی حصہ نہیں لیا تھا کیونکہ ہمایوں بادشاہ نے جمال خان خانزادہ کی بڑی لڑکی سے شادی کر کے خانزادوں کو اپنی طرف لانے کی کوشش کی تھی جو جمال خان حسن خان خانزادے کا چچا زاد بادشاہ کا حریف تھا چچازاد بھائی تھا اس کی چھوٹی لڑکی کی شادی بیرم خاں خان خاناں سے ہوئی تھی جس سے عبدالرحیم پیدا ہوا تھا ترجمہ تزک بابری اور صفحہ ۱۷۱

۶ میر عبدالرزاق صاحب لکھتے ہیں کہ امرزا عبدالرحیم خلف الصدق بیرم خان است والدہ اش از مرخوخاں میوات بود۔ چون جنت آشیانی ورتین ۹۶۲ نہصد وشصت ایک ہجری بہ اعلیٰ اقبال مودہ مرتبہ ثانی سریر آرائے ہندوستان شدہ برائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
استمالت وتالیف زمینداران اطراف وجوانب اولیائے دولت را با فرزندان آن طبقہ نسبت نکو کردہ جمال خاں عم زادہ حسن خاں میواتی کہ او از زمینداران معتبر ہندوستان بود چوں بملازمت رسید۔ دو صبیہ داشت۔ کلاں را بادشاہ در حبالہ عقد خود آوردہ دوم را بہ بیرم خاں تزویج فرمود) کتاب ماثر الامراء جلد اول صفحہ ۶۵۳ مطبوعہ کلکتہ پریس ۱۸۸۸ء

(۷) مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی تحریر کرتے ہیں کہ (میوات کے زمینداروں کی تسلی دلجوئی کرنے کے واسطے اکبر بادشاہ نے میواتیوں سے رشتے ناطے کرنے شروع کر دیئے حسن خاں میواتی کے چچا زاد بھائی جمال خاں کی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک کے ساتھ خود اکبر بادشاہ نے شادی کی اور دوسری کے ساتھ بیرم خاں وزیر کی شادی کرائی اس وقت یہ ناطے رشتے کرنا انتظام ملکی کے متعلق اکبر کا حکم رکھتا تھا)۔ تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۲۶۔

۸ یہی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ (خان خاناں مرزا عبدالرحیم پسر بیرم خاں وزیر اعظم کی ماں جمال خاں برادر حسن خاں میواتی کی بیٹی تھی۔ تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۹۹۔
ان تمام حوالوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ خانزادوں کے ہمواتی زمانہ میں بھی جبکہ میوات کی حکومت انکے ہاتھ سے نکل کر ہمایوں اور اکبر کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی انکا مقامی اقتدار مسلمہ تھا اسی واسطے شاہان دہلی نے ان کے ساتھ ناطے رشتے کرنے انتظام ملکی کے لئے ضروری خیال کئے تھے تاکہ سابقہ تلخ تجربہ کا اعادہ نہ ہونے پائے جیسے بابر بادشاہ اپنے زمانہ میں حسن خاں خانزادہ کے ہاتھ سے اٹھا چکا تھا۔ دوسرا فائدہ یہ تھا کہ مسلمان بادشاہ ہندوستانی امراء کے ساتھ ان ناطے رشتوں کو ہندوستان کی تسخیر کا بہت بڑا ذریعہ سمجھتے تھے اکبر نے یہ مستحکم ارادہ کر لیا تھا ۔۔۔

خانہ جنگیوں کے ساتھ منسلک کر دوں۔ تاکہ باہم ان کی محبت پیدا ہو جائے جس کی بدولت یہ لوگ میری اطاعت دل و جان سے کرنے لگیں۔ چنانچہ یہ خیال اس کا بالکل صحیح نکلا ہندی نژاد امرا کو بھی ان ناطے رشتوں سے یہ فائدہ ہوا کہ مسلمان درباروں میں یہ لوگ بہت معزز گردانے جانے لگے اور بڑے بڑے عہدے۔ جاگیریں خطابات اور مناصب حاصل کرنے لگے۔ جس زمانہ میں اکبر بادشاہ بیرم خاں سے ناراض ہو گیا تھا تو بیرم خاں نے اپنے متعلقین کو معہ اپنی بیوی دختر جمال خاں کے اس کے پاس اور میوات برائے حفاظت بھیج دیا تھا جب وہ حج کو جانے لگا تو اور راہ میں رجب ۹۶۸ھ کو اپنے متعلقین کو الور سے لا کر ساتھ لے گیا تھا۔

نوٹ اس موقعہ پر جو حوالہ جات ہم نے نقل کئے ہیں ان میں سے مآثر الامرا فارسی اور تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ کے اندر جمال خاں اور حسن خاں خانزاد گان میوات کو ہندوستان کے بڑے معتبر اور عمدہ زمینداروں میں سے لکھا گیا ہے لیکن موجودہ زمانہ میں تعلیم یافتہ طبقے کے اندر یہ زمیندار کا لفظ کچھ زیادہ شاندار نہیں سمجھا جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مسلمان بادشاہ غیر مسلم حاکموں کو راجہ کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے اسی طرح انہوں نے ہندوستان کے ہندو اور مسلمان حاکموں کو یہاں کا عمدہ اور معتبر زمیندار بھی لکھا ہے

یہ زمیندار کا لفظ بہت معزز اور خود مختار حاکموں کے لئے بولا جاتا تھا جس کی چند مثالیں نقل کرتے ہیں۔ جس سے اس لفظ کا معزز ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ شاہنشاہان دہلی اپنے زمانہ اوج و اقبال میں ہندوستانی تاجداروں کو عموماً زمیندار کہتے تھے اور یہ لفظ ہرگز تحقیر آمیز نہ تھا۔ بلکہ بھومیا راج کا ترجمہ ہے ہندوستان کے راجہ لوگ بھومیا راج کہلاتے تھے چھتری راجپوتوں میں اس لفظ کی بڑی قدر ہے بڑے بڑے تاجداران ملک بھومیا راج یا زمیندار کا لفظ اپنے تئیں کہلوانا بہت پسند کرتے تھے پس اسی خیال کے مطابق مسلمان بادشاہوں نے بھی یہاں کے حاکموں کو زمیندار کہا ہے۔ دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد اول صفحہ ۵۰۵ ایڈیشن پنجم مطبوعہ لاہور۔

۲۔ زمیندار اور بھومیا راج کا لفظ ہندوؤں میں اس زمانہ سے پہلے کا خطاب ہے جب اہل اسلام نے مالک زمین کے لئے زمیندار کا اصطلاحی لفظ جاری کیا تھا یہ زمیندار لوگ قدیم والیان ریاست کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنے تئیں آزاد اور مالک آراضی جانتے ہیں۔ ان کی جاگیرات وغیرہ ضبطی یا واپسی سے بری ہوتی تھیں ایسی جاگیر کے لئے جاگیرداروں کی

راجستھان جلد اول صفحہ ۲۸۰ ۔

۳۔ مولوی محمد نجم الغنی صاحب رامپوری نے اپنی تاریخ راجپوتان ہند کے صفحہ ۸۰ ۔ ۱۰۹ رانا اودے سنگھ اور رانا پرتاپ سنگھ کو زمیندار لکھا ہے۔

۴۔ مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے تاریخ ہندوستان جلد چہارم صفحہ ۳۰۳ ۔ ۴ یوسف کی بادشاہ کشمیر کو اور اسی جلد کے صفحہ ۸۰ ۔ ۱۰۹ جلال خان حاکم بہاولپور کو زمیندار لکھا ہے۔

۵۔ ابوالفضل نے رانا ارجن کی والی چتوڑ کو زمیندار لکھا ہے دیکھو تاریخ ہندوستان جلد پنجم صفحہ ۳۴۴ ۔

غرض یہ زمیندار کا لفظ بہت بڑے بڑے خود مختار راجاؤں اور بادشاہوں کے لیے لکھا جاتا تھا۔ اسی رسم قدیم کے موافق میوات کے خانزادوں کو بھی تاریخوں کے اندر ہندوستان کے معتبر اور عمدہ زمیندار اور خانان میوات لکھا گیا ہے۔

۶۔ انگلستان میں بھی زمیندار کا لفظ بڑا معزز سمجھا جاتا ہے چنانچہ وہاں زمیندار کو لارڈ یعنی نواب کہتے ہیں۔

۳۔ نصول خان بن سلطان خان بہادر خان جاگیردار پرگنہ جھجر و ریواڑی!

چونکہ ان کو وراثت میں کوٹ قاسم ۔ بڈسرہ ۔ سرہٹہ ۔ اور بوبکا ہیڑہ ملا تھا۔ لیکن شاہ محمد خان ابن کا تایا لاولد مر گیا تھا اس لئے اس کو گود لینے کی وجہ سے ریواڑی اور جھجر بھی اسے مل گیا تھا نصول خان کے چھ بیٹے پیدا ہوئے اول حسن خان جس کی اولاد میں کوٹ قاسم کے خانزادے ہیں دوسرا حسین خان جس کی نسل سے بوبکا ہیڑہ اور بڈسرہ کے خانزادے ہیں۔ تیسرا دولت خان جس کو موضع برلوٹی ملا تھا۔ چوتھا کمال خان جس کے حصے میں بیٹھوار آیا تھا پانچواں بہلول خان جس کے حصے میں سرہٹہ آیا تھا چھٹا گدائی خان جو خاص ریواڑی میں مسند نشین ہوا۔

کوٹ قاسم کے خانزادوں میں بڑے بڑے جاگیردار سردار گزرے ہیں۔ چنانچہ اس نا موافق زمانہ میں بھی ان کے پاس گرد و نواح میں چند مواضعات جاگیر میں ہیں مگر ان لوگوں نے اپنے اسراف ٹھاٹ باٹ اور فضول خرچی کی بدولت یہ گاؤں اہل زر کے پاس گروی رکھ دیئے ہیں اور اگر یہی لیل و نہار رہے تو آئندہ بیع کرنے کی بھی نوبت پہونچ گئی ہے۔

حسن خاں کی اولاد میں ایک شخص قاسم خاں پیدا ہوا ہے جس نے قصبہ کوٹ کو آباد کیا تھا اور اپنے نام پر اس کا نام کوٹ قاسم رکھا تعجب ہے کہ گردا ایک قدیم قصبہ ہی بنائی تھی جواب گر گئی ہے

کوٹ قاسم میں حضرت لاڈو خاں عرف لال محمد صاحب ایک با کمال ولی اللہ پیدا ہوئے تھے جن کی خوشہ چینی اور روحانی فیض کے طفیل بہت سے بزرگوار خدا رسیدہ بن کر ان کے سجادہ نشین مقرر ہو چکے ہیں۔

حضرت لاڈو خاں صاحب کی ولادت اور سکونت کے سبب کوٹ قاسم دور دور تک مشہور ہو گیا ہے ان کے حالات زندگی ہمیں جناب حافظ مجید الدین صاحب سجادہ نشین خانقاہ شعیبیہ قصبہ تجارہ نے عطا فرمائے ہیں۔ جو امیر ابو العلا صاحب اکبر آبادی کے تصنیف کردہ اور شاہ ابو البرکات صاحب تجاروی کے ترجمہ کردہ ہیں اور آپ کا نسب نامہ جدی میرے ماموں صاحب قبلہ یوسف خاں صاحب متوطن کوٹ قاسم کا عطیہ ہے جو لاڈو خاں صاحب کے خاندان میں سے ہیں اور ان کی درگاہ کے موجودہ سجادہ نشین بھی ہیں۔

حضرت لاڈو خاں صاحب بہادر خاں بن ناہر خاں کی اولاد میں ہوئے ہیں۔ ان کے والد کا نام حسن خاں تھا۔ اصل نام مع لقب حضرت محرم جان لاڈو خاں عرف خواجہ لعل محمد شاہ چشتی۔ قادری العلائی ہے آپ مولانا ابو الخیر عثمانی تجاروی کے شاگرد رشید ہیں اور مولانا معین الدین صاحب سجادہ نشین اجمیری کے مرید اور میر عبد الواحد صاحب قادری اکبر آبادی کے تربیت یافتہ اور شیخ محمد الیاس صاحب برہان پوری کے خرقہ یافتہ ہیں۔"

امیر ابو العلا صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ خواجہ لعل محمد کا مولد و مسکن و مدفن قصبہ کوٹ قاسم ریاست جیپور ہے جو کہ علاقہ میوات میں دہلی سے بتیس کوس بجانب جنوب واقعہ ہے۔ حضرت لاڈو خاں صاحب پہلے مولانا معین الدین صاحب سے بیعت تھے جو حضرت غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے سجادہ نشین تھے۔

آپ کا دل شروع میں لکھنے پڑھنے کی بجائے شکار کھیلنے اور تیر چلانے کی طرف بہت مائل تھا تقریباً انیس ۱۹ سال کی عمر میں وطن سے چل کر قصبہ اندکی میں آئے اس جگہ پر سید عبد الواحد صاحب مسجد کے حجرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کے پاس جا کر لاڈو خاں صاحب نے قیام کیا۔ ایک دن لاڈو خاں صاحب نے جنگل کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ اور وہاں بہت سے پھول توڑ کر جمع کئے اور باغ کی طرف دیکھ کر دل میں خیال کیا کہ کیا اچھا ہو جو میرا دل بھی باغ کی مانند ترو تازہ ہو جائے۔ اور

صفائی حاصل کرلے۔ مجھے اس پر خیال آتے ہی ایک درد اس میں پیدا ہوا۔ جس سے آپ وجد میں آ گئے اور دیر تک زمین پر تڑپتے رہے ایک گھنٹہ بعد ہوش میں آئے جب یہ خبر سید عبدالواحد صاحب کو معلوم ہوئی۔ تو انہوں نے مہربانی سے طریقہ نادری تلقین فرمایا۔ چنانچہ سال بھر تک ان کی صحبت میں رہے اور کمال درد اور سوز حاصل کر کے وطن کو واپس تشریف لائے۔

ایک روز آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک دل میں علم ظاہری حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اس کی تکمیل کے لیے بخارا میں شیخ ابوالبرکات کی خدمت میں آئے۔ جو خواجہ شعیب صاحب کے اجداد میں سے تھے۔ ان سے پڑھنا شروع کیا۔ اکثر اثنائے تعلیم میں جذبۂ الٰہی بے خود کر دیتا تھا سبق ناغہ ہو جاتا اور ہوش میں آجاتے پھر پڑھنے لگتے۔ اور یہ رباعی ورد زبان رہتی تھی ؎

اے دل طالب کمال در مدرسہ چند ٭ تکمیل اصول و حکمت و ہندسہ چند
ہر فکر کہ جز ذکر خدا وسوسہ است ٭ شرمے ز خدا بدار ایں وسوسہ چند

ایک دن شیخ عبدالرفیع صاحب سے جو کہ ابوالبرکات سے ملنے کے لیے اکبر آباد سے بخارا میں آئے تھے لاد خاں صاحب نے دریافت کیا کہ وہاں آپ کو کس بزرگ سے نسبت ہے شیخ صاحب نے امیر ابوالعلا صاحب نقش بندی کا نام لیا امیر موصوف کا نام سنتے ہی محرم جان کو ان سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ غرض چند روز بعد ایک بکری ابوالعلا صاحب کی نذر پیش کرنے کے لیے لیکر عبدالرفیع صاحب کے ہمراہ اکبر آباد تشریف لے گئے اور ماہ محرم ۱۰۶۱ھ کو عصر کے وقت امیر موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے قدم بوسی کے بعد آپ نے سر زمین پر رکھ دیا۔ اور وہ بکری نظر میں پیش کی ابوالعلا صاحب نے نذر قبول فرما کر اندر چلے گئے۔ محرم جان صاحب شیخ داؤد خاں کے مکان پر آئے اور کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر بعد ابوالعلا صاحب کے ہاں سے بھی کھانا آیا محرم جان نے اس میں سے بھی کچھ کھایا۔ آخر داؤد خاں صاحب کے پاس ہی رہنے لگے ایک روز محرم جان اپنے پیر کے آبدست کے پیالہ کو دھو کر پی گئے۔ اسی روز پیر نے فرمایا اب یہ شخص ہمارا یکا ہو بن گیا ہے اور ہم نے اس کو سب کچھ دیدیا ہے۔

کچھ عرصے بعد ابوالعلا صاحب کی وفات کے دن قریب آگئے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کس کو نسبت دینی چاہیے ابوالعلا صاحب نے محرم جان کو مقرر فرمایا۔ اپنے پیر کی وفات کے بعد آپ اپنے وطن کو واپس آگئے اور پھر یہاں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آپ کی وفات کی تاریخ ۲۰ ماہ رجب ۱۰۸۰ھ ہے آپ کا مقبرہ قصبہ سے جانب شرقی بنا ہوا ہے آپ کے چار فرزند پیدا

ہوئے ان میں سے تین کی قبریں آپ کے مزار کے پاس ہی بنی ہوئی ہیں اور مغرب کی جانب چوتھے فرزند کی قبر ہے آپ کا مزار اور اس پر گنبد میر عبدالرحمٰن صاحب سجادہ نشین کے انتظام سے تعمیر ہوا ہے گنبد اور قبروں کے چاروں طرف ناگ پھنی کے درخت حفاظت کے واسطے لگے ہوئے ہیں نظم ذیل سے آپ کی وفات کی تاریخ اور سن معلوم ہوتا ہے ؎

بوالعلائی و غوثی و چشتی ⁂ سہروردی و نقش بند ارشد
جب گئے خلد کو بھی سولہ رجب ⁂ حضرت لاڈ خاں ولی امجد
تھی ہزار اور ترانویں ہجری ⁂ دیکھ اعداد۔ شیخ لعل احمد

اس میں شیخ لعل احمد تاریخ کا مادہ ہے جس سے ۱۰۵۳ عدد برآمد ہوتے ہیں۔ حضرت لاڈ خاں صاحب سے چار خانوادے جاری ہوئے ہیں۔

۱۔ مولانا برہان الدین صاحب قدانا (۲) سید جلال صاحب (۳) میر عبدالرحمٰن صاحب کوٹ قاسمی۔ جن سے تجارہ اور فیروز پور جھرکہ کے خاندان جاری ہوئے ہیں۔

۴۔ شیخ غلام نبی صاحب۔

چونکہ چاروں خاندانوں کے اندراج کی گنجائش ایک قومی تاریخ نہیں رکھ سکتی ہے اسلئے صرف ایک خاندان قصبہ تجارہ والے کا شجرہ لکھا جاتا ہے اس شجرہ کے عطیہ پر ہم حافظ مجید الدین صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

شجرہ نسبی حسب ذیل ہے

۱۔ میر عبدالرحمٰن صاحب کوٹ قاسمی۔ ۲۔ سید جلال الدین صاحب دہلوی دھوفی ۳۔ مولانا برہان الدین صاحب۔
۴۔ شاہ عبدالحکیم صاحب۔ ۵۔ شاہ غلام نبی صاحب خاتم الخلفاء۔ ۶۔ شاہ نور محمد صاحب۔
۷۔ شاہ کمال عبداللطیف صاحب۔ ۸۔ شاہ رکن الدین صاحب۔ ۹۔ شاہ عبدالوہاب صاحب
۱۰۔ شاہ نور اللہ صاحب (۱۱) شاہ شعیب صاحب (۱۲) خواجہ احمد عرف شاہ یونس صاحب قبلہ نما
۱۳۔ خواجہ روح اللہ صاحب۔ ۱۴۔ خواجہ سلام اللہ صاحب تجاروی۔ ۱۵۔ حافظ محمد مجید الدین صاحب موجودہ سجادہ نشین۔

شجرۂ نسب

بہادر تاہر خاں

بہادر خاں

شمو سلطان خاں

حسن خاں
طرمغ سلطان یا بڑے سلطان

حسین خاں
ان کی اولاد سے خانزادگان
موضع بڈسرہ و بہکا ہیبڑ ہیں

قاسم خاں
ان کی اولاد سے کوٹ قاسم کے دوسرے
خاندان والے خانزادے ہیں

احمد خاں
حسن خاں
حضرت لاڈ خاں صاحب
داراب خاں گنبد والا
بو علی
فیروز خاں
ہدایت خاں
حاجی خان زماں خاں حاجی خاں زمان خاں

سردار خاں - آپ کے اولاد نرینہ نہ تھی
فاطمہ بنت سردار خاں
شرف الدین احمد مولف تاریخ ہذا

محمدی خاں
احمد خاں
لاولد

ہوشیار خاں
محمد یوسف خاں
موجودہ سجادہ نشین
خانزادہ لاڈ خاں صاحب

نوٹ: حضرت لاڈ خاں صاحب کی آل بہ ماں کی طرف سے شریف الدین احمد مولف تاریخ ہذا
نسبی تعلق رکھتا ہے کیا عجب ہے اس ولی کامل کے ساتھ یہ تعلق مولف کی بخشش کا وسیلہ بن جائے

گرچہ خرد و ہم نسبتے است بزرگ — ذرہ آفتاب تابانیم
شنیدم کہ در روز امید و بیم — بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

نواب اقبال خاں عرف ملو خاں بن نادر خاں وزیر اعظم سلطان محمود تغلق بادشاہ دہلی

یہ ایسی ممتاز، نامور، اور زبردست ہستی خانزادوں کے اندر پیدا ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے قوم بجا طور پر فخر و ناز کر سکتی ہے یہی وہ ہستی ہے جس نے خاندان تغلق اور سادات کے بادشاہوں کو ہمیشہ کٹھ پتلی بنا کر نچایا تھا اور اپنی زندگی میں انہیں کبھی چین سے سلطنت کرنی نصیب نہ ہونے دی اس لحاظ سے اگر اس کا لقب بادشاہ گر رکھ دیا جائے تو کچھ مبالغہ نہیں ہے یہ وہ نامور شخص ہوا ہے جس نے بارہا دہلی کے تخت پر بیٹھ کر خود مختارانہ حکومت کی ہے۔ لیکن افسوس اخیر عمر میں اس کی شامت اعمال اور متواتر عہد شکنیوں نے اس کو تختہ سے تختہ سولوا دیا۔

یہ شخص جیسا بہادر، دلاور، اور فاتح تھا۔ ویسا ہی اگر قول و قرار کا پابند بھی ہوتا اور شاہان دہلی سے بیوفائی نہ کرتا اور اپنے محسنوں کے ساتھ عمدہ سلوک رکھتا۔ تو آج ہم تاریخ ہند کے اندر شاہان دہلی کی فہرست میں خاندان تغلق کے بعد خاندان خانزادگان کا نام بھی موجود پاتے اور ان کو بھی شاہنشاہان ہند میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہو جاتا۔ لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا۔

تاریخوں کے اندر اقبال خاں کے حالات بہت مفصل لکھے گئے ہیں سید الطاف حسین صاحب نے بھی اپنی تاریخ ضلع گوڑگانوہ باب دوئم صفحہ ۷۲ میں اس کے حالات کا ذکر فرمایا ہے لیکن ہمیں اس شخص کے حالات تاریخ فرشتہ اور تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ میں مختصر سے ملے ہیں۔ جنہیں یہاں درج کیا جاتا ہے

جب ناصر الدین محمد کے بعد ۷۹۵ھ میں اس کا چھوٹا بیٹا ناصر الدین محمود بادشاہ بنا تو اس کے زمانہ میں تمام امیروں اور وزیروں نے سرکشی اختیار کر لی۔ جس سے سخت طوائف الملوکی پیدا ہو گئی بادشاہ نے میوات کی بغاوت کی خبر سن کر میوات و گوالیار و بیانہ کی طرف گیا جب گوالیار پہونچا۔ تو مبارک خاں اور اقبال خاں عرف ملو خاں خانزادگان نے سعادت خاں بادشاہی سردار کو مار ڈالنا چاہا۔ لیکن سعادت خاں نے یہ حال معلوم کر کے بے خبری میں مبارک خاں کو قتل کر ڈالا۔ لیکن اقبال خاں بھاگ کر دہلی پہونچا اور مقرب خاں وکیل سلطنت کے پاس پناہ لے گیا۔ جب بادشاہ دہلی میں واپس آیا۔ تو مقرب خاں نے استقبال تو کیا۔ مگر اقبال خاں کو پناہ دینے کی وجہ سے بادشاہ کو ناراض پایا۔ مجبوراً مقرب خاں نے

تین واپس آ کر حصار میں ہو گیا۔ اور بادشاہ سے لڑنے لگا۔ تین مہینے تک لڑائی ہوتی رہی تین پھر بادشاہ نے مقرب خاں کا قصور معاف کر دیا۔ اور وہ ماہ محرم ۷۹۷ھ میں دوبارہ دہلی میں داخل ہو گیا۔ سعادت خاں چند امرا کے صلاح و مشورہ سے نصرت شاہ ابن فتح خاں ابن فیروز شاہ کو فیروز آباد میں بادشاہ بنا لیا۔ لیکن سلطنت کا کل کاروبار اپنے ہی ہاتھ میں رکھا۔ نصرت شاہ صرف نام کا بادشاہ تھا۔ اب دہلی اور فیروز آباد کے دو بادشاہ بن گئے دہلی میں ناصر الدین محمود اور فیروز آباد میں نصرت شاہ تھا۔ ان کے امرا اور فوجیں بھی دو فریقوں میں تقسیم ہو گئے چنانچہ مقرب خاں۔ اقبال خاں اور بہادر ناہر خاں ناصر الدین محمود کے طرفدار بن گئے۔ بادشاہ نے بہادر ناہر خاں کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ پرانی دہلی میں حاکم مقرر کر دیا اور ملو خاں کو اقبال خاں کا خطاب دیکر سیری کا قلعہ سپرد کیا۔ نصرت شاہ کے پاس اضلاع دوآبہ و اقطاع سنبھل۔ پانی پت۔ جھجر۔ اور رہتک تھے۔ اور سلطان محمود کے پاس سوائے دہلی اور سیری کے قلعوں کے اور کچھ نہ تھا۔ تین سال تک ان دونوں بادشاہوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ بہادر ناہر خاں اور ملو خاں سلطان محمود کی طرف سے لڑتے رہے۔ لیکن ماہ شوال ۷۹۹ھ میں ملو خاں کسی بات پر مقرب خاں وزیر سے ناراض سلطان محمود سے بھی ناراض ہو گیا۔ اور نصرت شاہ بادشاہ فیروز آباد سے جا ملا۔ آخر نصرت شاہ اقبال خاں عرف ملو خاں کے ساتھ ہو کر قلعہ سیری میں آ گیا۔ اور اقبال خاں نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ میں قرآن مجید درمیان میں لیکر نصرت شاہ کی مدد کا پختہ وعدہ کر لیا تھا۔ اور نصرت شاہ کو معہ لشکر وغیرہ قلعہ جہاں پناہ کے اندر لے گیا۔ اب پرانی دہلی میں سلطان محمود۔ مقرب خاں اور بہادر ناہر خاں رہ گئے۔ تین روز بعد اقبال خاں نے نصرت شاہ سے بد عہدی کر کے قسم و معاہدہ توڑ دی۔ اور قلعہ سیری سے اس پر حملہ آور ہوا۔ نصرت شاہ اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور فیروز آباد کو بھاگ گیا۔ لیکن اقبال خاں نے اس کا تعاقب کیا۔ اور اس کے کل سامان کو اپنے قبضے میں کر لیا جس کی وجہ سے نصرت شاہ فیروز آباد میں بھی نہ ٹھیر سکا۔ اور معہ اہل و عیال بھاگ کر اپنے وزیر تاتار خاں کے پاس پانی پت چلا گیا۔ اقبال خاں فتح ہو کر فیروز آباد میں تخت نشین ہو بیٹھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے محسن مقرب خاں کو دفع کرنا چاہا۔ چنانچہ دو ماہ تک مقرب خاں اور سلطان محمود کے ساتھ لڑائی ہوتی رہی آخر امرا درمیان میں پڑ گئے اور پھر جہاں پناہ میں ان دونوں کے درمیان صلح کرا دی لیکن اقبال خاں اپنا عہد توڑ کر اور قلعہ سیری سے نکل کر اچانک مقرب خاں کے مکان پر دوڑ گیا اور اسے قتل کر دیا اب دہلی کی حکومت پوری اقبال خاں کے ہاتھ آ گئی اگرچہ اقبال خاں صرف برائے نام سلطان محمود کا وزیر اعظم تھا۔ تاہم سلطنت کے تمام اختیارات اقبال خاں کے ہاتھ میں تھے اور وہ جو کچھ چاہتا تھا سفید و سیاہ کرتا تھا سلطان محمود شریک نام تھا

مار سکتا تھا۔ اور صرف نام کا بادشاہ رہ گیا تھا۔

دہلی فیروزآباد کی دونوں حکومتوں کو حاصل کرنے کے بعد ذی قعدہ سنہ ۸۰۰ھ میں اس نے قلعہ دہلی کو اپنے دوستوں کے اور ساتھیوں کے سپرد کر کے سلطان محمود کو اپنے ساتھ لیکر تاتار خاں پر پانی پت کی طرف دوڑے گیا۔ تاتار خاں اپنا سامان پانی پت چھوڑ کر دوسرے راستہ سے دہلی آیا۔ اور شہر کو گھیر لیا لیکن اقبال خاں نے تین دن میں قلعہ پانی پت کو فتح کر لیا اور تاتار خاں کے کل سامان کو دہلی لے آیا۔ مگر تاتار خاں سے قلعہ دہلی فتح نہ ہو سکا۔

اب اقبال خاں کا ایسا اقبال چمکا۔ کہ وہ دہلی اور فیروزآباد کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا جب امیر تیمور نے دہلی کی ان خانہ جنگیوں کی خبر سنی اور یہ بھی سنا کہ سلطان فیروز شاہ کے امراء میں سے دو بھائی ملو خاں اور سارنگ خاں بالکل سلطنت کے کاموں کو اختیار اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں اور فیروز شاہ کے پوتوں میں سے سلطان محمود کو برائے نام بادشاہ بنا رکھا ہے ورنہ حقیقت میں وہ خود ہی بادشاہ بن رہے ہیں۔ تو وہ سنہ ۸۰۰ھ میں ہندوستان کو فتح کرنے کے لئے آیا اور جہاں پناہ کی سیر کرتا ہوا لڑائی کے میدان کے لیے موقعہ دیکھ رہا تھا کہ اسی عرصے میں امیر کے ملازم ایک شخص محمد یوسف نامی کو پکڑ لائے اس سے سلطان محمود اور ملو خاں کا سارا حال دریافت کر کے اسے قتل کر دیا اس کے تھوڑی دیر بعد جاسوس یہ خبر لائے کہ ملو خاں چار ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادے اور ستائیس جنگی ہاتھی لیکر باغوں سے نکلا ہے اور شہر کے باہر جہاں نما کے قریب آ گیا ہے۔ اسی وقت چغتائی فوجیں ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئیں اور تیروں کا مینہ برسا دیا۔ جس سے ملو خاں اور سلطان محمود کے لشکر کو شکست ہو گئی۔ اور وہ دہلی کی طرف بھاگ گئے دوسرے دن سات ربیع الاول سنہ ۸۰۱ھ میں پھر لڑائی ہوئی امیر تیمور نے ہراول آگے بڑھایا۔ تاکہ دشمنوں کی خبر لائے اس سپاہ نے دشمنوں کا ایک آدمی گرفتار کر لیا اس کی زبانی معلوم ہوا کہ ملو خاں نے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ مرکز میں ملو خاں اور سلطان محمود کا لشکر ہو گا۔ میسرہ میں بہیر تقی کا۔ میمنہ میں امیر معین الدین کا اور کل دس ہزار سوار۔ چالیس ہزار پیادے اور ایک سو بیس جنگی ہاتھی ہو نگے۔ آخر لڑائی شروع ہوئی۔ ہندوستانی فوج نے ہر چند بہادری سے کام لیا۔ لیکن آخر کو شکست کھائی۔ اور سلطان محمود شاہ اور ملو خاں بھاگ کر دہلی میں جا گھسے گئے اور دروازے بند کر لئے اور رات کو سلطان محمود گجرات کی طرف اور ملو خاں مقام جھنڈیرہ ضلع بلند شہر کو چلا گیا۔

واضح ہو کہ ملو خاں کی ماں مقام جھنڈیرہ کے بڑ گوجروں کی بیٹی تھی اس تقریب کی وجہ سے وہ اپنے نانا کے علاقہ میں پناہ گزیں ہوا تھا امیر نے ان کے تعاقب میں فوجیں بھیجیں۔ ملو خاں تو ہاتھ

آ گیا۔ مگر اس کے دو بیٹے خداداد خاں اور سیف الدین عزت ملک نصرت الدین گرفتار ہو کر تیمور کے پاس
لائے گئے پھر تیمور نے فتح کی خوشی میں عیدگاہ کے اندر جشن منایا۔ فضل اللہ بلخی جو ملو خاں کا نائب
تھا اس نے تیمور سے امان مانگی۔ تیمور نے اس کو معاف کر دیا۔ آخر تیمور پندرہ روز تک لوٹ کھسوٹ کرنے کے
بعد واپس چلا گیا اس کے جانے کے بعد دو ماہ تک قلعہ سیری اور دہلی ویران پڑی رہی۔ قحط اور وبا کی
پھیل گئی ان ایام میں نصرت شاہ اپنے مددگاروں سے فوجیں اور سامان جمع کر کے فیروزآباد میں آیا
اور ویران دہلی پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس نے شہاب خاں کو ملو خاں کے دفعیہ کے لئے بلند شہر کی طرف بھیجا مگر
وہاں کے چند گوجر زمینداروں نے ملو خاں کے بہکانے سے شہاب خاں پر شب خون مار کر قتل کر دیا
اور کل سامان لوٹ لیا اب پھر اقبال خاں کی طاقت روز بروز بڑھتی جاتی تھی اور نصرت شاہ کی گھٹتی
جاتی تھی۔ آخر ماہ جمادی الاول ۸۰۲ھ میں ملو خاں دہلی آیا نصرت شاہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر میوات کی
طرف بھاگ گیا۔ اب دہلی دوبارہ ملو خاں کے قبضے میں آ گئی۔

امیر تیمور کے خوف سے جو لوگ بھاگ گئے تھے ملو خاں نے ان سب کو اپنے وطن میں آباد کرایا اور شہر
سیری پھر سرسبز ہو گیا۔ البتہ پرانی دہلی اس وقت سے آج تک ویسی ہی ویران پڑی ہے نئی دہلی زیادہ
آباد ہو گئی دار الخلافہ کے آس پاس کا کل علاقہ ملو خاں کے قبضے میں آ گیا۔ لیکن جو علاقہ دہلی سے دور تھا اس
میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ ہر ایک علاقہ میں وہاں کے سردار خود مختار بن بیٹھے۔ اس حالت کو دیکھ کر
ملو خاں نے ان تمام علاقوں کو بھی اپنے قبضے میں لانا چاہا تاکہ وہ کل ہندوستان کا بادشاہ بن جائے چنانچہ
سب سے پہلے ربیع الاول ۸۰۳ھ میں بیانہ گیا۔ اور شمس خاں وہاں کے حاکم کو زیر کر کے بیانہ پر
قابض ہو گیا۔ وہاں سے گوالیار گیا اور راجہ نرسنگ کو شکست دے کر اس سے بہت سا نذرانہ وصول
کیا۔ پھر ملو خاں نے جمادی الاول ۸۰۳ھ میں مبارک شاہ حاکم جونپور پر حملہ کیا اور شمس خاں حاکم بیانہ
اور مبارک خاں اور بہادر ناہر خاں خانزادگان نے مل کر اس کی مدد کی۔ جب قنوج پٹیالی میں جو گنگا
کے کنارہ ہے پہونچا۔ تو وہاں راجہ سمیر اور اس طرف کے تمام زمینداروں سے مقابلہ ہوا لیکن وہ سب
ملو خاں سے شکست کھا کر بھاگ گئے پھر ملو خاں قنوج گیا مگر راستہ میں مبارک شاہ شرقی سے لڑائی
ہو گئی چونکہ دونوں فوجوں کے درمیان گنگا حائل تھا۔ اس وجہ سے عبور کی کسی کو مجال نہ ہوئی اور دو
ماہ تک دونوں لشکر پڑے رہنے کے بعد واپس ہو گئے۔

پھر ۸۰۴ھ میں ملو خاں نے سلطان محمود کو دھار سے بلا لیا۔ اس نے [illegible] پر صبر کر کے
سلطنت میں کچھ دخل نہ دیا۔ اسی سال مبارک شاہ شرقی مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی ابراہیم شاہ

جونپور میں تخت نشین ہوا تھا اس پر ملو خاں فوج لیکر چڑھ گیا سلطان محمود بھی اس حملے میں ساتھ تھا سلطان محمود نے ابراہیم شاہ کو اپنا پرانا غلام سمجھکر اس کے پاس جونپور میں شکار کے بہانہ سے گیا لیکن ابراہیم شاہ برے سلوک سے پیش آیا۔ ناچار سلطان محمود واپس آگیا اور وہاں سے قنوج جاکر قبضہ کرلیا اور وہاں کے حاکم کو جو ابراہیم شاہ کی طرف سے رہتا تھا نکال دیا اس فتح کے بعد ملو خاں واپس دہلی آگیا۔ پھر ماہ جمادی الاول ۸۰۵ھ میں قلعہ گوالیار کی طرف گیا۔ جہاں راجہ برم دیو پسر نرسنگھ دیو تھا۔ اس پر حملہ کیا۔ مگر وہاں کا قلعہ بہت مضبوط تھا اس لئے گرد و نواح میں لوٹ کھسوٹ کرکے واپس دہلی آگیا۔ تھوڑے دنوں بعد پھر اس قلعہ پر حملہ کیا۔ برم دیو لڑنے لگا۔ لیکن اول ہی حملہ میں شکست کھا کر قلعہ میں جا گھسا۔ ملو خاں واپس دہلی آگیا۔

پھر ۸۰۶ھ میں اٹاوہ کی طرف گیا۔ رائے سمیر اور گوالیار والے اور رائے جالا وغیرہ جو اٹاوہ میں جمع ہوئے تھے ان سے چار ماہ تک لڑا اور ان کو شکست دیکر بہت سا نذرانہ وصول کیا اس کے بعد کمال بے مروتی اور بے انصافی سے ماہ شوال ۸۰۶ھ میں قنوج پر لشکر کشی کی جہاں سلطان محمود قبضہ کئے ہوئے تھا۔ سلطان محمود بیچارہ قلعہ میں محفوظ ہو بیٹھا۔ ملو خاں قلعہ کا محاصرہ کرکے ایک مدت تک سلطان محمود سے لڑتا رہا۔ لیکن قلعہ کی مضبوطی سے اس کی کچھ پیش نہ گئی ناچار ماہ محرم ۸۰۷ھ میں سمانہ کی طرف چلا گیا اور بہرام خاں ترک بچہ جو فیروز شاہی غلام تھا اور سمانہ کا حاکم تھا وہ سمانہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ ملو خاں نے اس کا تعاقب کیا۔ آخر حضرت علیم الدین نے درمیان میں پڑ کر صلح کرادی اور ملو خاں بہرام خاں کو ساتھ لیکر ملتان کی طرف گیا۔ وہاں سید خضر خاں کو شکست دیکر خطبہ اور سکہ دہلی کا اپنے نام پر جاری کیا جس وقت تلونڈی میں پہونچا تو رائے داؤد اور رائے ہمو جو رائے رتی کا بیٹا تھا ان کو پکڑ کر ملو خاں نے قید کر دیا اور پھر عہد شکنی کرکے بہرام خاں ترک بچہ کا پوست کھچوایا۔ وہاں سے چل کر مقام اجودھن میں پہونچا تو سید خضر خاں نے پنجاب و دیپالپور وغیرہ کا بہت سا لشکر جمع کرکے جنگ کی آخر ۱۹ جمادی الاول ۸۰۸ھ میں ملو خاں کو شکست ہو گئی جس سے یہاں اس کو تمام بد عہدیوں کی سزا مل گئی

چونکہ متواتر عہد شکنیوں اور وعدہ خلافیوں کی وجہ سے شامت اعمال اس کے ساتھ تھی اس وجہ سے اس کا گھوڑا زخمی ہو کر میدان جنگ سے باہر نہ آسکا۔ آخر اسلام خاں لودھی نے اس کا سر کاٹ کر خضر خاں کے پاس بھیج دیا۔ خضر خاں نے وہ سر اس کے مکان پر بھیجوا کر لٹکوا دیا۔ جب یہ خبر دہلی پہونچی تو سلطان محمود کو قنوج سے بلا کر جمادی الاول ۸۰۸ھ میں

دوبارہ دہلی کے تخت پر بٹھایا۔ اور ملو خاں کے اہل و عیال دہلی سے بلند شہر بھیج دیئے گئے۔ اور کسی قسم کی تکلیف نہیں دی گئی۔

ملک ہیتم خاں بن بہادر خاں جاگیردار مبارک پور

ملک صاحب نے اپنی جائے سکونت مبارک پور میں اختیار کی تھی ان کے دو لڑکے حاجی خاں اور جمال خاں بڑے نامور ہوئے ہیں۔ حاجی خاں کی لڑائی آمیر (جے پور) کے کچھواہے راجپوتوں سے ہوئی تھی۔ شاہان لودھی کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے زمانہ میں احمد خاں خانزادہ والی میوات بہلول لودھی کے دربار میں بہت معزز و ممتاز سردار شمار ہوتا تھا۔ اس نے بادشاہ کی طرف سے حاجی خاں کو آمیر کے قلعہ کو فتح کرنے کے لیے بھیجا تھا چنانچہ اس نے ایک جرار لشکر لیکر قلعہ آمیر کو جا گھیرا۔ بہت سے کچھواہے راجپوت مقابلے کے لئے جمع ہو گئے انہوں نے خوب جم کر مقابلہ کیا۔ جس سے بڑی خونریز جنگ واقع ہوئی۔

آخر کچھواہے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے حاجی خاں نے قلعہ مذکور پر قبضہ کر لیا کہتے ہیں اس لڑائی میں اتنے راجپوت مارے گئے تھے کہ کشتہ راجپوتوں کی لاشوں سے قلعہ کے دروازے بند کر دیئے گئے۔

حاجی خاں آمیر کے مندر میں سے اس کے سنگ بستہ کے تمام سامان کو مبارک پور میں لے آیا اور اس سے ایک بڑی شاندار مسجد بنوائی۔ جو کہ آج تک مبارک پور میں موجود ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ جے سنگھ سوائی نے اپنے زمانہ میں اس مسجد میں اپنی رمنہ کی گھاس بھروائی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ ایک عرصے تک یہی عمل ہوتا رہا۔ لیکن ۱۹۳۲ء کی شورش کے زمانہ میں مہاراجہ مذکور نے خود بخود یہ مسجد خالی کر کے خانزادوں کے حوالے کر دی۔ جس کو انہوں نے از سر نو مرمت اور سفیدی کرا کر عبادت کے قابل بنا لی ہے اس مسجد کے کونے میں ایک کتبہ بھی موجود ہے۔

مبارک پور کے خانزادوں میں بڑے مشہور اور جاگیردار سردار گذرے ہیں جن میں سے ایک شخص بلند خاں نامی ہوا ہے اس کو شاہ عالم بادشاہ دہلی کی طرف سے جاگیر و نانکار اور خلعت عطا ہوا تھا جس فرمان کے ذریعہ یہ انعامات عطا ہوئے تھے۔ اس کی نقل ہم نے دوسرے فرمانوں کے ساتھ نقل کر دی ہے۔

ہیتم خاں کی اولاد میں سے ایک شخص شادی خاں نامی خانزادہ متوطن مقام [illegible] نے بادشاہی دربار میں اقتدار حاصل کر کے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اس نے اپنے وطن میں [illegible] بہت بڑا خرچ کر کے ایک شاندار

ضیافت کل میوات کے رہنے والوں کو بلا تمیز مذہب و ملت دی تھی۔ جس سے میوات میں یہ شخص بہت مشہور ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس کے لڑکے خیراتی خاں نے بعہد نواب نجف خاں بہت بڑا رسوخ حاصل کر کے خطاب نواب خیرات علی خاں بہادر حاصل کیا تھا۔

اسی طرح کمیدان جہانگیر خاں خانزادہ متوطن قصبہ مبارک پور نے شاہ عالم بادشاہ دہلی کی طرف سے عہدہ سالداری اور خلعت فاخرہ حاصل کیا تھا کیونکہ جہانگیر خاں مذکور نے سمت ۱۸۳۴ بکرمی میں بعد فوت راجہ جواہر سنگھ نواب نجف خاں سپہ سالار فوج شاہی کے ہمراہ ہو کر قلعہ ڈیگ کو فتح کیا تھا۔ جس کے صلے میں یہ خلعت و عہدہ ملا تھا۔

چودھری زبر خاں کے خاندان میں آج تک عہدہ چودھر سرکاری طور پر بادشاہی زمانہ سے متواتر چلا آتا ہے آجکل زبر خاں صاحب چودھری ہیں۔"

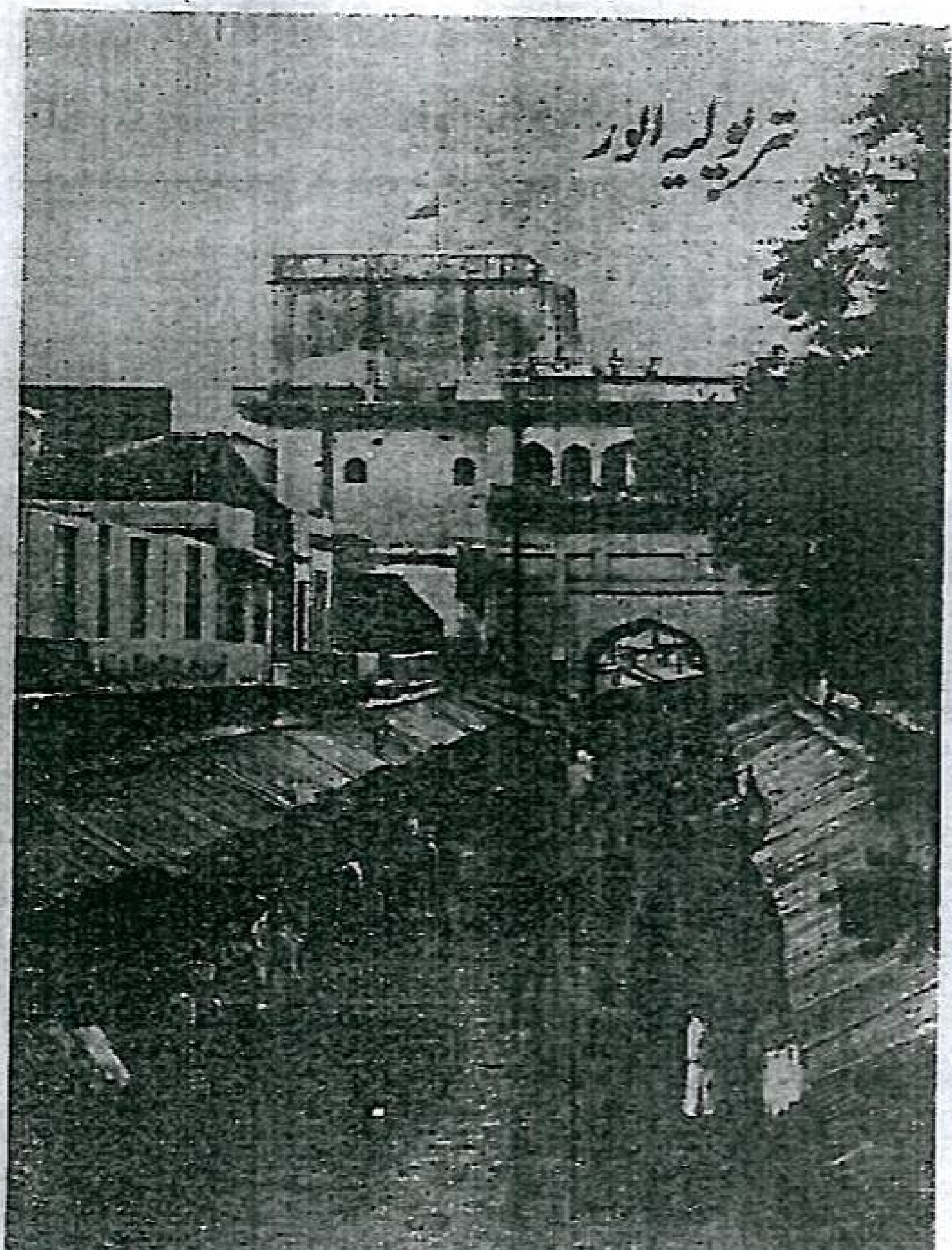
قصبہ مبارک پور خانزادوں کا بڑا خوش حال گاؤں ہے چنانچہ اس کی نسبت مسٹر سی۔ اے ہیکٹ صاحب اپنے گزیٹیر الور میں یہ لکھتے ہیں کہ مبارک پور جو کہ رام گڑھ کی تحصیل میں واقع ہے اور رام گڑھ سے آٹھ میل بجانب شمال مغرب ہے۔ خانزادوں کا تمام ریاست الور میں سب سے زیادہ آباد اور خوش حال گاؤں ہے۔ کہتے ہیں یہ گاؤں پہلے زمانہ میں پٹھانوں کے قبضے میں تھا مگر انکی حکومت کے بعد اب سینکڑوں برسوں سے اس پر خانزادوں کا قبضہ و دخل ہے۔"

چونکہ اس قصبے میں آراضی زیادہ ہے جس میں آب پاشی کے لئے چاہات بکثرت ہیں اور رقبہ بھی پیداوار کے لئے نہایت موزوں ہے۔ لیکن مبارک پور کے خانزادوں سے کل رقبہ کی کاشت نہیں ہو سکتی ہے اس وجہ سے گرد و نواح کے لوگوں کو بٹائی یا پٹے پر دے کر کاشت کراتے ہیں

۲۰۔ ملک عماد خاں بن بہادر خاں جاگیردار سنٹھلی (الور)

عماد خاں صاحب نے سنٹھلی کے اندر اپنی سکونت رکھی تھی۔ تاریخ عالمگیری میں تحریر ہے کہ نواب صاحب کی اولاد میں ایک شخص نظام الدین خاں بن فتح خاں بن فیروز خاں عہد عالمگیری میں چار صدی منصب رکھتا تھا اور اپنے زمانہ میں قصبہ نظام نگر کو آباد کیا تھا۔

نظام الدین خاں ۱۶۷۹ء میں نواب بہادر خاں پسر نواب فیروز خاں میواتی کے ساتھ رانا میواڑ کے علاقہ کو خراب و خستہ بنانے کے لئے شاہی حکم سے مامور ہوا تھا۔ جس نے علاقہ میواڑ کو فتح کر کے


ترپولیہ الور

اورنگ زیب کا مقبوضہ ہو گیا تھا۔

عالمگیر کی وفات کے بعد نواب مذکور کی بزرگی کا شمار ہو گیا۔

نواب اعتماد خاں ابن امیر خاں ابن اسمٰعیل خاں سے بزرگ حضرت شہاب الدین شہید ہوئے۔
نواب نظام الدین خاں مذکور کی وفات کی تاریخ یوں رقم فرمائی ہے ۔

تا دور اندیشگاں را از بحر غم .:. خیال رنج و ملال ہمہ دیدہ
نظام الدین کہ از خانان میوات .:. فلک کس را بقدر او ندیدہ
قوی عزم و ظفر بصولت گرد دشمن .:. کہ از صولت او بر ہستی نشنید
جوان بخت و قوی طالع کہ امید .:. از دہر تا ابدی مقصود کم دید
بوقت انبساط خوان جوش .:. اقاطعت از منہا نسبت باش بالید
معزز بود تا بود درش بپا ئے .:. قضا گفت بجائش کم پسندید
چو از وضع زمانہ دل گرفتش .:. بسوئے جنت الماویٰ خرامید
نظام ملک با بود و است از آں رو .:. نظام ملک را تاریخ گردید

اس میں مادہ تاریخ نظام ملک ما ہے۔ جس کے اعداد ۱۱۴۳ ہوتے ہیں۔ یہی تاریخ وفات ہے

ترگے سلطان خاں بن بہادر خاں

اس شخص کو اور کی آب و ہوا بہت پسند تھی۔ اس وجہ سے یہ زیادہ تر وہیں رہا کرتا تھا اور کے بازار کے بیچ میں جو مکان ترپولیہ مشہور ہے وہاں پر ترگے سلطان کا مزار بنایا گیا تھا جس کی نمود آج تک وہاں باقی ہے۔ مقبرہ کی تعمیر سے پہلے یہاں ایک تکیہ تھا جو املی کے درختوں کی کثرت کی وجہ سے املی والا تکیہ مشہور تھا۔ ترپولیے کو جس میں ترگے سلطان خاں کا مقبرہ ہے نواب میر خاں خانخاناں اور میرزا منعم اکبر نے بنوایا تھا۔

لشکر خاں بن بہادر خاں جاگیر دار موضع ٹائیں گوڑ گانوہ

لشکر خاں کی اولاد میں سلیمان مراد خاں و عمر خاں نا نزادہ کمال موجود ہیں نے ریاست کو شہ

اندر ریاست نہارا جہ ظالم سنگھ جھالا عمدہ کارکردگی اور خیر خواہی کے صلے میں عروج پاکر بہت بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اسی طرح کپتان دولے خاں صاحب ولد خاں محمد خاں بن عمر خاں مذکور ریاست الور میں بڑے معززین میں شمار ہوتے تھے۔

مسٹر پی۔ اے۔ ہیکٹ صاحب گزیٹیر الور میں لکھتے ہیں کہ خانزادوں میں جن لوگوں نے اپنی خاندانی روایتوں کو نہیں چھوڑا ہے وہ اب تک بھی فوجی ملازمت کے شائق ہیں اور برطانیہ کی فوجوں کے علاوہ ریاست الور میں بھی بہت سے ملازم ہیں۔ جن میں سے ایک دولے خاں بھی ہے جو کہ خاص پلٹن کا کمانڈنگ آفیسر ہے اور وہ بہت بڑا آدمی ہے اور دربار میں معزز عہدے کا حقدار ہے۔

ملک علاء الدین خان پسر سوم بہادر ناہر خان جاگیردار پرگنہ تجارہ (الور)

ملک صاحب بڑے جری اور بہادر تھے۔ جب راناجھامو سنگھ رئیس جھامواس نے ان کے باپ بہادر ناہر خاں کو اپنے ہاں بلا کر دھوکے سے قتل کر دیا تھا تو ملک صاحب نے جھامو سنگھ مذکور کو قتل کر کے اپنے باپ کا بدلا لیا تھا۔ ملک صاحب نے اپنی سکونت تجارہ میں اختیار کی تھی مدت تک یہاں حکومت کرتے رہے ان کی اولاد میں بڑے معزز اور جاگیردار سردار گزرے ہیں۔ حسام خاں پسر ملک علاء الدین کے دو بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے عیسے خاں کی اولاد قصبہ تجارہ میں اور محمود خاں کی قصبہ شاہ آباد میں آباد ہوئی ہائی جیٹوں کی اولادیں گرد ونواح کے مواضعات یعنی ہنڈوسی۔ سوراداس۔ گل گاول۔ موسے پور گوتولی۔ ادے پور۔ بیگن ہیڑی۔ خضرپور۔ اور پاٹن وغیرہ میں آباد ہیں۔

کہتے ہیں ایک دفعہ سلطان ناصر الدین محمود بتقریب دورہ۔ تجارہ آئے تھے۔ جنگل میں ایسی جگہ خیمے گاڑے گئے جہاں ایک شیر رہتا تھا۔ رات کو اس کے دھاڑنے سے بادشاہ کی نیند حرام ہو گئی۔ بادشاہ نے فرمایا۔ کوئی ہے جو اس شیر کو اسی وقت مار ڈالے۔ ملک صاحب بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے اجازت دی۔ ملک صاحب نے اسی وقت جا کر شیر کا کام تمام کر دیا۔ اس بہادری سے خوش ہو کر بادشاہ نے چار گاؤں بھوڑہ۔ ہرسولی۔ رنگن گوساے انعام میں عطا فرما دیئے۔

شہر تجارہ کو راجہ تیجپال نے جو جادو نسل سے تھا آباد کیا تھا۔ جب اس کی اولاد سے حکومت

304 - pic



نواب فیروز خاں جاگیردار قصبہ شاہ آباد ریاست اود

خالی رہی۔ تو ملک صاحب نے اس کے محلات اور مکانات وغیرہ پر اپنا قبضہ کر کے سکونت اختیار کی اگرچہ ملک صاحب کی اولاد میں قصبہ تجارہ۔ شاہ آباد۔ بھنڈوری۔ سوہا واس۔ گوٹلی۔ خضرپور۔ سوادہ۔ جاٹن وغیرہ کے باشندے پائے جاتے ہیں ممکن جو عزت اور شہرت خاندانِ تجارہ و شاہ آباد نے حاصل کی ہے وہ دوسری جگہ والوں کو حاصل نہیں ہوئی قصبہ تجارہ اور شاہ آباد میں بڑے بڑے جاگیردار اور عہدہ دار آدمی گزرے ہیں۔

تجارہ والوں کے پاس جاگیر اور عہدۂ چودھر۔ قانونگوئے کے عہدہ کے ساتھ ہی اکبر بادشاہ کے زمانہ سے آجتک برابر چلا آتا ہے جو کہ قانونگوئے کے دفتر میں ریکارڈ کے طور پر موجود ہے اکبر بادشاہ کے زمانہ میں تجارہ کے چودھری کو ہزارہ سو روپیہ بطور نانکار ملتے تھے۔ چودھری امیر خاں اور ننھے خاں اپنے وقت میں بڑے نامی آدمی گزرے ہیں یہ وہی امیر خاں صاحب ہیں جنہوں نے شیخ محمد مخدوم صاحب کو ان کی بدعنوانیوں کی وجہ سے تحصیل کے اندر سرزنش فرمائی تھی جس کی پاداش میں شیخ جی نے کتاب مرقع الور کے اندر خانزادوں کے برخلاف زہر اگلا ہے۔

عالمگیر بادشاہ کے زمانہ سے سلطنت مغلیہ کے اخیر بادشاہ تک چودھری لشکر خاں کو بروئے فرمان حق چودھر بدیں تفصیل ملتا رہا۔ نانکار لماضہ روپیہ۔ رسوم غلہ فی من نیم آثار۔ معاملہ زمینات کل تحصیل پر ایک روپیہ فی صدی۔ ضابطانہ فی فصل دو روپیہ فی گاؤں مقرر تھا

ملک صاحب کی اولاد میں جو چند نامی گرامی سردار گزرے ہیں ان کے مختصر حالات یہاں پر درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ نواب فیروز خاں بن نور خاں جاگیردار قصبہ شاہ آباد (الور)

منشی محمد کاظم مؤلف تاریخ عالمگیری و شیخ محمد بقا سہارنپوری و صاحب سیر المتاخرین اپنی اپنی تاریخوں میں نواب فیروز خاں متوطن شاہ آباد کا حال اس طرح لکھتے ہیں کہ یہ شخص دارا شکوہ پسر شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں اس کے عمدہ سرداروں میں تھا۔ جب عالمگیر اور دارا شکوہ کی باہم لڑائی ہوئی تو فیروز خاں میواتی اپنے آقا دارا شکوہ کی ہمرکابی میں تھا۔ اور فوج میمنہ کا سردار تھا دارا شکوہ کی مہربانی اس پر یہاں تک مبذول ہوئی کہ شاہ جہاں بادشاہ سے اس کو ایک جاگیر در معاش [illegible]

واسطے عطا کرائی اور رفتہ رفتہ اس کا رسوخ یہاں تک بڑھا۔ کہ اس کو شاہ جہاں نے نواب فیروز خاں کا خطاب عطا فرمایا۔ اور عبد النبی خاں فوجدار کی تبدیلی پر سرکار اٹاوہ کی فوجداری پہ مقرر ہو گیا۔ شہر اٹاوہ میں جو محلہ میواتی کے نام سے مشہور ہے وہ نواب فیروز خاں کے وقت سے آباد ہوا ہے چنانچہ نواب موصوف کے لڑکے پردل خاں کا ایک کٹرہ بھی اس محلہ میں آجتک مشہور ہے۔

اس کے بعد دیپالپور کی فوجداری پر تبدیل ہوا۔ اپنی حسن کارگزاری سے روز بروز ترقی کرتا رہا۔ اس کے بعد جب دوسری لڑائی دارا شکوہ اور عالمگیر کے درمیان اجمیر کے میدان میں ہوئی۔ تو دارا شکوہ نے اجمیر کے پہاڑوں میں مورچہ بندی کرائی۔ جس میں ایک طرف مرتضیٰ خاں سید ابراہیم اور عسکری خاں تھے اور ان کے پہلو میں دوسری طرف فیروز خاں میواتی تھا۔ بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ جب دارا شکوہ نے ٹھہرنے کی تاب نہ دیکھی تو رات کے وقت موقع پاکر معہ فیروز خاں میواتی اور کسی قدر فوج کے بھاگا۔ باقی تمام امرا نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بلکہ اس کے ساتھی راجپوتوں نے اس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اس شکست سے دارا شکوہ نے بڑی پریشانی اٹھائی۔ آخر وہ اپنے سرداروں کے بھروسے پر گجرات کی طرف چلا۔ فیروز خاں میواتی معہ تین ہزار سواروں کے برابر اس کے ساتھ رہا۔ چونکہ گجرات کے امرا اس کی شکست کا حال سن کر نا امید ہو گئے تھے اس وجہ سے وہ سب عالمگیر سے مل گئے۔ اور انہوں نے سید احمد بخاری کو جو دارا شکوہ کی طرف سے گجرات کا صوبہ دار تھا قید کر لیا۔ دارا شکوہ اس خبر کو سن کر گجرات سے واپس بھاگا اور ریاست کچھ میں پہنچا۔ وہاں کے راجہ نے بھی باوجودیکہ اس کی لڑکی دارا شکوہ کے لڑکے کو بیاہی تھی کچھ مدد نہ کی۔ ناچار وہ روڈھیر کر بھکر کی طرف چلا جب دریائے سندھ کے قریب پہونچا۔ تو فیروز خاں میواتی نے بھی مصلحت وقت سمجھکر معہ اپنے ہمراہیوں کے دارا شکوہ کی ہمراہی سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور عالمگیری دربار میں حاضر ہو کر آداب بجالایا اس کا قصور معاف ہو کر عالمگیر کی طرف سے خلعت اور ہزاری منصب سے نوازا گیا۔

عالمگیر کی وفات کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ نے رستم دل خاں اور نواب فیروز خاں میواتی کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ لشکر کے لئے جگہ تلاش کریں کیونکہ سکھوں کی بہت بڑی جمعیت شاہی لشکر سے لڑنے کے لئے آگئی تھی۔ اس لڑائی میں بہت آدمی کشتہ اور زخمی ہوئے تھے۔

نواب فیروز خاں کی جماعت اور کچھ سادات بارہ دہاہی گھوڑوں سے پیادہ ہو کر سکھوں کے مقابل گئے۔ اور بہادرانہ حملے کر کے سکھوں کو شکست دی اور وہ شکست پاکر لوہ گڑھ کو

بھاگ گئے۔ دیکھو تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد ہشتم صفحہ ۷۸

جب شاہ عالم بہادر شاہ اور اعظم شاہ کے درمیان لڑائی ہوئی۔ تو نواب فیروز خاں نے بہادر شاہ کی طرف سے بڑی داد شجاعت دی تھی اور آخر حق نمک خواری ادا کر کے اس لڑائی میں اپنی جان دیدی تھی۔ ان کے جنازہ کو قصبہ شاہ آباد میں لایا گیا۔ اور تھانیسر کے راستہ کے سرے پر دفن کیا گیا۔ ان کے مقبرہ پر ایک شاندار گنبد بھی تعمیر کیا گیا۔ اس گنبد کی دیوار دل پر کچھ عبارت عربی حروف میں کندہ ہے۔ جو اچھی طرح پڑھنے میں نہیں آتی۔ تاریخ وفات باوجود تلاش نہ دریافت ہو سکی۔ قصبہ شاہ آباد کو اسی نواب فیروز خاں نے از سر نو بسایا تھا اور اس کا نام شاہ جہاں بادشاہ کے نام پر شاہ آباد رکھا تھا۔ ورنہ پہلے یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جسے بہلی کہتے تھے۔ فیروز خاں نے امارت اور سرداری پر پہونچکر اپنے لئے ایک قلعہ بھی شاہ آباد کے اندر بنوایا اور اس قلعہ کے اندر اپنی سکونت کے واسطے ایک محل بنوایا۔ جس کا نام خاص محل رکھا گیا تھا اور قصبہ کا بازار بھی پختہ بنوایا۔ اور موضع بہلی کو قصبے کی شکل میں تبدیل کر دیا۔

کہتے ہیں نواب مذکور نے ایک پختہ سرائے مسافروں کے آرام و آسائش کے لئے قصبہ تاوڑو میں بھی بنوائی تھی۔ چنانچہ تاوڑو کا تھانہ سرکاری آجکل اسی سرائے میں واقعہ ہے نواب صاحب کے زمانہ میں شاہ آباد کے زمیندار سائینی لوگ تھے۔ سرکاری مال گزاری ادا کرنے کے بعد جو کچھ پیداوار بچتی تھی۔ اس کے مالک وہی لوگ ہوتے تھے"

اس قصبے میں اخنولی۔ چھیتو کی اور رند لمبی کی تین پٹیاں تھیں۔ کل زمین انہیں تین پٹیوں میں برابر حصص تقسیم کر رکھی تھی۔

نواب مذکور کی وفات کے بعد ان کی اولاد کا لقب بھی نواب صاحب برابر آجتک قائم ہے یہ لوگ ہمیشہ سے روزگار پیشہ چلے آتے ہیں لیکن قصبہ کی نمبرداری اور صوبہ داری ان خانزادوں کے پاس ہے جو گا نوچی کہلاتے ہیں۔ البتہ ان گانوچی خانزادوں کی رشتہ داریاں نوابوں کے ہاں بھی بخوبی ہو رہی ہیں۔

نواب مذکور کے خاندان میں ڈیڑھ سو سال تک جاگیر بدستور رہی۔ موجودہ وقت میں بھی فوجوں کے اندر شاہ آباد والے لوگ جمعداری صوبیداری وغیرہ عہدوں پر پائے جاتے ہیں۔ صوبہ دار میجر نواب عباس خاں انہیں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

۲ نواب پُردل خاں پسر نواب فیروز خاں

جس وقت نواب فیروز خاں اٹاوہ کے فوجدار تھے اس زمانہ میں ان کے لڑکے پردل خاں کے نام پر ایک نئی بستی شہر اٹاوہ میں بسائی تھی۔ جس کا نام کٹرہ پردل خاں مشہور چلا آتا ہے یہ بھی عالمگیر کی سرکار میں پنج صدی منصب رکھتا تھا اور جودھپور مارواڑ میں بادشاہ کی طرف سے انتظام کے لئے تعینات تھا۔ ۲۶ ماہ ذیقعد ۱۰۹۳ھ میں میوات کے مفسدوں کی گوشمالی کے واسطے حامد خاں۔ دلیر خاں و مرتضیٰ خاں کے ہمراہ نواب پردل خاں بھی میوات کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے وہاں کے فسادیوں کی بخوبی سرکوبی کی اس کے بعد ۱۰۹۷ھ ۱۶۸۶ء میں شاہزادہ محمد اکبر کی سرکردگی میں ناہر خاں و نواب نظام الدین خاں اور دوسرے خانزادگان میوات کے ساتھ جودھپور کو فتح کرنے کے لئے نواب پُردل خاں بھی بھیجے گئے اور اکثر سرکش قلعہ نشینوں کو قلعہ سے بیدخل کرتا ہوا سیوانہ میں جاکر مقیم ہوا۔ وہاں متواتر لڑائیاں ہوتی رہیں آخر ۱۰۹۹ھ ہجری میں مارواڑ کے بہت سے راجپوت پُردل خاں پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہوئے اس وقت نواب مذکور قلعہ سیوانہ میں اور ناہر خاں کنانہ میں موجود تھا۔ جب راجپوتوں نے یہ خبر سنی کہ مرزا نور علی نے آسانی قوم کی دو لڑکیوں کو پکڑ لیا ہے اس بات سے راجپوتوں کے دل میں انتقام کا جوش اور بھی زیادہ پیدا ہوگیا۔

رتن سنگھ رئیس رتلام بھی راٹھوڑوں کو لیکر پہونچا اور سب نے مل کر پردل خاں پر حملہ کردیا صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی دونو طرف کے آدمیوں کے لاشوں کے ڈھیر لگ گئے آخر پردل خاں معہ پچیس سو آدمیوں کے مارا گیا۔ نور علی مذکور اس شکست کو دیکھکر لڑکیوں سمیت ٹودہ کو بھاگ گیا۔ مسلمانوں کے تمام تھانوں پر راجپوتوں نے قبضہ کرلیا پردل خاں کی لاش بڑی مشکل سے شاہ آباد لاکر دفن کی گئی بعض کہتے ہیں اس کی لاش قصبہ بسیہو نہ علاقہ اٹاوہ میں دفن کی گئی ہے۔ دیکھو ٹاڈ راجستھان جلد دوئم صفحہ ۱۳۱۶۔

نواب لشکر خاں پسر دوئم نواب فیروز خاں

یہ لشکر خاں عہد عالمگیری میں چار صدی منصب رکھتا تھا۔ شروع میں اس کو پونہ اور بدھوم

کی فوجداری پر مقرر کیا گیا تھا اس کے بعد سمہ ۱۱۲۱ ہجری میں قاسم خاں سے بمار اراجہ اجیت سنگھ والیٔ مارواڑ کی طرف بھیجا گیا۔ اجیت سنگھ ان سے بیجے پور کے مقام پر برسر مقابلہ ہوا جس کا سپہ سالار خاص اس کی فوج کا افسر تھا اس لڑائی میں لشکر خاں کو شکست ہوئی۔ پھر ۱۱۲۳ھ میں نواب مذکور معہ نواب شکراللہ خان میوات کے راجپوتوں کی گوشمالی اور تنبیہ کے لیے بھیجا گیا اس دفعہ ان دونوں نے ان مفسدوں پر فتحیابی۔ اور اس علاقہ کا انتظام عمدہ کر دیا مرزا عبدالقادر بیدل نے اس فتح کی ایک تاریخ کہی ہے جو ہدیہ ناظرین کیجاتی ہے۔

سرخیل نزد کہ با بجے نام | از باد بروت پشم در دست
باہفت پسر کہ ہر کدامش | چوں کوہ سرے بہ تیغ سے ابست
غرے در کوہسار میوات | مے بود چو خرس از خودی مست
بالشکر خان آسمان جاہ | گردید طرف ز فطرت پست
یعنی بہ پناہ تکیۂ کوہ | بر جنگ مبارزاں کمر بست
آتش زدہ بہادران خورد | چندانکہ ز سنگ ہول شرر جست
مجروح بصد ہزار تشویش | تا از دم تیغ بے اماں رست
در تاریخش ہند بیں فکر | فرمود۔ دل نزو کہ بشکست

اس قطعہ میں مادہ تاریخ لفظ (دل نزو کہ بشکست) ہے جس سے ۱۱۰۹ برآمد ہوتے ہیں۔ نواب لشکر خاں کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ محراب خاں۔ فتح نصیب خاں۔ سردار خاں۔ دلدار خاں۔ ان میں سے ہر ایک کا مختصر حال لکھا جاتا ہے۔

محراب خاں پسر اول لشکر خاں

محراب خاں نے سمہ ۱۱۴۹ ہجری میں بادشاہ کی طرف سے جا کر جودھپور پر قبضہ کر لیا۔ یہ حال سن کر راجہ اجیت سنگھ کو بڑا رنج ہوا مگر کیا کر سکتا تھا۔ مجبور ہو کر جے سنگھ سوائی والیٔ جے پور اور امر سنگھ والیٔ اودے پور کی مدد سے ماہ ساون سمہ ۱۱۵۰ ہجری میں اپنے ملک مارواڑ میں آیا۔ یہ خبر سن کر محراب خاں بہت گھبرایا۔ اس لڑائی میں تیس ہزار راجپوت راٹھور جمع ہوگئے تھے انہوں نے قلعہ جودھپور سے محراب خاں کو مجبور کر کے نکال دیا۔ اور اجیت سنگھ شہر میں داخل ہو گیا۔ محراب خاں یہاں سے جا کر مقام اجمیر میں شہید ہو گیا۔ دیکھو تاریخ راجستھان جلد دوم صفحہ ۳۰۲

فتح نصیب خاں پسر دوم اشکر خاں

چونکہ ان چاروں بھائیوں میں ترکہ پدری کی بابت آپس میں جھگڑے ہو گئے تھے اس وجہ سے تنگ آکر فتح نصیب خاں شاہ آباد کو چھوڑ کر بہروز میں جابسا تھا۔ جب سردار خاں اور دلدار خاں وغیرہ مر گئے۔ تب یہ بہروز سے واپس آکر شاہ آباد میں آباد ہو گیا۔ اس کا بیٹا عظمت خاں اور پوتا حسن خاں دونوں راجہ جواہر سنگھ والیٔ بھرت پور کے ہاں تعظیمی سرداروں میں مقرر ہو کر پرگنہ تجارہ میں بائیس گاؤں کی جاگیر کی سند حاصل کی پھر جواہر سنگھ کی وفات کے بعد فتح نصیب خاں کے پوتے حسن خاں نے نواب نجف خاں سپہ سالار شاہ عالم بادشاہ دہلی کو نمایاں مدد دیکر میوات کی فوجداری حاصل کی۔

اس کے بعد جب نواب مذکور کی لڑائی راؤ پرتاب سنگھ نروکہ رئیس ماچیڑی یا الور سے ہوئی تو اس لڑائی میں حسن خاں نے راؤ مذکور کے برخلاف نواب نجف خاں کی طرف سے بڑی داد شجاعت دی تھی چنانچہ اسی لڑائی میں حسن خاں مارا گیا اور عظمت خاں بھی کچھ دن بعد مر گیا

مصاحب خاں پسر عظمت خاں

عظمت خاں کے بعد اس کا بیٹا مصاحب خاں اپنی آبائی ریاست پر قابض ہوا۔ اگرچہ اس کے باپ عظمت خاں اور بھائی حسن خاں نے راؤ پرتاب سنگھ کے ساتھ لڑائی کی تھی۔ لیکن مصاحب خاں نے اپنے باپ اور بھائی سے برخلاف ہو کر پرتاب سنگھ مذکور کا ساتھ دیا تھا۔ اس لئے پرتاب سنگھ نے اس کو اپنا معتمد بنا کر پانچسو سواروں کی رسالداری اور علاقہ بہروز میں بارہ گاؤں کی سند معافی عطا کی۔

شیخ محمد مخدوم صاحب نے رزنگ تجارہ میں یہ لکھا ہے کہ سنہ ۱۲۰۰ھ میں جب مرہٹوں کی عملداری تجارہ میں ہوئی۔ تو ان کی طرف سے مصاحب خاں خانزادہ ساکن شاہ آباد عامل مقرر ہوا۔ اس نے اپنے انتظام کی آسانی کے لیے جواہر خاں خانزادے کو جو الٰہی بخش خاں متوطن تجارہ کا داماد تھا۔ اپنا شریک بنا لیا۔ دونوں نے مل کر چند روز میں اپنے علاقہ کا کامل بندوبست کر لیا۔ جب بخوبی تسلط ہو گیا۔ تو جواہر خاں نے تمام لوگوں کو جو انتظام میں شریک تھے بالائے طاق رکھ دیا اور خود ہر ایک کام پر حاوی اور محیط ہو گیا اور بجز ایک مصاحب خاں کے دوسرے

کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ تمام حالات وغیرہ سیر فرخ کی طرح بے اختیار ہو گئے۔ اور پھر چند روز بعد جواہر خاں اور مصاحب خاں میں بھی اپنے اپنے اقتدار حاصل کرنے پر بگڑ گئی۔ اس وجہ سے جواہر خاں نے قاضی محمد سعید بن ابوالبرکات کو اپنے ساتھ ملا کر بیٹے بہادر زادہ لشکر خاں کی معرفت پانچھوڑیا میوؤں کو بھی اشتعال دیدی اور بجارہ سے ایک پنڈت کو بھی پانچھوڑیا میں کے پاس بھیج کر انہیں بلا لیا۔ اس وجہ سے میوؤں نے بجارہ پر اگر حملہ کر دیا۔ جہانگیر خاں اور دیگر خانزادگان بجارہ معہ مہاجنان کے مصاحب خاں کے ساتھی بن گئے۔ مہاجنان نے مصاحب خاں سے وعدہ کر لیا۔ کہ اگر چاندی سونے کے آبوں کی بھی ضرورت پڑے گی۔ تو ہم دیں گے مگر شہر کا پورا پورا بندوبست رہے اور لوٹ مار نہ ہونے پائے مصاحب خاں نے جا بجا مورچہ بندی کر دی۔ بجز مکان جواہر خاں و محلہ قاضی واڑہ کے تمام قصبے میں کامل انتظام ہو گیا۔ اور کسی طرف سے بھی میوؤں کو آبادی میں داخل ہونے کی گنجائش نہ رہی۔ آخر میں میوؤں نے شہر کے باہر ڈیرے ڈال دیئے۔ دو ماہ تک مورچہ بندی رہی۔ اور بندوقیں چلتی رہیں۔ اس کے بعد میوؤں نے جواہر خاں کے اشارہ اور مدد سے ایک روز اچانک حملہ کر دیا اور آبادی میں گھس آئے اور ایک حویلی کے اندر چار پانچ آدمیوں کو بھی جان سے مار دیا اور مکانوں میں آگ لگا دی اور تمام مورچے خالی کرا لئے۔ مصاحب خاں بازار والی ایک حویلی میں شام تک اکیلا لڑتا رہا۔ پھر رات کو نکل کر قلعہ میں چلا گیا۔ یہ قلعہ ملک علاؤالدین خاں کے گنبد کے پاس تھا۔ لیکن شہر کو جلانے کے بعد میوؤں نے اس قلعہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔ آخر مصاحب خاں تاب نہ لا کر شاہ آباد کو چلا گیا اور میوؤں نے قلعہ کو لیکر مہاجنان کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ محلہ قاضی واڑہ میں جائے پناہ دیکھ کر مہاجن لوگ وہاں جا پہنچے۔

وسیل خاں پسر جواہر خاں معہ دیگر خانزادگان بجارہ وغیرہ دیوان جی کے متفکر رہتے تھے ان میوؤں کو اپنے ساتھ ملا کر مہاجنان کو [illegible] جو مہاجنان سے [illegible] بھی [illegible] لیکن [illegible] [illegible]

اگر [illegible] مصاحب خاں [illegible]
مہاجنان [illegible] لیکن اس [illegible]

پڑا۔ کیونکہ میوؤں کی اس بیجا حمایت نے ان کو لوٹ مار کرنے کا حوصلہ پیدا کر دیا اور اہل تجارہ آخر اپنی جاگیروں کے مواضعات سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اگرچہ کل پرگنہ تجارہ میں تقریباً تمام دیہات اور بسوہ داریاں خانزادوں کی جاگیر میں تھیں۔ صرف کہیں کہیں جاٹ اور گوجر بھی بسوہ دار تھے۔ لیکن شاہ عالم بادشاہ دہلی کے زمانہ میں بدانتظامی کی وجہ سے تمام بسوہ داریاں خانزادوں سے میوؤں نے چھڑالیں۔ ان جاگیروں کے جاتے رہنے کی وجہ سے اب یہاں کے خانزادے لوگ یا تو انگریزی فوجوں کے اندر ملازمت کرتے ہیں۔ یا زمینداری پر اوقات بسر کرتے ہیں"

نواب فیض اللہ خاں پسر مصاحب خاں

مصاحب خاں کے بعد اس کا بیٹا فیض اللہ خاں اپنی جاگیر پر مقرر ہوا۔

کہتے ہیں اس نے منڈھے کے اندر۔ جو سیدوں کا گاؤں ہے اور اس کی جاگیر میں شامل تھا ایک قلعہ بنوایا۔ چونکہ منڈھے کے سیدوں نے فیض اللہ خاں کے ساتھ ناطہ رشتہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وجہ سے نواب مذکور نے ناراض ہو کر منڈھے کے سیدوں کی بیس حویلیاں مسمار کر کے ان کے ملبے سے قلعہ مذکورہ تیار کرانا شروع کیا تھا یہ قلعہ ہنوز تکمیل کو نہیں پہونچا تھا کہ نواب مذکور کا انتقال ہو گیا"

ہوشدار خاں و زور آور خاں پسران فیض اللہ خاں

یہ دونو بھائی اگرچہ ریاست اور بڑے معزز و نامور مشہور تھے۔ لیکن افسوس ان کے وقت میں ہی ان کی آبائی جاگیرات بہ سبب آپس کے جھگڑوں اور دشمنیوں کے راجہ بلونت سنگھ والئ تجارہ نے ضبط کر لیں۔ اس کے بعد کوئی جاگیر ان کے پاس نہیں رہی اور کاشتکاری یا ملازمت پر اوقات بسر کرنے لگے اس زور آور خاں نے مہاراجہ بنے سنگھ والئ الور کے حکم سے موضع نیکچ کے رہنے والے میوؤں کو جو کہ مہاراجہ مذکور سے سرکش ہو گئے تھے۔ تباہ و برباد کر کے اور ان لوگوں کو رفع فساد کی غرض سے منتشر کر کے متفرق دیہات میں بسا دیا تھا اور آئندہ کے واسطے تادیب و تنبیہ کے لئے سمت ۱۸۹۲ بکرمی مطابق ۱۸۳۵ء میں قلعہ بجرنگ گڑھ تعمیر کرایا۔

زور آور خاں کا بیٹا سردار خاں ۱۸۶۳ء تک اسی قلعہ کا قلعدار رہا تھا۔ پھر غدر ۱۸۵۷ء

تھی ہوشدار خاں و زوردار خاں نے دیوان احمد جان خاں کے ہمراہ ہو کر جیسے بہادرانہ اور سخت سرکار انگریزی کی خیرخواہی کی غرض سے فیروزپور جھرکا کے فسادی لوگوں کی تنبیہ کرانے کے واسطے بھیجا تھا نمایاں مدد کی تھی۔ بعد تنبیہ و انتظام جب واپس ہوئے تھے۔ تو ان فسادی لوگوں نے اپنی ہی اور پہلی عداوتوں کی وجہ سے درہ کوہ سے نکل کر دونوں کو زخمی کر دیا۔ چنانچہ دونوں بھائی ان زخموں کے صدموں سے مکان پر آ کر چند روز بعد انتقال کر گئے ان کے بعد ان کے لڑکے محمد حسین خاں پسر ہوشدار خاں اور کامدار خاں پسر زوردار خاں ریاست اور نوابی کے لقب سے مشہور رہے ۔۔

سردار خاں پسر سوم لشکر خاں

سردار خاں کی اولاد میں سمی جیون خاں بن عبداللہ خاں بن اعتماد خاں بن سردار خاں نے اپنا وطن مالوفہ چھوڑ کر مقام عظیم آباد عرف پٹنہ محلہ عالم گنج صوبہ بہار میں جا کر ناہر خاں خانزادہ متوطن سرولی پرگنہ سجارہ کے مکان پر بود و باش اختیار کی۔ ناہر خاں نے اپنی بھتیجی جیون خاں کو بیاہ دی جیون خاں کا مفصل حال صوبہ بہار کے خانزادوں کے حالات میں مفصل لکھا جائے گا وہاں ملاحظہ ہو

دلدار خاں پسر چہارم لشکر خاں

شاہ عالم بہادر شاہ کے زمانہ میں دلدار خاں چار صدی منصب پا کر بدہنوں کی صوبہ داری پر سرفراز ہوا اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے گرو گوبند سنگھ کے برخلاف لڑنے کے لئے ان کو مقرر کیا گیا۔ اس لڑائی میں دلدار خاں نے خوب داد شجاعت دی تھی چنانچہ اس بہادری اور جاں نثاری کے صلے میں نواب فیروز خاں ثانی کا خطاب عطا کیا گیا اور منصب ایک ہزاری ذات اور دو ہزار سوار اور سرہند کی فوجداری پر سرفراز کیا گیا۔ پھر سرہند سے تبدیل ہو کر جموں کی فوجداری پر تبدیل کیا گیا۔ جب شاہ عالم بہادر شاہ مر گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا جہاندار شاہ ۱۱۲۴ھ میں بادشاہ بنا۔ تو جہاندار شاہ اور عظیم الشان کے درمیان سلطنت کی بابت لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں فیروز خاں ثانی نے نہایت جاں نثاری اور سرفروشی کے ساتھ جہاندار شاہ کی طرف سے داد شجاعت دی تھی اور آخر میں نمک ادا کر کے اپنی جان دیدی تھی اس کے جنازہ کو قصبہ شاہ آباد میں لایا گیا اور دفن کیا گیا۔ شاہ آباد والوں کا مختصر سا شجرہ یہ ہے

بہادر ناہر خاں۔ ملک علاء الدین خاں۔ حسام خاں۔ محمود خاں۔ بوڈہ خاں۔ داؤد خاں۔ سکندر خاں۔ محمود خاں
نور خاں۔ نواب فیروز خاں۔ لشکر خاں۔ شیخ نصیب خاں۔ عظمت خاں۔ مصاحب خاں۔ فیض اللہ خاں
ہوشدار خاں۔ محمد حسین خاں۔ شیخ نصیب خاں وغیرہ۔

نواب اکرام خاں بن اسلام خاں جاگیردار ملک پور (تجارہ)

اورنگ زیب عالمگیر کے وقت میں نواب اکرام خاں ملقب بہ سالوت متوطن قصبہ تجارہ نے جو چودھری جواہر خاں کے جد امجد تھے۔ متصل باگھور پرگنہ تجارہ میں ایک موضع ملک پور کو اپنے مورث اعلیٰ ملک علاء الدین خاں کے نام پر آباد کرکے اپنی سکونت اختیار کی یہ شخص ملک میوات کے سرداروں میں بہت بہادر۔ دل چلا اور نڈر ہوا ہے۔ شجاعت اور بہادری میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا اس نے ملک پور میں ایک قلعہ بھی تعمیر کیا تھا اور وہاں نوبت و نقارہ رکھکر اپنی حکومت شروع کر دی اور عالمگیر بادشاہ دہلی سے باغی ہو بیٹھا۔ اور اپنے متبوضہ علاقہ کا محاصل دبا بیٹھا پھر اس نے اپنے گرد و نواح کا بہت سا بادشاہی علاقہ بھی دبا لیا۔ اور شاہی علاقہ پر لوٹ مار اور مار دھاڑ شروع کر دی جب خلیل اللہ خاں حاکم میوات نے اس کو اس زیادتی اور بغاوت سے منع کرنا چاہا تو اس کے ساتھ بھی جنگ شروع کر دی اور اس کا نشان اور نوبت و نقارہ چھین کر اور اس کو شکست دیکر تجارہ سے نکال دیا اور عالمگیر جیسے باسطوت بادشاہ کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ وہ بیچارہ دہلی جاکر عالمگیر بادشاہ کے پاس فریاد لے گیا اور اکرام خاں کی بغاوت کے تمام حالات عرض کر دیئے عالمگیر بہت ناراض ہوا۔ اور اکرام خاں کی تنبیہ و تادیب کے لئے بہت سی فوج بھیجی۔ جب فوج نے آکر موضع باسٹ ہیڑی پر قیام کیا۔ تو اکرام خاں بھی اپنے رفقاء نامدار سمیت لشکر شاہی کے مقابلے کے لئے آیا۔

بھلا خیال تو کرو کہاں ہندوستان کا شاہنشاہ اور کہاں دس بیس گاؤں کا جاگیردار اس لئے یہ مقابلہ ایک خودکشی کی حیثیت رکھتا ہے

غرض شکر اللہ خاں فوجدار تارنول نے عالمگیر کے حکم سے قرآن شریف درمیان دیکر اور فرضی صلح کا بہانہ بناکر اکرام خاں کو اپنے پاس دھوکے سے بلا لیا۔ اور اس پر تلوار کا وار کیا اگرچہ زخم کاری لگا تھا لیکن پھر بھی اکرام خاں نے سید بلاقی شاہ وغیرہ زرہ پوشوں سے بخوبی مقابلہ کرکے ایسا جوانمردی کا جوہر دکھایا۔ کہ فوج شاہی میں تہلکہ پڑ گیا اور سید بلاقی شاہ کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سینے تک پار ہو گئی ۔۔۔ ع

پو سید بلائی کے ایسی جڑی ۔۔ کہ وہ ٹوک کر جانہ بسے اڑی

یہ حال دیکھکر شاہی فوج نے اکرام خاں پر یک بارگی نرغہ میں لیکر تلواروں سے حملہ کر دیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اگرچہ اکرام خاں کے دوسرے ساتھی اس نازک موقعہ پر سب بھاگ گئے لیکن اس کے دونو بھائی وہیں قتل ہو گئے۔

جب اکرام خاں کے متعلقین نے اس کے قتل ہونے کا حال سنا تو انہوں نے اپنے محل اور قلعہ میں بارود بچھا کر آگ لگا دی۔ اور قلعہ اور محل کو مع ساکنین کے اڑا دیا جس کی وجہ سے تمام عورتیں اور بچے گویا جوہر کی پرانی رسم ادا کر کے مر گئے۔

اکرام خاں کا بڑا لڑکا مجاہد خاں پانچ سو سواروں کی جمعیت ساتھ لیکر اندور کے پہاڑ دلماین جاکر لڑائی کے واسطے تیار ہو کر گھات میں جا بیٹھا۔ لیکن سرداروں اور راہرو لوگوں نے درمیان میں پڑ کر اس کو لڑائی سے باز رکھا۔ اور شکر اللہ خود اسے نارنول کے پاس لیجا کر ملازمت کرادی۔ شکر اللہ خاں اس کو بہت دلاسا اور تسلی دیکر نارنول کو واپس چلا گیا۔

اکرام خاں کا چھوٹا لڑکا ناہر خاں ایک میاں جی کے پاس پڑھتا تھا۔ جب میاں جی نے یہ حال دیکھا تو وہ ناہر خاں کو اپنے ساتھ لیکر بھاگ گیا۔ تاکہ اس کی جان پر آفت نہ آنے پائے۔ ایک مدت تک میاں جی نے ناہر خاں کو اپنے گھر میں چھپائے رکھا۔ جب عالمگیر کے بعد اس کا بیٹا بہادر شاہ بادشاہ بنا۔ تو مجاہد خاں اور ناہر خاں پسران اکرام خاں نے بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اور مدد معاش کی درخواست دیکر موضع ملاک پور کی معافی کی سند دوبارہ سنہ ۱۱۲۲ھ کی لکھی ہوئی حاصل کی۔ افسوس اس سند کی نقل تاریخ ہذا میں درج کرنے کے لئے ہم کو نہ مل سکی۔ مسٹر۔ بی۔ اے ہیکٹ صاحب گزیٹیر الور کے صفحہ ۴۰ میں یہ لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں میوات کے پرانے حاکموں میں سے اکرام خاں خانزادہ متوطن تجارہ نے ملک کے اندر مار دھاڑ کا بازار گرم کیا تھا اور تجارہ کے گورنر سے نقارہ اور نشان وغیرہ چھین کر اس کو نکال دیا تھا۔ لیکن اکرام خاں اپنے آپ کو شاہی حکومت کے لئے زیادہ خطرناک ثابت نہ کر سکا۔

اکرام خاں کا شجرہ نسب یہ ہے۔ بہادر ناہر خاں۔ ملک علاء الدین خاں۔ حسام خاں۔ عیسیٰ خاں۔ خلیل خاں۔ تیراج خاں۔ جہاں خاں۔ کالے خاں۔ امام خاں۔ عالم خاں۔ فیروز خاں۔ لاڈو خاں۔ اسلام خاں۔ اکرام خاں۔ مجاہد خاں۔ جواہر خاں۔ زبردست خاں۔ الٰہی بخش خاں وغیرہ۔

شہاب خان چشتیہ صابریہ ابن ناہر خان جاگیردار قصبہ پہاڑی بھرتپور

سورونشی جاگیرداروں میں سے شہاب خاں کے لکھے ہیں سا کرس ۱ دمرا۔ بھاوس۔ پہاڑی۔ کھوہ کلاں اور نگر حرف کھسا ولی آئے تھے۔ اپنی سکونت پہاڑی میں رکھکر اس کو اپنا دارالریاست بنایا جس وقت سلطان ناصر الدین محمود دہلی میں اور نصرت شاہ فیروز آباد میں الگ الگ بادشاہ بنے ہوئے تھے۔ تو اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں ان کے امرا ور وزرا بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے چنانچہ ظفر خاں گجراتی۔ فضل اللہ بلخی اور پیر شہاب خاں بن ناہر خاں خانزادہ نصرت شاہ کے طرفدار بن گئے تھے۔ شہاب خاں اسی وجہ سے میوات کے علاقہ سے بہت سا سامان جنگ اور لشکر لیکر فیروز آباد میں نصرت شاہ کی مدد کے لئے لے گئے تھے نصرت شاہ نے شہاب خاں کو ناصر الدین محمود سے لڑنے کے لئے قصبہ برن (بلند شہر) کی طرف بھیجا۔ لیکن راستے ہی میں وہاں کے زمینداروں نے ان پر شب خون مارا۔ جس میں یہ شہید ہو گئے "

کہتے ہیں آپ کو بچپن ہی سے فقیروں سے بہت محبت تھی اور کامل فقرا سے ہر وقت صحبت رہتی تھی آخر کسی عارف کامل کی صحبت اور برکت اپنا کام کر گئی جس کی وجہ سے یہ بھی اولیائے کاملین میں شمار ہو گئے ان کا مزار قصبہ پہاڑی میں بنا ہوا ہے جس کی زیارت کے لئے دور دور سے خلقت آتی ہے اور اپنی دلی مراد پاتی ہے "

آپ کے کشف و کرامات کے بہت سے قصے لوگوں میں مشہور ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہاں پر درج کئے جاتے ہیں "

(۱) ایک روایت مشہور ہے کہ ایک دن آپ حجام سے اصلاح کرا رہے تھے اسی اثنا میں حجام سے فرمایا کہ ذرا ٹھیرو۔ میں ابھی واپس آتا ہوں یہ کہہ کر باہر چلے گئے کچھ دیر بعد جب واپس آئے تو دیکھا کہ آپ پسینے میں تر بتر ہو رہے ہیں اور کندھے پر گردن کے پاس کیلوں کے کچھ نشانات موجود ہیں۔ جن سے خون جاری ہے آخر بہت اصرار سے دریافت کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس وقت سمندر میں ایک جہاز ڈوب رہا تھا۔ آپ حضرت خضر کی رہنمائی سے اسے ڈوبنے سے بچانے کے لئے تشریف لے گئے تھے آپ نے اپنا کندھا جہاز کے نیچے لگا دیا تھا جس کی وجہ سے جہاز کی کیلوں کے نشانات آپ کے کندھے پر موجود ہیں "

۲۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ کوئی فوجی افسر بہ تقریب دورہ قصبہ پہاڑی

میں آیا تھا اتفاقاً اس کا پڑاؤ شہاب خان پیر کی درگاہ کے پاس ہوا۔ اس کا تمام عملہ تو درگاہ سے
باہر اپنے خیمے ڈیرے لگا کر ٹھہر گیا۔ لیکن وہ افسر خود درگاہ کے اندر چلا گیا۔ اور وہاں بے ادبی کے ساتھ
مزار کی طرف پشت کر کے کرسی بچھا کر بیٹھ گیا۔ اگرچہ اہل قصبہ اور درگاہ کے مجاوروں نے منع
کیا۔ لیکن وہ ان سنی کر دیا اور پھر چونکہ مطابق اس کے نوکری بادشاہت اور افسری کے غرور میں
کسی کے کہنے کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ تھوڑی دیر بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ کرسی پر سے چاروں
شانے چت دور جا پڑا اور بیہوش ہو گیا سپاہی اسے اٹھا کر درگاہ سے باہر لے گئے اور پنکھا جھلنے سے
کئی گھنٹوں کے بعد ہوش آیا۔ آخر اپنے کئے پر بہت پچھتایا۔ اور شیرینی پر شہاب خان کے نام
کی فاتحہ دلا کر بچوں میں تقسیم کی گئی۔

۳۔ تیسری روایت یہ ہے کہ دو عورتوں کے بچے اتفاقاً ایک ساتھ بیمار پڑ گئے۔ ان میں سے ایک نے
شہاب خان پیر کے مزار پر غلاف چڑھانے کی منت مانی اور دوسری عورت کو بھی یہی ترغیب دی لیکن
اس نے اس بات کو نہ مانا بلکہ الٹی اس خیال کی تکذیب کرنے لگی۔ آخر تیسرے روز منت ماننے والی عورت
کا بچہ پیر صاحب کے روحانی فیض کی برکت سے تندرست ہو گیا۔ اور دوسری عورت کا بچہ مر گیا۔

اگرچہ نئی روشنی والے حضرات بغیر علمی شہادت کے ایسی حکایات کو قانون قدرت کے برخلاف
ہونے کی وجہ سے محض لغو اور مہمل سمجھتے ہونگے۔ تاہم ان باتوں سے اتنی حقیقت ضرور کھل گئی کہ حضرت
شہاب خان پیر کی حین حیات میں بھی اور ان کے وصال کے بعد بھی عام طور پر لوگ ان کی کرامات
کے بہت معتقد تھے۔ اب رہا یہ امر کہ یہ کرامات کا اعتقاد درست ہے یا نہیں اس کو خدا ہی بہتر جانتا
ہے کیونکہ ہم نے اپنی عمر بھر اس کوچہ کی ہوا نہیں کھائی۔ نہ مرید بنے نہ پیر۔ اس لئے اس کے متعلق
ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ بقول شخصے قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

پنڈت جوالا سہائے صاحب تحصیلدار بہت پور نے اپنی تاریخ وقائع راجپوتانہ کے صفحہ
... پر یہ لکھتے ہیں کہ قصبہ پہاڑی میں جو سوات کے اندر ایک پرگنہ ہے شہاب خان نامی مرد
پیر کی درگاہ بنی ہوئی ہے جس پر گرد و نواح کے لوگوں کا بہت بڑا اعتقاد ہے لوگ زیارت
کو آتے ہیں اور نذر و نیاز چڑھاتے ہیں۔

پیر مذکور کا مزار پختہ بنا ہوا ہے اور اس پر گنبد بھی موجود ہے۔
حضرت شعیب صاحب مختار ... نے آپ کی شہادت کی تاریخ ایک قطعہ کے اندر کہی ہے یہ قربانی ...

بر مزار شہاب خان شہید ... صبح و شام خلق خدا

جنت سال شہادت او شعیب — آمداں غیب ذو الجلال اند

اس قطعہ میں تاریخ کا مادہ لفظ ذو الجلال ہے جس کے ۱۰۰۸ عدد ہوتے ہیں اس لئے ۱۰۰۸ھ میں آپ کی شہادت ہوئی تھی۔

ملک مجاہد خاں بن قطب خاں جاگیردار کھوہ کلاں بھرتپور

ملک صاحب شہاب خاں بن ناہر خاں کی اولاد میں ہیں کھوہ کلاں کو دار الریاست بنایا تھا ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

ملک مجاہد خاں بن قطب خاں بن مبارک خاں بن الف خاں بن محمود خاں بن شہاب خاں بن ناہر خاں۔

اپنے زمانہ میں یہ شخص بڑا مشہور و معروف ہوا ہے کہتے ہیں جب کوئی ظالم شخص کسی مظلوم پر اس کے علاقہ میں زیادتی کرتا تھا۔ تو وہ مظلوم ملک صاحب کی حمایت میں آجاتا تھا یا کوئی خاص کام کسی شخص کی طاقت سے باہر ہوتا تھا تو اس مشکل کو حل کرنے کے لئے گرد و نواح کے لوگ ہمیشہ ملک صاحب ہی کے پاس آکر مدد کی درخواستیں کیا کرتے تھے اور یہ حتی المقدور اس فریادی کی فریاد کو پہونچ کر اس کی کار برآری میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے چنانچہ اسی قسم کی مدد کا ایک واقعہ اس موقعہ پر ہم بطور تمثیل درج کرتے ہیں جو خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

یہ واقعہ اگرچہ تاریخوں کے اندر نہیں پایا جاتا لیکن مقامی روایتوں سے یہ اس قدر شہرت پاچکا ہے کہ اس کا تذکرہ ہر شخص کی زبان پر موجود ہے اور عیاں را چہ بیاں کا مصداق بن گیا ہے کہتے ہیں ٹوڈرمل نامی ایک میو کا لڑکا دریا خاں تھا۔ جو موضع ڈابک پرگنہ نگر ریاست بھرتپور کا رہنے والا تھا۔ اور پاہٹ گوت کا تھا۔ اس زمانہ میں میو لوگوں کی شادیاں ہندو مینوں سے بھی ہو جایا کرتی تھیں چنانچہ دریا خاں مذکور کی شادی بادہار او مینے کی پوتی سے قرار پائی تھی اس لڑکی کا نام ششی بدنی تھا یہ لڑکی بڑی خوبصورت تھی اس وجہ سے ششی بدنی (چاند جیسے بدن والی) ہونے کی وجہ سے اسم بامسمیٰ کہی جاسکتی تھی۔"

اگرچہ ٹوڈرمل اور بادہار دونوں تو اس شادی سے خوش تھے اسی واسطے منگنی کی رسم ادا کی گئی تھی۔ لیکن مینہ قوم کے دوسرے لوگ اس شادی سے ناخوش تھے کیونکہ میو لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور مینے ابھی تک ہندو تھے اس وجہ سے مینے لوگ اس شادی کو اپنی ہتک جانتے

تھے اور یہ شادی ایک ہندو مسلمان کا سوال بن گئی تھی۔ مگر ہندو قوم اس شادی کا چھوڑنا بھی بدنامی کا
باعث خیال کیا جاتا ہے اور ٹوڈرمل میو کے بھائی بندوں میں اتنی طاقت اور ہمت نہ تھی کہ دریا
خان کی شادی دوسروں کی مدد بغیر کراتے۔ ناچار انہوں نے ملک مجاہد خان خانزادہ اور معززین
قصبہ کھوہ اکلان سے مدد کی درخواست کی۔ اس درخواست کا مضمون ایک ہندی شاعر نے
دوہے کے ذریعہ اس طرح ادا کیا ہے ؎

:جا ور سوات کی خان جی۔ خان مجاہد کھوہ ... دریا خان کے بیاہ کی خان جی لاج شرم ہے توہ
ترجمہ: اے ملک مجاہد خان تم علاقہ سوات کے مالک ہو۔ اور قصبہ کھوہ کے رہنے
والے ہو۔ میرے بیٹے دریا خان کی شادی کی لاج اور شرم آپ کو ہی ہے یعنی صرف آپ کے
ذریعے ہی یہ شادی ہو سکتی ہے آخر مجاہد خان نے ٹوڈرمل کی یہ درخواست منظور کر کے اپنے
بہت سے ہمراہی سواروں کو ساتھ لیکر برات میں گئے اور پھر مشکل مرحلے کو طے کر کے شادی کرائی
شادی کے بعد برات واپس آ گئی۔ لیکن دلہن کو وہاں چھوڑ آئے کیونکہ تمام مینے لوگ اس شادی
سے ناراض تھے اسی لئے راستے میں سخت معرکہ آرائی ہونے کے خیال سے دلہن کا وداع کرنا کسی آئندہ
موقع کے لئے ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا۔ تو بہت بڑا کشت و خون ہو جاتا۔ اس واقعہ کے
کچھ عرصے بعد دریا خان اپنی سسرال جا کر رات کے وقت دولہن کو لے آیا۔ جس میں دلہن کے بھائی
نے بھی وداع کے موقعہ پر اپنی بہن کی مدد کی تھی۔ لیکن دن نکلنے پر یہ راز فاش ہو گیا۔ آخر بہت سے
مینے ان کو پکڑنے اور مار ڈالنے کے لئے دوڑے۔ موضع منگانے کے بارہ میں مینوں نے دریا خان
اور مسماۃ شش بدلی کے آپکڑا اس جگہ گرد و نواح میں خانزادوں کے چند گاؤں تھے۔ کہتے ہیں اس
وقت خود دولہن نے بھی اپنی مدد کے واسطے پھر ملک مجاہد خان کی دہائی دی۔ اس مدد طلب کرنے
کو ایک ہندی شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

بولی بار بار لاج کی جانے سبھی خلق ... جو بل جائے تو ہمیں تیری آئی شرن ہے ملک

ترجمہ: میں بار بار بیٹے کی بولی بول رہی اس بات کو تمام دنیا جانتی ہے اے ملک مجاہد خاں
اگر تجھ سے میری مدد ہو سکتی ہے تو اس وقت کر کیونکہ میں تیری پناہ میں آئی ہوں اس بات کو
سن کر گرد و نواح کے خانزادوں نے جو ملک مجاہد خان کے بھائی بند تھے دریا خان کی مدد
کی مینوں کے ساتھ ایک بڑی لڑائی ہوئی جس میں طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے
آخر مینوں کو مار مار کر بھگا دیا اور دریا خان اپنی بیوی شش بدلی کو لیکر سلامت اپنے گھر پہنچ

گھر واپس آ گیا۔

ملک نظام خان بن محمود خان حاکم بیانہ

یہ نظام خاں بھی شہاب خاں بن ناصر خاں کی اولاد میں ہوئے ہیں جس زمانہ میں یہ بیانہ کا حاکم تھا اس وقت رانا سانگا سے بہت ڈرتا تھا کیونکہ وہ بڑا زبردست راجہ تھا اسی وجہ سے نظام خاں نے بابر بادشاہ کی اطاعت اختیار کرلی تھی تاکہ سانگا کے حملوں سے بچا رہے لیکن جس کو مسیحا سمجھا تھا وہی قاتل نظر آیا کیونکہ بابر نے بھی اسے اپنا ماتحت سمجھکر اس سے قلعہ بیانہ طلب کیا۔ تاکہ وہ اس محفوظ قلعہ میں بیٹھکر رانا سانگا سے بخوبی مقابلہ کرسکے کیونکہ محل وقوع کے لحاظ سے یہ قلعہ جنگ کے لئے بہت ہی موزوں تھا۔ مگر نظام خاں نے قلعہ بیانہ کو بابر کے سپرد کرنے سے صاف انکار کردیا۔ جب بابر کو یہ معلوم ہوا تو اس نے بابا قلی بیگ اپنے ایک سردار کو نظام خاں سے قلعہ مذکورہ تعین کرا نے قبضہ میں لانے کے واسطے بھیجا۔ اور اس کے ساتھ حسب ذیل قطعہ اپنی قلم سے لکھکر نظام خاں کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ ڈر کر قلعہ سپرد کردے

با ترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ ۔۔۔ چالاکی و مردانگی ترک عیاں است

گر زود نیائی و نصیحت نہ کنی گوش ۔۔۔ آں راکہ عیاں است چہ حاجت بہ بیان است

لیکن نظام خاں پر اس دھمکی کا بھی کچھ اثر نہ ہوا اور اطاعت اختیار کرنے اور قلعہ حوالے کرنے سے صاف انکار کردیا۔ اور قلعہ سے باہر نکل کر بابا قلی بیگ کے ساتھ مردانہ جنگ کی اور اسے شکست دیکر پھر واپس قلعہ میں آرام سے جا بیٹھا۔

جب رانا سانگا کو اس حال کی خبر ہوئی تو وہ بہت خوش ہوا کیونکہ مسلمانوں میں باہم جنگ جدل ہو گئی تھی اور بابر کا ایک دشمن پیدا ہو گیا آخر رانا مذکور نے مسلمانوں کی اس خانہ جنگیوں کو غنیمت سمجھکر پھر دوبارہ نظام خاں کو قلعہ بیانہ سے نکالنے کے لئے زور دیا کیونکہ یہ قلعہ جنگ کے لئے نہایت موزوں جگہ پر واقعہ تھا اسی وجہ سے بابر اور رانا سانگا دونوں اسے اپنے اپنے قبضہ میں لانے کے لئے نظام خاں پر خوب دباؤ ڈال رہے تھے۔ جب رانا سانگا نے نظام خاں پر بہت دباؤ ڈالا۔ تو اس نے مجبور ہوکر بابر کے پاس دوبارہ اپنا ایلچی بھیجا اور ندامت اور پشیمانی کا اظہار کرکے معافی مانگی موقعہ کی نزاکت کا خیال کرکے بابر نے فوراً نظام خاں کا قصور معاف کردیا۔ اور اس کو اپنے پاس بلانے کا پیغام بھیجا۔ آخر نظام خاں قلعہ بیانہ کو بابر کے سپاہ ہوئے

کے سپرد کیے خود بابر کے پاس چلا آیا۔ بابر نے آپ کے واسطے بیس لاکھ ٹنکہ نقرئی سالانہ کی جاگیر میان دوآب میں مقرر کر دی چنانچہ وہ جاگیر آج تک صوبہ یو۔ پی میں نظام خاں کی اولاد میں چلی آتی ہے۔

اس کے بعد جب رانا سانگا کی لڑائی بابر سے ہوئی تو اس میں نظام خاں بھی بابر کا ہمراہی بن کر رانا مذکور سے لڑا تھا اور بابر کو اپنی جاں نثاری اور وفاداری کا پورا پورا ثبوت دیا۔

نواب بازید خان بہادر بن دریا خان جاگیردار علی گڑھ عرف گھسولی گوبند گڑھ

نواب بازید خاں نے قصبہ گھساولی عرف علی گڑھ کو اپنی دارالریاست بنایا تھا ان کا شجرہ نسب یہ ہے

بازید خاں۔ بن دریا خاں بن اسمٰعیل خاں بن محمود خاں۔ بن شہاب خاں بن بہادر ناہر خاں۔

نواب صاحب محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں پنج ہزاری منصب اور نوبت و نشان سے سربلند ہوا۔ اور نواب بازید خاں بہادر کا خطاب حاصل کیا اور قمرالدین وزیر دہلی کے بیٹے کی وفات کے بعد میوات کی فوجداری کا عہدہ بھی حاصل کیا۔ اس تقرری سے میوات کے کل چھوٹے بڑے لوگ بہت خوش ہوئے تھے اس کے بعد نواب صاحب نے راجہ فتحپور جھنجھنو کی لڑکی سے جو قایم خانی تھی اپنا نکاح کیا۔

پھر سنہ ۱۷۱۶ء میں ہمراہی راجہ جے سنگھ سوائی والئی جے پور کے بھرت پور کی تاخت و تاراج کے واسطے مقرر ہوا۔ جس وقت شاہی فوج نے مقام تھوں کا محاصرہ کیا۔ جو چوڑامن جات بھرت پور والے کے قبضے میں تھا تو اودے سنگھ رئیس شجاعت نے جو سوائی جے سنگھ والئی جے پور کے سرداروں میں تھا از راہ غفلت کی اس بات سے جے سنگھ مذکور بہت ناراض ہوا کیونکہ وہ جاٹوں سے حسب مرضی بدلا نہ لے سکا۔ آخر بادشاہ نے نواب بازید خاں فوجدار شاہی کو قلعہ اودے گڑھ پر چڑھائی کرنے کے لئے بھیجا ایک ماہ تک قلعہ کا محاصرہ رہا جس سے اودے سنگھ مجبور ہو کر وہاں سے بھاگ کر مارواڑ میں پناہ گزین ہوا۔ اور اس کے بیٹے سوائی سنگھ نے حاضر ہو کر قلعہ کی کنجیاں نواب بازید خاں بہادر کے حوالے کر دیں۔ دیکھو تاریخ راجستھان جلد دوم صفحہ ۱۴۰۳۔

جب وقت راجہ اجیت سنگھ والئی مارواڑ نے شاہ عالم بادشاہ دہلی کی کمزوری دیکھ کر علاقہ نارنول کو لوٹ کھسوٹ کر تباہ و برباد کر دیا تھا اس زمانہ میں بہال پر نواب بازید خاں بہادر فوجدار مقرر ہوئے تھے لیکن تھوڑی سپاہ پاس ہونے سے اجیت سنگھ کو روک نہ سکے۔

بادشاہ نے صمصام الدولہ کو نواب مذکور کی مدد کے لئے فوج دیکر بھیجا۔ مگر فوج نے صمصام الدولہ کی ماتحتی سے انکار کر دیا۔ پھر بادشاہ نے حیدر قلی کو بھیجا۔ آخر نواب بازید خاں بہادر اور حیدر قلی نے مل کر اجیت سنگھ کو شکست دی اور وہاں سے نکال دیا۔ اور اس نے مارواڑ جا کر دم لیا۔ سنہ ۱۱۳۲ ہجری میں جو لڑائی سید عبد اللہ وزیر الملک اور محمد شاہ بادشاہ دہلی کے درمیان ہوئی تھی اس میں نواب بازید خاں بھی بادشاہ کے ساتھیوں میں موجود تھا اور بڑی دادِ شجاعت دیکر سرخروئی حاصل کی تھی۔

جب سنہ ۱۱۵۱ ہجری میں نواب خان دوراں خاں نادر شاہ کی لڑائی میں مارا گیا۔ تو چونکہ یہ شخص نواب بازید خاں کے بڑے گہرے دوست تھے اس لئے اپنے دوست کی وفات کے بعد نواب بازید خاں نے عہدۂ فوجداری سے استعفا دیدیا اور علی گڑھ میں آ رہے اور چند روز بعد بڑی بہادری اور نیک نامی کے ساتھ تیس سال تک حکومت کر کے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

نواب صاحب چونکہ بڑے شجاع اور بہادر تھے چنانچہ ان کی شجاعت کے باب میں ایک شخص عبد الصمد خاں نامی شاعر نے ایک رسالہ لکھا تھا۔ جس کے اندر نواب صاحب کی مدح میں ایک غزل بھی بطور قصیدہ حوالۂ قلم کی ہے جس کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں سے

بود بازید خان عالی قدر — دشمن انداز و دوستاں پرور
تاکہ او بود در حد میوات — کسے ہرگز نہ برکشیدہ سر
بہ سخاوت۔ سخاوتش نوکر — بہ شجاعت۔ ندیم فتح وظفر
ملکِ میوات و نارنول تمام — بود در خرچ مطبخش کمتر
حالیا ہم بہ یمنِ روحِ خوشش — ہست اولاد او بحشمت و فر
ہمہ با عمدہ ہا و خود عمدہ — صاحب تیغ و مالکِ لشکر
ایں زماں ہم بعرصۂ ایں ملک — نیست دیگر سرِ نشان ہمسر
صاحبِ حشم و نیل از اجداد — مالکِ ملک کردہ حیدر
گفت عبد الصمد چو ایں غزلے — تابود۔ ایں رسالہ را زیور

(نوٹ:) اس قطعہ میں مقطع کے اندر جو لفظ رسالہ ہے اس پر شیخ محمد مخدوم صاحب نے اپنی حسب عادت ایک لمبی چوڑی ہرزہ سرائی کی ہے"

نواب صاحب نے قصبہ گہساؤلی کے اندر ایک خام قلعہ تیار کرایا تھا۔ آج کل گہساؤلی

کی جگہ جو قصبہ گوبند گڑھ سے جانب جنوب تین چار فرلانگ کے فاصلہ پر تھا اب بالکل ویران پڑی ہوئی ہے اور قلعہ کی تمام دیواریں گر گئی ہیں۔ ٹوٹی پھوٹی عمارات کا ملبہ جا بجا پڑا ہوا نظر آتا ہے جس میں پیر نواب مذکور کا مزار بھی ایک پختہ احاطہ کے اندر بنا ہوا موجود ہے جن کے ارد گرد گیارہ قبریں اور بھی انکے قریبی رشتہ داروں کی بنی ہوئی ہیں ان احاطہ کے باہر بھی چاروں طرف دور دور تک بہت سی پختہ قبریں اور کنویں بنے ہوئے ہیں قریب ہی نواب صاحب کے پیر ہر سال بیت کے مہینہ میں ایک بڑا میلہ ہوتا ہے جس میں بہت سا چڑھاوا آتا ہے جسے پیر ان کی نسل والا ایک درویش لے جاتا ہے

کہتے ہیں ایک شخص مسمی چھجو شیخ ساکن گوبند گڑھ نے اپنے زمانہ میں خوف خدا کو بالائے طاق رکھکر چند اوباشوں کے ساتھ مل کر ان مزارات کو خزانہ حاصل کرنے کے خبط میں اکھڑوا دیا تھا لیکن وہاں ایک پیسہ بھی نہیں نکلا۔ مجبوراً ان قبروں کو دوبارہ اسی طرح درست کرادیا ہے شیخ مذکور کی نسبت گوبند گڑھ میں یہ روایت مشہور ہے کہ قبروں کے اکھڑوانے کے بعد ہی اس کا تمام بدن اور ہاتھ پاؤں جذام کی وجہ سے گل سڑ کر گر گئے اور بالکل اپاہج ہو گیا آخر گھر والوں نے بھی اس کو اپنے مکان سے نکال دیا۔ اور وہ عرصہ تک دکھ اٹھاتا ہوا آخر تاک موت سے مرا۔

اے یار جو کوئی کسی کو کل پاویگا　　یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پاویگا
اس دار مکافات میں سن اے غافل　　بیداد کرے گا آج۔ کل پاویگا

نواب عظمت خاں بن نواب بازید خاں جاگیردار گھسانی گوبند گڑھ

نواب بازید خاں کے بعد اس کا بڑا لڑکا نواب عظمت خاں اپنے باپ کی جگہ مسند نشین ہوا اور چھوٹا لڑکا جہان خاں عرصہ دراز تک بھائی عظمت خاں کے پاس ہی رہتا رہا۔ لیکن بعد میں یہ بھی محمد شاہی دربار میں معزز سردار بن گیا۔

جب محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نادر شاہ سے شکست کھائی تھی۔ تو محمد شاہ کے تمام امرا اور وزرا کے ساتھ نواب عظمت خاں نے بھی نادری لوٹ کھسوٹ کے صدمے سہے تھے نادر شاہ کے چلے جانے کے بعد نواب عظمت خاں نے دوبارہ سوائی جے سنگھ والئی جے پور کی مدد سے دربار شاہی میں اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔ سوائی جے سنگھ نے نواب مذکور کو ان بائیس مواضعات کی جاگیر بھی دی جو گھسانی کے گرد و نواح میں آباد تھے اور جنکا

لنڈا بادشاہ سے دیوانی بھی اور نارنول۔ سنگھانہ اور دادری کی فوجداری بھی لیے بعد دیگرے ولا تا رہا۔ اور اس کے چھوٹے بھائی جہان خاں عرف دیوانہ بھائی کو بھی پرگنہ کانوند کی فوجداری دلائی۔ اس جہان خاں نے کانوند میں ایک جدید قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ جو آج تک وہاں موجود ہے

جب سوائی جے سنگھ کا انتقال ہو گیا۔ تو اس کے بیٹے ایشری سنگھ نے بھی نواب عظمت خاں کے سابقہ منصب اور جاگیر کو بدستور بحال و برقرار رکھا اس کے علاوہ نواب صاحب کو اپنے پاس بلا کر بندوق چلانا سکھانے کا اپنا استاد بنایا۔ کیونکہ نواب مذکور بندوق چلانے کے ہنر میں یکتائے روزگار تھے اس کے بعد جب محمد شاہ کی لڑائی احمد شاہ درانی سے ہوئی تو اس لڑائی میں نواب عظمت خاں بھی راجہ ایشری سنگھ کے ساتھ بادشاہ کے طرفداروں میں تھا۔

پچھلے محمد شاہ کی کمزوری کو دیکھ کر مرہٹوں نے میوات میں مار دھاڑ شروع کر دی لیکن جب راجہ ایشری سنگھ جو بادشاہ کی طرف سے میوات کا حاکم تھا بوجہ کاہلی اور سستی کے ہلکر کا مقابلہ نہ کر سکا اور میوات کا انتظام کرنے سے قاصر رہا۔ تو اس نے اپنی ہتک عزت کے خوف سے زہر کھا کر جان دیدی تھی اس کے مرنے کے بعد جب راجہ مادھو سنگھ کو اس کی جگہ پر سمت ۱۸۰۰ بکرمی مطابق ۱۷۵۰ء میں میوات کا گدی نشین بنایا گیا تو وہ بھی نواب عظمت خاں پر بہت مہربانی رکھتا تھا ۱۱۸۷ھ میں نواب صاحب کا انتقال ہو گیا اس کی وفات کی تاریخ شعیب صاحب تجاروی نے تحریر فرمائی ہے۔ جو یہ ہے ؎

آہ از فوت خان عظمت خاں	کرد خلقت بہ غم گریباں چاک
شہر شعبان بود و بست و ششم	عالمے شد ز رحلتش غمناک
گفت سالش شعیب ایں افسوس	سر میوات شد بہ عالم پاک

اس قطعہ میں "سر میوات شد بہ عالم پاک" تاریخ کا مادہ ہے جس کے اعداد ۱۱۸۷ نکلتے ہیں۔ یہی وفات کا سن ہے۔

نواب ذوالفقار خاں اسد جنگ بن نامدار خاں جاگیردار گھساولی

(۱) شجرہ نسب :- نواب بہادر خاں کی اولاد میں نواب ذوالفقار خاں بڑا بہادر۔ اولوالعزم اور حسین و حسن ہمت سردار گزرا ہے جس کا شجرہ نسب یہ ہے ذوالفقار خاں بن نامدار خاں بن عظمت خاں بن

بازید خاں بن دریا خاں بن اسمٰعیل خاں بن محمد خاں بن شہاب خاں بن بہادر۔ تاہم پٹھان اگرچہ خانزادوں کی ثروت و عظمت کسی قدر نواب صاحب کے زمانہ تک بھی باقی رہی تھی۔ لیکن اس کے بعد اس قوم کا عروج و اقبال بالکل ختم ہو گیا۔ اس لحاظ سے نواب ذوالفقار خاں کو خاتم الامراء [illegible] کہنا بجا ہے نواب مذکور نے صرف اپنی قوت بازو سے حکومت حاصل کی تھی۔ مندرجہ بالا شجرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان میں ہمیشہ سے امیر اور امیر ہوتے رہتے ہیں۔ جو اپنے اپنے زمانے میں بہادر و سردار گزرے ہیں۔ نواب بازید خاں نے جو خام قلعہ اپنی حفاظت کے لئے گھساولی میں بنوایا تھا نواب ذوالفقار خاں نے اس کو اپنے وقت میں از سر نو پختہ اور مضبوط تعمیر کرایا۔ اور اپنی جوانمردی اور شجاعت کی بدولت گرد و نواح کا بہت سا علاقہ فتح کر کے رئیس اعظم بن گیا تھا۔ جس وقت راجہ سورج مل رئیس بھرت پور نے قصبہ بہادر پور کے سیدوں اور خانزادوں پر اپنی عداوت کی وجہ سے توپ سے گولہ باری کرائی تھی۔ تو وہ اس مصیبت کے وقت میں خوف کی وجہ سے اپنے اپنے بھرے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور گھساولی میں جا کر نواب ذوالفقار خاں کے پاس پناہ لی تھی۔

(۲) سیاسی کارنامے: جب جواہر سنگھ بھرت پور کا راجہ بنا تو اس نے اپنے دشمنوں پر قابو حاصل کرنے کے لئے نواب مذکور کے ساتھ دوستی پیدا کی۔ جس کی وجہ سے نواب موصوف ہمیشہ جواہر سنگھ کا حامی اور مددگار بن گیا تھا اور ہمیشہ اس کے دشمنوں سے لڑتا رہا اور دوستی کا حق ادا کرتا رہا جس وقت سمت ۱۸۲۱ بکرمی میں راجہ جواہر سنگھ اور نواب نجیب الدولہ روہیلے کے درمیان شہر دہلی میں لڑائی ہوئی تو اس وقت جواہر سنگھ کی فوج کا پیر اکھڑنے والا ہی تھا کہ نواب ذوالفقار خاں اپنی فوج لیکر نہایت تیزی سے پٹھانوں پر حملہ آور ہوا۔ اور اس کو شکست فاش دی۔ جس سے کل سردار لوگ حیران رہ گئے۔ نواب مذکور کی اس فتح کو دیکھ کر راجہ جواہر سنگھ نے جو ہاتھی پر سوار دور سے لڑائی کو دیکھ رہا تھا اپنے ہمراہیوں سے پوچھا کہ یہ کونسا سردار ہے جس کی وجہ سے یہ فتح حاصل ہوئی ہے مداری خاں میو نے جو راجہ سورج مل کے زمانہ سے اس کے سرداروں میں تھا عرض کیا کہ یہ نواب ذوالفقار خاں خانزادہ رئیس گھساولی ہے۔ جس نے اس وقت مضمون کا نام روشن کیا ہے یہ سنتے ہی جواہر سنگھ نے ذوالفقار خاں کو اپنے پاس بلا کر اور ہاتھی پر سوار کر کے ڈیرہ کو واپس لوٹا۔ اور اس فتح کے صلے میں ایک گراں بہا خلعت عطا کر کے میوات کی فوجداری پر مقرر فرمایا چونکہ دہلی کو فتح کرنے اور اس کو لوٹنے کھسوٹنے کے بعد جواہر سنگھ کو نجیب الدولہ روہیلہ سے

گیا تھا اسی غرور کی وجہ سے اس نے سمت ۱۸۲۲ بکرمی میں مادھو سنگھ رئیس جیپور سے بھی لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں مرہٹوں کے متواتر حملوں سے ریاست جے پور میں سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ اس ابتری کو دیکھ کر ناجائز فائدہ حاصل کرنے کے لئے جواہر سنگھ نے راجہ مادھو سنگھ سے مقام کاماں طلب کیا۔ جو اس زمانہ میں ریاست جے پور ہی کے ماتحت تھا۔ لیکن جب کاماں ملنے میں ناکامی ہوئی۔ تو یہ بہانہ بنایا کہ میں پشکر نہانے کے لئے جاتا ہوں اور جے پور کی سرحد میں سے گزرونگا۔ اس حال کو سن کر نواب ذوالفقار خاں اور ثابت خاں حقیقی برادران ورمیان گھساؤلی کو یہ خیال پیدا ہوا کہ چونکہ ہمارے تعلقات دوستی دونو رئیسوں کے ساتھ مساوی ہیں۔ لہذا ہم کو اس موقعہ پر کس کا ساتھ دینا چاہئے۔ اگر راجہ بھرت پور کا ساتھ دیا تو جے پور والوں سے راہ و رسم ٹوٹ جائے گی اور اگر جے پور والوں کا ساتھ دیا۔ تو جواہر سنگھ سے دوستی کا عہد ٹوٹ جائیگا اس لئے کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہئے۔ جس سے سانپ بھی مر جائے اور لکڑی بھی نہ ٹوٹنے پائے اور دونو راجاؤں سے بدستور دوستی قائم رہ جائے۔

آخر بہت غور و فکر کے بعد یہ رائے قرار پائی۔ کہ دونو بھائیوں میں سے ایک تو راجہ مادھو سنگھ والی جے پور کا اور دوسرا راجہ جواہر سنگھ رئیس بھرت پور کا مددگار بن جائے آخر اس قرار داد کے بموجب نواب ثابت خاں تو جیپور والوں کی مدد کے لئے وہاں جانے کو تیار ہو گیا اور نواب ذوالفقار خاں جواہر سنگھ کی مدد کے لئے آمادہ ہو گیا۔

جس وقت ثابت خاں جیپور جانے لگا تو اس کے ہمراہ پرتاپ سنگھ رئیس ماچیڑی بھی چلنے کو تیار ہو گیا۔ کیونکہ یہ راجہ مادھو سنگھ والی جیپور کے خوف سے راجہ جواہر سنگھ کے پاس آ رہا تھا۔ اور جواہر سنگھ نے اس کا کچھ وظیفہ مقرر کر کے موضع ڈیرہ اس کو دے رکھا تھا جب جواہر سنگھ جے پور والوں سے لڑنے کے لئے چلنے لگا تو راؤ پرتاپ سنگھ سے بھی ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ آپ کو جیپور والوں کے ساتھ ایسا ناجائز عمل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اودے پور کے بعد یہی راج سرتاج ہے یہ بات سن کر جواہر سنگھ نے اسی وقت اسے اپنے پاس سے رخصت کر دیا۔ اور یہ نواب ثابت خاں کے ساتھ جیپور چلا گیا

جب راجہ مادھو سنگھ نے نواب ثابت خاں اور راؤ پرتاپ سنگھ کی زبانی جواہر سنگھ کی دشمنی کا حال سنا تو اس نے اپنے تمام بھائی بیٹوں کو جواہر سنگھ کے مقابلے کے لئے جمع کیا۔ اتنے میں جواہر سنگھ ایک جرار لشکر لیکر مع توپ خانہ کے پشکر نہانے

کہلوا اور اپنی شجاعت و بہادری کے زعم میں راجہ جے پور کے پاس یہ پیغام کہلا بھیجا کہ جب ہم اپنا لشکر بنا کر وہیں آئیں آپ لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں لشکر میں پہونچ کر اس نے راجہ بجے سنگھ والی مارواڑ سے جو جے پور والوں کا قدیمی دشمن تھا پگڑی بدل کر دوستی قائم ان باتوں کو سن کر راجہ جے پور نے بہت پیچ و تاب کھایا اور اپنی جنگی تیاری میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ جواہر سنگھ کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر بھی جے پور کا راجہ اور اس کے سردار بہت جلتے تھے۔ چنانچہ ہر مہینے دگر سبھا کے کھتریان۔ اور دلیپ سنگھ بٹانا کر دہ والا نے راجہ مادھو سنگھ کو جواہر سنگھ کی طرف سے بہت ناراض بنا دیا تھا آخر انہیں سرداروں کی صلاح و مشورہ سے ایک خط جے پور والوں کی طرف سے جواہر سنگھ کے پاس بھیج کر کو اطلاع دی گئی کہ ہماری ریاست میں سے ہرگز واپس نہ ہو۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا لیکن جواہر سنگھ اپنے غرور میں ان باتوں کو کب خاطر میں لاتا تھا راجی راستے سے واپس آیا۔ اور بمقام مانوڑہ علاقہ شیخاواٹی دونوں راجاؤں کی فوجوں کا مقابلہ ہوا رئیس بھرت پور کی طرف سے مندرجہ ذیل سردار لڑائی میں شامل ہوئے۔

۱۔ نواب ذوالفقار خاں رئیس گھساولی جو محض دوستی کے لحاظ سے شامل ہوا تھا
۲۔ شمرو صاحب فرانسیس۔ جو راجہ سورجمل کے زمانہ سے رہتا تھا۔ یہ یورپ کے بد وضع بدمعاش اور آوارہ گرد سپاہیوں کی ایک پلٹن اور ایک توپخانہ اپنے ساتھ لایا تھا۔
۳۔ مداری خاں میو بر کٹھیا۔
۴۔ روپ رام کٹارا۔
(۵) نواب عظمت خاں خانزادہ متوطن شاہ آباد اس کو راجہ جواہر سنگھ نے علاقہ تیجارہ کے بائیس گاؤں کی جاگیر کی سند عطا کر کے اپنے ہمراہ لیا تھا
(۶) نواب نجابت خاں خانزادہ متوطن ماچھڑولی پرگنہ کشن گڑھ جسے خلعت دیکر پرگنہ ماٹھہ اور جہاں گیر کی فوجداری عنایت کر کے لڑائی میں بھیجا۔
(۷) فوجداران قوم جاٹ۔
اسی طرح رئیس جے پور کی طرف سے مفصلہ ذیل سردار شامل ہوئے تھے۔
(۱) نواب نواہت خاں خانزادہ رئیس گھساولی برادر نواب ذوالفقار خاں

(۲) راؤ پرتاپ سنگھ رئیس ماچیڑی عرف اور راجائی ریاست الور

(۳) ٹھاکر دلیل سنگھ جاگیردار دھولا۔

(۴) ہر سہائے وگر سہائے مشیران راج جے پور

بھرت پور کی فوج میں شمرو صاحب توپخانہ کے انچارج تھے اور نواب ذوالفقار خاں کل فوج کے سپہ سالار تھے۔ شروع لڑائی میں ایک طرف سے ٹھاکر دلیل سنگھ آیا۔ اور دوسری طرف سے نواب ذوالفقار خاں بڑھا بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی ہزارہا سپاہی اور سردار مارے گئے دلیل سنگھ مذکور نواب ذوالفقار خاں کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کی سواری کے ہاتھی کو بھی جو راجپوتوں کے غول میں تھا فوج کے درمیان میں گھس کر نواب صاحب پکڑ لائے اس ہاتھی کا نام دل بادل تھا۔

جب ٹھاکر دلیل سنگھ کے مارے جانے کی خبر ہر سہائے وگر سہائے کو پہونچی۔ تو انہیں بہت رنج ہوا اور غصے میں آکر یہ بھی یکبار حملہ آور ہوئے دونو طرف کے بہادر نام کے لئے بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے نواب ثابت خاں جے پور کی طرف سے نہایت دلاوری اور شجاعت کے ساتھ حملے کر رہا تھا۔ جس طرف کو وہ بڑھتا تھا اس کے خون سے پرے کے پرے صاف ہو جاتے تھے اور بڑے بڑے دلاور اور سورما سردار کائی کی طرح پھٹ جاتے تھے"

اگرچہ نواب صاحب کی حد سے زیادہ دلاوری نے بھرت پور کی فوج کو بہت نقصان پہونچایا تھا۔ لیکن خود نواب مذکور بھی زخموں کی کثرت سے چور چور ہو گئے"

جب نواب ذوالفقار خاں نے اپنے بھائی ثابت خاں کے زخمی ہونے کا یہ حال دیکھا تو خون کے جوش سے بھائی کو بچانے کی تدبیریں کرنے لگا آخر اس کام کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اور تین دفعہ حملے کر کے دشمن کے لشکر کو چیرتا پھاڑتا اپنے بھائی کے پاس جا پہونچا اور ایک راجپوت سردار کو قتل کر کے اس کے ہاتھی پر اپنے زخمی بھائی کو ڈال کر لڑتا بھڑتا مع ہاتھی کے میدان جنگ سے باہر نکل آیا۔ راجہ جواہر سنگھ بیمار پرسی کے واسطے ثابت خاں کے ڈیرے میں آیا اور بہت تسلی و تشفی کر کے ایک عہدہ جلیلہ کا امیدوار بنایا اور نواب ذوالفقار خاں کو گود میں اٹھا لیا۔ اور ملبوس خاص جو اس وقت پہنے ہوئے تھا خلعت دیکر مورد الطاف فرمایا۔

مغلوں کی وہ فوج جو جواہر سنگھ نے الگ بھرتی کر رکھی تھی نمک حرام بن کر اس لڑائی

میں دس لاکھ روپیہ خزانہ کا لیکر بھاگ گئی۔ بھرت پور کی فوج کے سواروں نے ان کا تعاقب کیا جس سے باہم لڑائی ہونے لگی۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر جے پور کی فوج نے یکدم حملہ کر دیا اور پیچھے تک لڑائی ہوتی رہی۔ لیکن جاٹوں کی فوج راجپوتوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر میدان جنگ سے بھاگ نکلی جو چند بہادر نواب ذوالفقار خاں کے ہمراہ رہ گئے تھے وہ شمرو صاحب کی فوج کے ہمراہ ہو کر مدافعانہ طور پر گولہ باری کرتے رہے جس کی وجہ سے جے پور کی فوج نے تعاقب کرنا چھوڑ دیا اور واپس لوٹ گئی۔

جس وقت جاٹ لوگ بھاگ گئے تھے اس حال کی خبر شمرو صاحب نے جواہر سنگھ سے عرض کی اور یہ کہا کہ آپ کی فوج چونکہ بد دل ہو کر بھاگ گئی ہے اس لئے اب یہاں آپ کا قیام بھی خطرے سے خالی نہیں اس وحشت ناک خبر کو سنتے ہی راجہ مذکور شمرو صاحب کی پلٹن میں چلا آیا پھر ہر بھائے دگر بھائے وغیرہ نے شمرو صاحب کی پلٹن پر زور سے حملہ کیا۔ شمرو صاحب مع ذوالفقار خاں مدافعانہ طور پر حملوں کو روکتے رہے اور گولے برساتے رہے اس گولہ باری سے بہت سے حملہ آور جے پور کے سردار مثل ہر بھائے دگر بھائے وغیرہ مارے گئے۔

اس لڑائی میں دونوں طرف کے اتنے آدمی مارے گئے کہ آئندہ کے لئے عرصے تک لڑائی کا حوصلہ باقی نہیں رہا تو اب ذوالفقار خاں راجہ جواہر سنگھ کو اپنے ساتھ لیکر کشن گڑھ ہوتا ہوا بخیریت تمام بھرت پور واپس آگیا۔

اس لڑائی میں جواہر سنگھ کو اس کے غرور کی سزا مل گئی اسکی قوم کی عورتیں اس کے شکست کھانے پر اس کا خوب مذاق اڑانے لگیں۔ اور ایک عرصے تک اس کی شکست کا راگ بنا کر گاتی رہیں اس راگ کا ایک مصرع یہ ہے "اٹھ گھٹ گیو لشکر کے نہانے سے"

اس شکست کے کچھ عرصے بعد سنہ ۱۱۸۲ ہجری میں قلعہ آگرہ کے اندر فریب اور دھوکے سے سمادی خاں میو کے ہاتھ سے راجہ جواہر سنگھ مارا گیا اس لڑائی کے چار دن بعد ہی راجہ رتن سنگھ بھی مر گیا۔ اور ریاست میں ابتری پھیل گئی اس ابتری اور بد نظمی کو دیکھ کر راؤ پرتاپ سنگھ رئیس ماچیڑی اور نواب ذوالفقار خاں میدان خالی پا کر ملک کو لوٹنے کھسوٹنے لگے اور نئے نئے علاقے فتح کرنے لگے چنانچہ جب قصبہ پٹیل گڑھ کا جاگیردار بدھ سنگھ نامی لاولد مر گیا تو وہاں کے میوؤں نے نواب ذوالفقار خاں سے اپنے یہاں بندوبست اور انتظام رکھنے کی درخواست کی تھی کیونکہ وہاں کے اہیروں نے ان میوؤں سے لڑائی جھگڑا کرنا شروع کر دیا تھا۔

راجہ جواہر سنگھ کی وفات کے بعد سنہ ۱۸۳ ہجری میں نواب نجف خاں سپہ سالار فوج شاہی نے نواب ذوالفقار خاں کی مدد اور ہمت سے قلعہ ڈیگ کو فتح کیا۔ چنانچہ اس فتح کے صلے میں نواب موصوف کو نواب ذوالفقار خاں بہادر اسد جنگ کا خطاب شاہ عالم بادشاہ دہلی کی طرف سے ملا تھا اور اس کے ساتھ ہی پرگنہ کاماں کی فوجداری پہ مقرر ہوا۔

سنہ ۱۰۴۶ ہجری میں مادھو راؤ سندھیا کی طرف سے جو شاہ عالم بادشاہ دہلی کا وکیل مطلق تھا نواب ذوالفقار خاں کے لئے پرگنہ گھساولی کی جاگیر میں متعدد گاؤں اضافہ کئے گئے۔

راجہ پرتاب سنگھ رئیس الور اور مرہٹوں سے نواب صاحب کی جنگ

چونکہ نواب صاحب بہت نڈر۔ بیباک اور خودسر آدمی تھا۔ اپنی دلیری۔ خودسری اور جوانمردی کے سبب کبھی کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا اس وجہ سے اس کا لقب شمشیر برہنہ پڑ گیا تھا اور یہ ہمیشہ لوگوں کو اپنے دبدبے اور خوف سے دباتا اور ڈراتا رہتا تھا۔ چنانچہ جس وقت مرہٹے لوگ سنہ ۱۸۰۳ء میں سالار لارڈ لیک صاحب سے شکست کھا کر اور دہلی سے فرار ہو کر واپس آتے تھے تو راستے میں نواب ذوالفقار خاں نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا اور ایک سال کے لئے ہی گھساولی میں گھسنے دیا اور مار مار کر بھگا دیا اور بدنوں سے کپڑے تک اتروا لئے اس برے سلوک سے مرہٹے لوگ نواب صاحب سے سخت ناراض ہو گئے تھے۔

انہیں ایام میں راجہ پرتاب سنگھ رئیس الور سے بھی نواب صاحب کا بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ راجہ مذکور کو مطلق خاطر میں نہ لاتا تھا کیونکہ نہ راجہ مذکور کو مطلق خاطر میں نہ لاتا تھا اور ہمیشہ اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور لڑائی جھگڑا رکھتا تھا۔ مرہٹے تو پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے اب پرتاب سنگھ بھی ناراض ہو گیا۔ لیکن ان میں سے اکیلا کوئی سا بھی نواب صاحب کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا اور وہ کسی ایک سے ہرگز مغلوب ہونے والا نہ تھا ناچار راجہ پرتاب سنگھ نے مرہٹوں کو اپنے فیوریں گانٹھ کر ہمت کی کمر باندھی اور اچانک رات کے وقت جبکہ نواب صاحب بے خبر پڑے سوتے تھے یکبارگی حملہ کر کے اس کو شکست دی اور اس کے پانچ سو گھوڑوں کو بھی جو قلعہ کے اندر ہر وقت تیار رہتے تھے مرہٹے لوگ چھین کر لے گئے اور نواب صاحب کو قلعہ گھساولی سے نکال دیا اس موقعہ پر ایک ہندی شاعر نے

اس شکست کا یہ دوہا بیان کیا ہے ؎

دکھنی دلیں کا سندھیا اور راجپوتی کا راٹھ — چار ڈویژن کا ٹھیا ذوالفقار آمر بار

راجہ پرتاب سنگھ نے گھساولی کو برباد کر کے اس جگہ پر قصبہ گوبند گڑھ آباد کیا اور شہ جنگ کا قلعہ ہٹانے ویران و مسمار کر کے سرکاری عمارت کا میدان بنا دیا۔

نواب صاحب کی وفات ۔ اس شکست کے بعد کچھ تو اپنے جوان بیٹے کی موت کے صدمے سے اور کچھ راجہ پرتاب سنگھ کے ساتھ جھگڑا ہونے سے ناراض ہو کر نواب صاحب جے پور کو چلا گیا۔ وہاں راجہ پرتاب سنگھ رئیس جے پور سے ملاقات کی۔ راجہ مذکور نے ایک عہدۂ جلیلہ کا امیدوار بنا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ لیکن تقدیر نے یاوری نہ کی چند روز یونہی امیدواری میں گزر گئے مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ جے پور کی پول ہمیشہ سے مشہور چلی آئی ہے۔ ناچار اپنا سامان ملک محمد خاں نامی ایک شخص کے سپرد کر کے خود ایک قلیل جماعت کے ساتھ لکھنؤ کی جانب روانہ ہوا۔ اور وہاں پہونچ کر مسمی جمعیت خاں خانزادہ معتمد علیہ سرکار و وزیر الممالک کی وساطت اور سفارش سے نواب آصف الدولہ کی ملازمت حاصل کی۔ چونکہ نواب آصف الدولہ نے ذوالفقار خاں کی شجاعت و بہادری کا آوازہ پہلے ہی سن رکھا تھا اس لئے اس کے آنے سے بہت خوش ہوا اور رائے بریلی کی حکومت پر مقرر کرنے کا وعدہ فرمایا اور ایک خلعت فاخرہ بھی عنایت کیا۔

جب نواب ذوالفقار خاں رخصت ہو کر اپنے ڈیرہ پر آیا تو اس نے نواب آصف الدولہ کے بخشے ہوئے خلعت کو بدن سے اتار کر اپنے ایک خدمتگار کو دیدیا اسی وقت کسی مخبر نے یہ خبر وزیر مذکور کو جا سنائی۔ شاہی خلعت کی اس ناقدردانی کا حال سن کر وزیر مذکور بہت ناراض ہوا اور ایک فوجی رسالدار کو حکم دیا کہ ذوالفقار خاں کو فوراً شہر بدر کر دو۔

ذوالفقار خاں بھی جب بحکم شہر سے باہر چلا گیا اور اپنے ہمراہیوں سمیت بندھیل کھنڈ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں نواب علی بہادر رئیس بھیلسے کے لشکر میں داخل ہو گیا۔ اتفاق سے اس لشکر میں گوسائیں ہمت سنگھ بھی جو قدیم الایام سے ذوالفقار خاں کا دوست تھا موجود تھا۔ وہ ذوالفقار خاں کی آمد کی خبر سن کر اس کے ڈیرے میں آیا اور نواب علی بہادر کی ملازمت کرا دی نواب موصوف نے خوش ہو کر اپنے پاس رکھا۔

انہیں ایام میں علی بہادر اور راجہ نونی ارجن سنگھ بندیلہ کی لڑائی ٹھن گئی علی بہادر نے ذوالفقار خاں کی مدد سے اس لڑائی کے فتح ہو جانے پر ایک معقول عہدہ دیکر اس کی

سرفرازی کا وعدہ کیا۔ غرض بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ نواب ذوالفقار خاں بھی اپنے ہمراہیوں سمیت لڑنے کے لئے میدان جنگ میں آیا اور موقعہ دیکھکر راجہ نولی ارجن کی فوج پر ایک طرف سے حملہ آور ہوا جب راجہ کے ہاتھی کے قریب پہونچا۔ تو برچھے کا ایک وار راجہ مذکور کے سینے پر ایسا مارا کہ وہ ہاتھی پر سے نیچے گر پڑا۔ ذوالفقار خاں کے ہمراہیوں نے دوڑ کر اس کا کام تمام کر دیا لیکن راجہ مذکور کے فیلبان نے ذوالفقار خاں پر تیر سے وار کیا جس سے وہ کاری زخم کھا کر گھوڑے سے گر گیا اور بیہوش ہو گیا راجہ نولی ارجن کے مارے جانے کے بعد اس کے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی اور نواب علی بہادر کو نمایاں فتح حاصل ہوئی۔ فتح کے بعد جب علی بہادر اور گوسائیں ہمت سنگھہ وغیرہ میدان جنگ میں آ کر مقتولوں کو دیکھنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نواب ذوالفقار خاں بھی مقتولوں کے اندر پائے خون میں غرق پڑا ہے اور اس کے ہمراہی اصالت خاں و اجمیری خاں خانہ زادگان و دیگر خدمتگاران وغیرہ اس کے داہنے بائیں کھڑے ہیں نواب علی بہادر اور گوسائیں ہمت سنگھہ یہ حال دیکھکر گھوڑے سے اترے اور پانی منگوا کر ذوالفقار خاں کے زخموں کو دھلوایا اور اسے اٹھا کر بٹھایا۔ اور شربت پلانے لگے۔ جب ذوالفقار خاں نے گوسائیں مذکور کی آواز سنی تو اپنے رفیق کی طرف دیکھا اور شربت پینا چاہتا تھا کہ یکایک حضرت امام حسین شہید کی پیاس یاد آ گئی۔ شربت کا پیالہ زمین پر رکھدیا۔ اور کلمہ طیب پڑھتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہو گیا ان کے یار دوستوں نے بہت رنج و افسوس کیا اور یہ شعر کسی نے پڑھا ہے

اے شان حیدری ز جبین تو آشکار — نام تو در نبرد کند۔ کار ذوالفقار

غرض نواب ذوالفقار خاں شہر مہوبہ واقعہ بندیلکھنڈ میں نہایت تزک و احتشام سے دفن کئے گئے۔ وہاں دور دور سے خلقت ان کے مزار کی زیارت کے واسطے آتی ہے اور نذر و نیاز چڑھا کر اپنی دلی مراد پاتی ہے۔

نواب صاحب کے مزار سے روہیلے پٹھانوں کی عقیدت

نواب صاحب کے مزار پر ہر سال فنون جنگ و سپاہ گری کا بڑا بھاری میلہ بھرتا ہے۔ روہیلے پٹھان آپ کی جوانمردی اور بہادری کے بہت قائل ہیں۔ اور ان کو اپنا استاد مان کر بکمال عقیدت۔ کہتے ہیں چنانچہ ان کا دستور ہے کہ جب ان کے فرزندوں میں سے کوئی پہلی دفعہ ہتھیار باندھتا ہے تو نواب ذوالفقار خاں کے مزار پر تمام ہتھیار دل

لیجا کر رکھدیتے ہیں۔ اور بچہ شیر علی پیران کی فاتحہ دلا کر اور مزار کو سلام کر کے سب حقیقت بیان کرتے ہیں

نواب صاحب کا خاندان۔ نواب موصوف کا ایک بھائی عزت خاں تھا جس کا ذکر جواہر سنگھ کی لڑائی میں آچکا ہے اس کی اولادیں واقفخاں اور صنوبر خاں تھے جو مقام تاؤڑو میں رہا کرتے تھے صنوبر خاں کی اولادیں سے بندہ علی خاں تھے جو کہ الور میں ملازم رہ چکے ہیں دوسرا بھائی غفار خاں تھا جو کہ بہراوت میں رہا کرتا تھا۔ اس کی اولادیں سے ایک شخص جواہر خاں تھا جو نکمہ تھا رہا کرتا تھا۔ خود نواب صاحب اور ان کے بھائیوں نے اپنی رعایا کے انصاف کرنے کو گھسادلی میں اور مقام تاؤڑو اور بہراوت میں جو کہ گوبند گڑھ سے جو بہت تھوڑا سا میل کے فاصلہ پر واقعہ ہیں اونچے اونچے چبوترے یعنی چبوترے بنوا رکھے ہیں جن پر بیٹھ کر گرد و نواح کے مواضعات کے آدمیوں کے جو ان کی رعایا تھے عدالتی فیصلے جو کہ ہر قسم کے جرم سے تعلق رکھتے تھے فیصل کئے جاتے تھے ان چبوتروں کے مقدس ہونے کے متعلق وہاں کے عام لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ ان چبوتروں پر بیٹھ کر جو فیصلے کئے جاتے تھے۔ ان میں کبھی ناانصافی نہیں ہو سکتی تھی۔ بہراوت میں ایک قلعہ بھی تھا۔ جس کے اندر ناہر خاں کا محل تھا چونکہ خود نواب ذوالفقار خاں لاولد تھے اس وجہ سے انہوں نے اولاد ہونے کی خواہش میں ایک سادھو بیراگی مسمی بیدسوداس کو مقام ڈیگ سے بلا کر گھسادلی میں آباد کیا تھا اور اس کے لئے وہاں ایک مندر بھی بنوا دیا اور ایک گاؤں بید ہو کا نامی بابت سو روپیہ سالانہ مالگزاری کا بطور جاگیر عنایت کیا ہوا تھا تک بیراگیوں کے قبضے میں چلا آتا ہے لیکن حال ہی میں مسمی مادھو داس بیراگی نے اس موضع کو مندر کے بھوگ کے نام سے اپنے نام داخل خارج کرا لیا ہے اب مندر کے کو صرف بارہ سو روپیہ سالانہ موضع مذکور کی مالگزاری سے ملتے ہیں باقی رقم راج کے خزانہ میں جمع ہو جاتی ہے۔

گوبند گڑھ کے اندر آج کل صرف دو گھر خانزادوں کے ہیں۔ جن میں سے ایک گھر نواب موصوف کے خاندان میں سے ہے لیکن افسوس یہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ اس گھر میں سوائے چند بیوہ عورتوں کے اولاد نرینہ کوئی نہیں اس گھر کا واحد مالک ایک نوجوان آدمی تھا جو سنہ ۱۹۳۲ء کے الور والے فسادات میں فوج کی گولی سے مارا گیا۔

جائے عبرت ہے یہ وہ گھر تھا جس کے آباؤ اجداد بھی اس علاقہ کے مالک تھے

کے جاگیر دار اور مالک تھے۔ لیکن آج وہ لاوارث ہے۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو۔

نواب صاحب کا مذہب اور عادات و اطوار

نواب صاحب بڑے جری اور شجاع تھے چنانچہ اپنی کے سامنے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے مرزا نجف خاں سپہ سالار افواج شاہ عالم بہادر شاہ کی صحبت میں رہ کر مذہب اثنا عشری (شیعہ) اختیار کر لیا تھا۔ یہ شخص خانزادہ قوم میں سب سے آخری سردار تھا اس کے بعد میوات کے اندر خانزادوں کی رہی سہی شان و شوکت اور حکومت ختم ہو گئی۔ اور آجکل یہ قوم صرف رعایا کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کر رہی ہے۔

عرصہ چالیس سال تک نواب مذکور کی بہادری اور شمشیر زنی کی دھاک دہلی سے جیپور تک بندھی ہوئی تھی بڑے بڑے نامی بہادر اس کے نام سے کانپتے تھے۔ آہ ہر کمالے را زوالے

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے

جھاڑ ان کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

۵۔ ملک اہرو دخاں عرف آرطو دخاں پسر نجم بہادر ناہر خاں جاگیر دار اندور (الور)

ان کو عام طور پر لوگ ملک آرڈ دخاں بھی کہتے تھے ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے اول فتح خاں جس کی اولاد موضع گندہولہ متصل دہولی پہاڑی پرگنہ تجارہ میں ہے اس کی اولاد میں دریا خاں بن شجاول خاں بن علاول خاں بن بھجو خاں بن فتح خاں پیدا ہوا۔ دریا خاں گندہولہ میں آباد رہا دوسرا لڑکا کالیخاں ہوا۔ جس کی اولاد علمدیکا پرگنہ کشن گڑھ میں ہے اس کی اولاد میں عالم خاں بن فیروز خاں بن مظفر خاں بن کالیخاں پیدا ہوا۔ عالم خاں علمدیکا میں آباد ہوا۔ اس آبادی کا نام بھی عالم خاں کے نام پر عالم دی کا یعنی علمدیکا رکھا گیا ہے"

فتح آباد پرگنہ کشن گڑھ کے سوداگروں نے جو کہ بہت مالدار تھے علمدیکا کے خانزادوں کو بہت جانی اور مالی نقصان پہونچایا تھا اس لئے وہاں کے خانزادوں نے مل کر فتح آباد کے بہت سے لوگوں کو جان سے مار دیا تھا اس واقعہ کو اب سے تقریباً ڈھائی سو سال گزر چکے ہیں چونکہ فتح آباد والوں کی رشتہ داریاں بھرت پور کے جاٹوں سے تھیں۔ اس لئے انہوں نے جاٹوں کو بلا کر خانزادوں پر حملہ کر دیا اس لڑائی میں خانزادوں کے ساتھ گرد و نواح کے

میو کی شامل ہوگئے انہوں نے مل کر فتح آباد کو برباد کر دیا اور وہاں کے تمام باشندوں کو قتل کر دیا۔

اس وقت سے آج تک فتح آباد برباد چلا آتا ہے سنا جاتا ہے اب وہاں پر ایک پٹھان واحد ملک

ہے جس نے کچھ اپنے ملازم رکھے ہوئے ہیں جن سے زمین کو کاشت کراتا ہے۔

تیسرا لڑکا اسمٰعیل خاں پیدا ہوا۔ جس کی اولاد دھولی پہاڑی او نگان ریاست بھرت پور میں آباد

ہے اس کی اولاد میں بہوا خاں بن نفو خاں بن قاسم خاں بن بہادر خاں پیدا ہوئے۔

بہوا خاں کے دس لڑکے پیدا ہوئے جن میں سے تمر خاں دھولی پہاڑی میں آباد ہوا جس کی

اولاد میں ور یا خاں وغیرہ ہیں۔ دوسرا حاجی خاں تھا جس کی اولاد میں دھولی پہاڑی کے دوسرے

خانزادے ہیں۔ تیسرا جلال خاں جس کی اولاد میں قصبہ کامان کے خانزادے ہیں۔ چوتھا عظمت خاں

پانچواں ایزدی خاں ہوا۔ باقیوں کے نام معلوم نہ ہو سکے۔

دھولی پہاڑی کے خانزادے بادشاہی درباروں میں رسوخ حاصل کر کے بہت مشہور اور

نامور ہوئے ہیں جن کے بنائے مکانات عالی شان اور مسجد و مقبرہ وغیرہ تاہنوز موضع مذکور میں

قائم اور موجود ہیں۔

نواب سعد خاں بن صوبہ خاں متوطن علمدیکا پرگنہ کشن گڑھ الور

تاریخ راجپوتان ہند میں تحریر ہے کہ جب نواب فتح علی خاں و راجہ سورج مل جاٹ رئیس بھرت پور

اور راجہ بہادر سنگھ بڈگوجر رئیس گھاسیڑہ ضلع گوڑگانوہ نے بادشاہ دہلی سے بغاوت اختیار کر کے شاہی

علاقہ میں فتنہ و فساد برپا کر دیا اور بادشاہی تھانوں کو اٹھانا شروع کر دیا تو احمد شاہ بن محمد شاہ بادشاہ

دہلی نے اپنے امیروں و وزیروں مثل نواب غازی الدین خاں و راجہ بہی دت دیوان وغیرہ سے مشورہ

طلب کیا۔ اور فرمایا کہ مندرجہ بالا تینوں نمک حراموں کو سخت تنبیہ و تادیب ہونی چاہیے راجہ دہی دت

نے خیر خواہی کے طور پر نواب اسد خاں خانزادہ متوطن علمدیکا کو جو کہ نواب بازید خاں متوطن قصبہ

گھساؤلی کا نواسہ تھا۔ طلب کیا۔ جب وہ دہلی میں آیا تو راجہ مذکور نے خاص طور پر اس کی بہادری

اور جوانمردی کی تعریف ۔ ۔ ۔ وزیر اور بادشاہ دونوں کے سامنے بیان کی۔ اس سفارش پر اسد

خاں دربار شاہی میں حاضر ہوا اسکی شکل و صورت کو دیکھکر تمام اہل دربار و بادشاہ خوش ہوا اور

اس کو اسپ خاصہ و شمشیر و خلعت اور خطاب نوابی عطا کیا گیا اور بارہ ہزار فوج دیگر معہ مرزا مراد بیگ

ذار وغہ توپخانہ و چند چھکڑے خزانہ ہمراہ کر کے کوئل جلیسر کی طرف رخصت کیا جب باغیوں کو اسد

خاں کے آنے کی خبر پہونچی تو وہ تینوں بھی لڑائی کے لئے مستعد ہو کر کوئل کے میدان میں آ پہنچے چار پانچ روز تک خوب توپ بازی اور تیر اندازی ہوتی رہی نواب اسد خاں نے اپنے بڑے بیٹے ذوالفقار خاں کو حکم دیا کہ تم فوراً فرخ نگر چلے جاؤ اور وہاں پر اہل و عیال کی خبرداری رکھو۔ کیونکہ اس زمانہ میں نواب مذکور کے متعلقان فرخ نگر میں ہی سکونت رکھتے تھے ذوالفقار خاں حسب الحکم اپنے باپ کے فرخ نگر کو چلا گیا اور اسد خاں معہ اپنے دوسرے بیٹوں اور بھائی کے میدان جنگ کو چلا گیا دوسری طرف سے فتح علی خاں وغیرہ بھی تیغ عمل باندھکر میدان میں آئے۔ تیر و تفنگ کا مینہ برسنے لگا جب ظہر کا وقت ہوا تو مراد بیگ نے کہا کہ پہلے ہمیں اپنی جاں نثاری و وفاداری کا موقعہ دیجیے میں ان تینوں مغروروں کو شکست فاش دیتا ہوں۔ مگر اسد خاں کی دلاوری و مردانگی نے اس کو سبقت کا موقعہ نہ دیا اور خود فتح علی خاں وغیرہ کی فوج پر جا گرا دونوطرف کے بہادر نام کے لئے جانیں دینے لگے لیکن اسد خاں بہت آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد خود بھی مارا گیا ایک ہندی شاعر نے اس لڑائی کا ایک دوہا کہا ہے ؎

بہادر سنگھ اور سورج مل تیجا فتح علی ان تینوں مل ماریا اسد خاں بلی

اگرچہ نواب صاحب کے ہمراہیوں نے لڑائی میں بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے مگر غنیم کی مدافعت نہ کر سکے۔ اگرچہ مراد بیگ وارد وغیرہ برابر گولے برساتا رہا۔ جس سے دشمن کو پاس آنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ لیکن سامان گولہ بارود ختم ہو گیا۔ اس سبب سے شکست فاش حاصل ہوئی نواب اسد خاں کی لاش باعزاز تمام دہلی میں لا کر خواجہ قطب الدین صاحب بختیار کاکی کے مزار کے پاس دفن کی گئی جب اسد خاں کے مرنے کی خبر راجہ دیبی دت و نواب غازی الدین خاں وزیر کو معلوم ہوئی تو انہوں نے بہت افسوس کیا۔ راجہ دیبی دت نے پھر بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ نواب اسد خاں کے بیٹے ذوالفقار خاں و نوازش خاں و بہادر خاں و ناہر خاں و مست خاں وغیرہ مقام فرخ نگر میں موجود ہیں کیونکہ نواب اسد خاں مرحوم اور دلیل خاں و کالنگا خاں بلوچوں کے درمیان قدیم الایام سے قرابت داری ہے آخر شاہی حکم ہوا کہ وہ فرخ نگر سے طلب کئے جائیں چنانچہ اسی وقت ایک پروانہ مزین بہ مہر شاہی ذوالفقار خاں و نوازش خاں کو طلب کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ ذوالفقار خاں حاضر ہوا اراکین دولت نے بھی اس کی سفارش فرمائی کہ اس شکست کا بدلا لینے کے واسطے اسد خاں مرحوم کے بیٹے سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ اپنے باپ کے خون کا بدلا لینے کے لئے یہ اپنی جان لگا دیگا۔ غرض ذوالفقار خاں اور اشرف بیگ برادرزادہ مراد بیگ مرحوم

والدو نو توپ خانہ کو بہت سا سامان جنگ دیکر بھیجا گیا اور ست رام خزانچی کو سپاہ کے خرچ کے لئے ہمراہ جانے کا حکم دیا گیا۔ جس وقت باغیوں نے ذوالفقار خاں کی آمد کی خبر سنی تو ان کی فوج میں بھگدڑ پڑ گئی سب سے پہلے سورجمل جاٹ بھرت پور کو بھاگ گیا پھر نوبہادر سنگھ بھی گھاسیڑہ کو بھاگ گیا اور نواب فتح علی خاں بھی دوآب کی طرف روانہ ہو گیا۔ ذوالفقار خاں کوئیل میں داخل ہوا اور ایک عرصے تک وہاں حکومت کرتا رہا۔ پھر بعارضہ استسقا مبتلا ہوکر مر گیا۔

نوازش خاں جو اسد خاں کا دوسرا بیٹا تھا اس نے بھی اپنے بزرگوں کی طرح نام پایا تھا۔ یہ شخص راجہ جواہر سنگھ والی بھرت پور سے قصبہ ماچھرولی پرگنہ کشن گڑھ میں بہادرانہ جنگ کر کے دس محرم بروز عاشورہ معہ دو چھوٹے بھائیوں بہادر خاں و ناہر خاں کے اور دوسرے اپنے نوسو ساتھیوں کے شہید ہو گیا۔ اس کے بعد اولاد اسد خاں سے اس کے دو بیٹے واحد خاں دوست خاں اور تین پوتے ثابت خاں بن ذوالفقار خاں و سعادت خاں بن نوازش خاں و مرتضیٰ خاں بن بہادر خاں فرخ نگر میں باقی رہ گئے جب یہ لوگ جوان ہو گئے تو اکثر لڑائیوں میں کارنمایاں دکھلاتے رہے اور ہمیشہ جیپور اور دہلی کی سرکاروں میں اسد خاں کا نام زندہ و روشن رکھا۔

راجہ سورجمل والی بھرت پور اور نواب نجیب الدولہ روہیلے کی لڑائی میں واحد خاں امان اسد خاں و سعید محمد خاں بلوچ کے ہاتھ سے ۱۱۷۷ھ میں راجہ سورجمل مارا گیا۔

اس کے بعد لشکری خاں بن نجابت خاں بن فیض اللہ خاں بن صورت خاں نے مہاراجہ سوائی جے سنگھ و سوائی جگت سنگھ رئیس جیپور کے زمانہ میں عزت و ناموری حاصل کی یہ لوگ اس سرکار کی دولت خواہی و جان نثاری میں ہمیشہ سرگرم رہے چنانچہ اس جان نثاری اور دولت خواہی کے صلے میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ والی جے پور نے خلعت و شمشیر مرصع اور دو ہزار سوار کی رسالداری لشکری خاں کو عطا کر کے پرگنات خالصہ پر مقرر فرمایا۔ چنانچہ یہ چھبیس سال تک ضلع جھنجھنو والی و تنور و ٹی میں حکومت کرتا رہا۔ جب مہاراجہ پرتاپ سنگھ مر گیا اور اس کی جگہ جگت سنگھ راجہ بنا۔ تو اس کے زمانہ میں راجہ مان سنگھ والی جودھپور سے نزاع ہوا اور سخت لڑائی ہوئی اس لڑائی میں کپتان بہادر خاں پسر لشکری خاں خانزادہ ساکن ماچھرولی کے سر میں گولی لگی تھی جس سے وہ فوراً مر گیا اور قصبہ منڈاور میں دفن کیا گیا۔

نواب نجابت خاں خانزادہ ماچھرولی نے مہاراجہ جواہر سنگھ کی طرف سے اس لڑائی میں جو جے پور والوں سے پشکر نہانے کے موقعہ پر ہوئی تھی نہایت جوانمردی سے حملہ کیا تھا

جس کے صلے میں مہاراجہ مذکور نے مقام ماٹھ اور رہابن ضلع متھرا کی فوجداری عنایت فرمائی تھی اور شہامت خاں خانزادہ جو نواب امیر خاں والیٔ ٹونک کا سپہ سالار تھا وہ بھی علمدیکا کا رہنے والا تھا۔

۲- ناہر خاں متوطن سرولی پرگنہ تجارہ

یہ ناہر خاں بھی ملک اہرود خاں کی اولاد میں ہوا ہے جو موضع سرولی پرگنہ تجارہ کا رہنے والا تھا۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں جبکہ ایک عام ابتری پھیلی ہوئی تھی اپنے وطن مالوف سرولی سے مقام عظیم آباد عرف پٹنہ محلہ عالم گنج میں جاکر اپنی بود و باش اختیار کی اس نے اپنی لیاقت اور محنت کی بدولت وہاں بڑا رسوخ حاصل کر لیا اسی شخص کی وساطت سے مسمی جیون خاں ولد عبداللہ خاں بن اعتقاد خاں بن سردار خاں نے اپنے وطن قصبہ شاہ آباد کو چھوڑ کر پٹنہ میں اپنی سکونت اختیار کی تھی ناہر خاں نے اپنی بھتیجی جیون خاں کو بیاہ دی۔ ناہر خاں شروع میں پٹنہ کے اندر کوتوال شہر مقرر ہوا تھا اس کے بعد عمدہ خدمات سرکاری بجالایا جس کے صلے میں ۲ ربماہ جمادی الاول ۲۳ جلوس والا کو تعدادی تین لاکھ دام کی جاگیر پرگنہ حاجی پور علاقہ صوبہ بہار میں سیف الدین ولد محمد خاں کے محال سے حاصل کی یہ شخص شہر پٹنہ کے اندر بڑا امیرانہ ٹھاٹ باٹ رکھتا تھا اور میوات کا نام روشن کر رکھا تھا۔

ملک سراج خاں پسر ششم بہادر ناہر خاں جاگیردار قصبہ سوہنہ گوڑگانوہ

سراج خاں نے اپنی سکونت قصبہ سوہنہ میں رکھی کیونکہ یہی ایک پرگنہ جاگیر میں اس کو ملا تھا یہ قصبہ میوات کے اندر دامن کوہ میں دہلی سے پینتیس میل جانب جنوب واقعہ ہے یہاں ایک گرم پانی کا چشمہ ہے جو گندک کی کان سے نکلتا ہے اس پانی کا رنگ سبزی مائل ہے جس میں گندک کی بو بھی آتی ہے جاڑوں میں اس کا پانی اتنا گرم ہوتا ہے کہ بدن پر نہیں ڈالا جاتا۔ بعض دفعہ رات میں وہاں پر خود بخود آگ بھی ظاہر ہوا جایا کرتی تھی۔ لیکن اب بند ہوگئی

ہے اس چشمے میں غسل کرنے کے لئے دُور دُور سے خلقت آتی ہے اور جلد کی بیماریوں سے شفا
پاتی ہے۔

یہ قصبہ بہت پرانا ہے پہلے زمانہ میں اس کے اندر بڈگوجر راجپوتوں کی حکومت تھی ان کے بعد خانزادوں کا عمل دخل ہوا جنہوں نے یہاں شان و شوکت کے ساتھ دو سو سال تک حکومت کی لیکن افسوس قصبہ ریواڑی کی مانند اب یہاں پر بھی خانزادوں کی آبادی کچھ نہیں ہے ہی سنا جاتا ہے کہ آجکل اس قصبے میں صرف ایک گھر خانزادہ کا ہے۔

اس قصبے پر فیروز شاہ تغلق کے زمانہ سے خانزادوں کا عمل دخل ہوا تھا اور اسی وقت سے یہ بطور ایک علیحدہ پرگنے کے چلا آتا ہے جس کے ماتحت تین سو ساٹھ گاؤں اور قصبے کہتے ہیں شروع زمانہ میں ہھدو نامی راجپوت بڈگوجر جالندھر سے یہاں آکر آباد ہوا تھا جس کے آباد ہونے کی روایت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ ہھدو مذکور کو اس کے گرو کی ہدایت تھی کہ تم یہاں سے دکھن کی طرف چلے جاؤ اور جہاں راستہ میں تمہاری گاڑی کی دھری ٹوٹ جائے وہیں اپنی سکونت اختیار کرلینا چنانچہ سوہنے کے پاس آکر دھری ٹوٹ گئی اس لئے اس نے مع اپنے ساتھیوں کے یہاں سکونت اختیار کرلی۔

جب میوات کے اندر خانزادوں کی حکومت ہوئی۔ تو ان کی لڑائیاں ہھدو مذکور سے ہوتی رہیں چنانچہ خانزادوں نے اکیس [۲۱] لڑائیاں بڈگوجروں سے کیں اور ہر لڑائی میں خانزادوں کی فتح اور بڈگوجروں کی شکست ہوتی رہی آخر ہھدو مذکور نے تنگ ہو کر راجہ قنوج کو جس کا نام کان کنور تھا اور جو ہھدو مذکور کا ہم جدی تھا اپنی مدد کے لئے بلایا چنانچہ راجہ مذکور بڑی جمعیت کے ساتھ آیا اور سوہنے کے بڈگوجروں کا مددگار ہوا اور خانزادوں سے لڑا کہتے ہیں اس آخری لڑائی میں یہ کامیاب ہو گئے۔

نوٹ:۔ معلوم ہوتا ہے سید اسلام حسین صاحب نے تاریخ ضلع گوڑگانوہ میں اپنی ناواقفیت یا غلط روایت کے ذریعہ ایسا لکھا ہے ورنہ یہ بات ہرگز قرین قیاس نہیں ہو سکتی کیونکہ جب بڈگوجروں نے فتح حاصل کی تھی تو پھر اس قصبے میں خانزادوں کی حکومت کس طرح قائم ہو گئی اور وہ وہاں پر کس طرح خود مختار بن کر دو ڈھائی سو

سال حکومت کرتے رہے اور بڈگوجروں کے پاس سے یہ
علاقہ کیوں جاتا رہا۔

قصبے ٹہنے کا نام ٹہند و بڈگوجر مورث اعلیٰ کے نام پر ٹہندہ پور شروع میں رکھا گیا تھا لیکن قصبے کے پاس ریت میں سے سونا نکلنے کی وجہ سے ٹہنہ مشہور ہو گیا یا عمدہ محل وقوع کے لحاظ سے سوہنہ (خوبصورت) مشہور ہو گیا۔

خانزادوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں اس قصبے کے اندر عمدہ عمدہ عمارات اور خوبصورت مسجدیں گنبد۔ خانقاہیں وغیرہ تعمیر کرائیں چنانچہ مسجد و مقبرہ شاہ نجم الحق صاحب جامع مسجد۔ عیدگاہ۔ خانقاہ شاہ ولایت صاحب۔ مسجد قطب خاں۔ گنبد بہادر غازی۔ والی کا گنبد۔ گنبد رائے زادی وغیرہ عمارات خانزادوں کے زمانہ کی بنوائی ہوئی ثابت ہوتی ہیں۔ جیسا کہ سید الطاف حسین صاحب افسر مال بندوبست بھی اپنی تاریخ میں یہ لکھتے ہیں کہ اوقت تسلط قوم خانزادہ کے اس قصبے میں عمدہ عمدہ عمارات پختہ و مسجد وغیرہ تعمیر ہوئیں۔

دیکھو تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۴۹ ۔

ٹہنے والے خانزادوں کی رشتہ داریاں مانڈی کھیڑے کے خانزادوں سے رہی تھیں چنانچہ جس وقت میر یعقوب خاں خانزادہ متوطن مانڈی کھیڑہ کو قصبے دوہے کے رئیس محمد الدین نامی نے شہید کر دیا تھا۔ تو ٹہنے کے خانزادوں نے اپنی قرابت کی وجہ سے مانڈی کھیڑہ والوں کی مدد کر کے محمد الدین مذکور کو قتل کر دیا تھا اور اس طرح انہوں نے اپنی خودداری کا ثبوت دیا۔ قصبے ٹہنے کے قانونگویوں کو جو کچھ عطیات اور قانونگوئی وغیرہ فیروز شاہ بادشاہ کی طرف سے ملی تھی وہ سب کچھ ٹہنے کے خانزادوں کی سفارش اور طفیل کا صدقہ تھا چنانچہ اس حقیقت کو بھی سید الطاف حسین صاحب اپنی تاریخ میں اس طرح لکھتے ہیں کہ:۔

عہد فیروز شاہ بادشاہ میں حالات سابقہ خاندان قانونگویان ٹہنہ سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بر رنج ان کے مورث کو بروقت تشریف آوری فیروز شاہ تغلق برائے شکار شیر بمقام بادشاہ پور بسفارش خانزادگان رفقائے شاہی قصبہ ٹہنے بجملہ پرگنہ ٹہنہ وغیرہ نو محالات کی خدمت چودھری قانونگوئے حضور شاہ سے عطا ہوئی تھی مجملہ اولاد مورث مذکور بادشاہ نے جس جس محال میں چودھری و قانونگوئے مقرر کئے تھے وہ لوگ اسی جگہ پر مقیم ہو گئے ازاں جملہ قانونگویان ٹہنہ ہی تا حال بہ تسلسل نسل بائیسویں پشت

ابھی ہدو پہ ماہو۔ ہیں ہے۔ دیکھو تاریخ ضلع گوڑگانوہ صفحہ ۱۹۹ و ۲۰۰

آہ یہ زمانہ کا انقلاب ہے کہ جن خانزادوں کی سفارش پر ریتساں قصبہ بہنہ آباد ہوئے تھے اور جاہ و مناصب حاصل کئے ہیں آج ان ریتسوں کو شاید خانزادوں کی سفارش کا نام سننے سے بھی شرم دامنگیر ہوتی ہوگی۔ حالانکہ یہ شرم کا مقام نہیں ہے (ح)

ہمیشہ رہے نام اللہ کا

کہتے ہیں خانزادوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں پرگنہ بہنہ کی رعایا پر بہت ظلم کئے تھے اور وہاں کے فقیروں کو بھی بہت ستایا تھا چنانچہ ایک دفعہ شاہ ولایت صاحب کو بھی خانزادوں نے کسی بات پر دکھ دیا۔ شاہ صاحب نے جنگل میں جاکر جھنڈوں کی جڑیں کھودنی شروع کیں کسی شخص نے دریافت کیا۔ حضرت آج خلاف معمول یہ کیا شغل ہے فرمایا۔ خانزادوں کی جڑیں کھود رہا ہوں اس شخص نے عرض کیا بس حضرت اب توبہ ہے کھود چکے معاف فرمایئے آخر بڑی منت سماجت سے ان کو روکا گیا۔ فرمایا خیر ایک گھر سے زیادہ قصبہ بہنہ کے اندر خانزادوں کا نہیں رہیگا کہتے ہیں ایسا ہی عمل میں آیا۔ اور یہ اسی بد دعا کا اثر ہے کہ آج تک بھی وہی ایک گھر ہے

جو عمارات۔ گنبد۔ مسجدیں۔ مقبرے وغیرہ بہنہ کے اندر خانزادوں نے بنائے تھے آج کل ان میں سے بہت سے کھنڈرات کی صورت میں نظر آتے ہیں اور جو باقی رہے ہیں وہ بھی زمانہ کی سرد مہری سے خاک میں ملتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مرمت ہونا تو در کنار ان کے اندر روشنی کے لئے ایک دمڑی کا چراغ بھی کسی کو میسر نہیں ہوتا ہے

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

(۷) ملک نور خاں پسر ششم بہادر ناہر خاں جاگیر دار قصبہ نوح گوڑگانوہ

ملک نور خاں صاحب نے سیاسی معاملات میں مطلق حصہ نہیں لیا بلکہ ہمیشہ اپنی سلامت روی سے زندگی بسر کرتے رہے اور جو علاقہ باپ کی وراثت سے آپ کو جاگیر میں ملا تھا اسی پر قناعت کی اور جاگیری آمدنی سے خوش حال و فارغ البال رہے اور شاہی ملازمت اور حکومت کے سے کبھی کسی کی خوشامد نہ اٹھائی۔ سچ ہے

بدست آہک نفتہ کردن خمیر

به از دست بر سینہ پیش امیر

ملک صاحب کی اولاد میں ایک نتھن خاں نامی شاہ عالم بہادر شاہ کے وقت میں نامی سردار ہوا ہے بادشاہ مذکور کی طرف سے اس کو پانچ سو روپیہ سالانہ کی ایک ننکار لی ہوئی تھی ننکار کے علاوہ مواضعات نظام پور۔ بابو پور۔ ٹیٹر ک پور۔ منڈ نانکی۔ اور باجڑ کا جو آج کل تحصیل نوح ضلع گوڑ گانوہ میں ہیں نتھن خاں کی جاگیر میں تھے۔،

ملک نور خاں صاحب نے اپنی سکونت قصبہ نوح میں رکھی تھی ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے بڑے لڑکے کا نام مجاہد خاں تھا جو موضع بڑروجی میں جاکر آباد ہوئے اور وہاں کے خانزادوں کے مورث اعلیٰ بنے۔ چھوٹے بیٹے کا نام کمال خاں تھا جن کو کمال الدین خاں بھی کہتے تھے جنکی اولاد قصبہ نوح کے اندر ہے کمال الدین خاں کے راجن اجن کے جہانگیر خاں اور جہانگیر خاں کے تین بیٹے محمد خاں۔ ذاکر خاں اور محمود خاں پیدا ہوئے محمد خاں کی اولاد میں نرد کھنڈیا پٹی ہے ذاکر خاں کی اولاد میں آسمان پٹی ہے اور محمود خاں کی اولاد میں حویلیا پٹی ہے۔،

مجاہد خاں بڑروجی والے کا شجرہ اس طرح پر ہے مجاہد خاں کے فرید خاں۔ فرید خاں کے لال خاں۔ لال خاں کے جلال خاں اور جلال خاں کے اجمیری خاں پیدا ہوا اجمیری خاں کے دو بیٹے جود خاں اور نتھن خاں پیدا ہوئے جود خاں کی اولاد میں نصیب خاں نمبردار ہے جس کا شجرہ یہ ہے۔

نصیب خاں بن دولت خاں بن سکندر خاں بن بہول خاں بن جیون خاں بن مہتاب خاں بن جعفر خاں بن جنید خاں بن جود خاں۔ نتھن خاں کی اولاد میں امید خاں وغیرہ ہیں۔

۔ملک نظام خاں پسر ہشتم بہادر ناہر خاں جاگیردار مانڈی کھیڑہ گوڑگانوہ

نظام خاں صاحب نے اپنی سکونت مانڈی کھیڑہ میں اختیار کی ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے موسے خاں۔ ساجن خاں۔ ہنگن خاں۔

موسے خاں کی اولاد میں پٹی بڑی اوڑ والی ہے جس میں محمود خاں نمبردار اور سراج خاں نمبردار وغیرہ ہیں اس پٹی کا شجرہ یہ ہے علاول خاں بن شمش خاں بن گاگڑ خاں بن یونس خاں

بن موسےٰ خاں۔

راجن خاں کی اولاد بنت راجنیا پٹی ہے جس میں اصالت خاں وغیرہ ہیں اس پٹی کا شجرہ یہ ہے میر خاں بن عاطر خاں بن داؤد خاں بن سراج خاں بن نور خاں بن راجن خاں

ہینگن خاں کے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک قطب خاں جن کی اولاد میں ہینگیا پٹی ہے جس میں وزیر خاں وغیرہ ہیں اس پٹی کا شجرہ یہ ہے بہادر خاں بن شادی خاں بن ناہر خاں بن یعقوب خاں شہید بن اسمٰعیل خاں بن قطب خاں۔

ہینگن خاں کا دوسرا لڑکا کا پٹھان ہوا جس کی اولاد میں قلندریا پٹی ہے جس میں اسمٰعیل خاں نمبردار وغیرہ ہیں اس پٹی کا شجرہ یہ ہے عاطر خاں بن فیروز خاں بن راجن خاں بن قلندر خاں بن کا پٹھان۔

ہینگیا پٹی میں ایک شخص یعقوب خاں ابن اسمٰعیل خاں بڑے باکمال درویش پیدا ہوئے ہیں جن کا مختصر سا حال یہ ہے۔

آپ شروع عمر سے ہی عابد زاہد۔ متقی اور پرہیزگار تھے پھر ان کے کچھ مرید بھی بن گئے تھے آپ کے زمانہ کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ موضع دوہا پرگنہ فیروزپور میں ایک شخص محمد الدین نامی بڑا سرکش اور بدچلن آدمی رہتا تھا۔ اس کے ظلم و ستم اور زناکاری سے لوگ تنگ آ رہے تھے جب کسی ادنیٰ قوم والے آدمی کے گھر میں نئی شادی ہو کر دولہن آتی تھی تو محمد الدین مذکور پہلی شب کے لئے اس دولہن کو اپنے پاس بلاتا تھا۔ اور اگر کوئی شخص خوشی سے نہیں بھیجتا تھا تو زبردستی بھی پکڑ وا منگاتا تھا چنانچہ ایک دفعہ ایک جاٹ موضع ڈھیکپور متصل جلالپور پرگنہ فیروزپور جھرکہ کا رہنے والا اپنی دولہن کو لیکر محمد الدین مذکور کے پاس جا رہا تھا جب وہ ماندی کھیڑہ پہونچا تو وہ یہیں ذرا دیر کے لئے یہاں ٹھیر گیا اور اپنی بے کسی و بے بسی کی داستان رونے لگا اس ذکر کو سن کر یعقوب خاں صاحب کے ایک مرید نے جاٹ مذکور کا مذاق اڑایا۔ اس کو سن کر جاٹ مذکور نے طعنہ دیا کہ اگر تمہارے میاں میں کچھ کرامات اور طاقت ہو تو ہم غریبوں کی مدد کرو ورنہ مذاق اڑانے سے جانے دو دکھیوں پر نمک پاشی کرنی ہے۔

کہتے ہیں یعقوب خاں صاحب نے بھی یہ جھگڑا اپنے کانوں سے سن لی جب اپنے ورد وظائف سے فارغ ہوئے تو پوچھا یہ کیا جھگڑا تھا جس کا ذکر تم کر رہے تھے مریدنے وہ تمام حال عرض کر دیا۔ اس بات کو سن کر یعقوب خاں صاحب نے جاٹ مذکور سے فرمایا کہ تم اپنی

دولھن کو لیکر واپس چلے جاؤ۔ محمد الدین مذکور کی طرف سے جو کچھ ظہور میں آئے گا اسے ہم خود دیکھ لیں گے۔

جب یہ خبر دوہے میں محمد الدین کو پہونچی تو وہ بہت ناراض ہوا اور اپنے بہت سے ساتھیوں کو لیکر لڑنے کے لئے مانڈی کھیڑہ پہ چڑھ آیا۔ یہاں پر سخت لڑائی ہوئی جس میں یعقوب خاں صاحب شہید ہوگئے۔

جب اس شہادت کی خبر ان کے رشتے دار قصبہ سہنے والوں کو معلوم ہوئی تو وہاں سے بہت سے خانزادے بدلا لینے کے لئے آئے۔ جنہوں نے محمد الدین مذکور کو قتل کر ڈالا یعقوب خاں صاحب کا مزار مانڈی کھیڑہ میں مشرق کی طرف تالاب کے نزدیک اور سڑک کے پاس بنا ہوا ہے جس پر ہر جمعرات کو نقارہ بجایا جاتا ہے اور کچھ نذر و نیاز بھی چڑھائی جاتی ہے۔

۹۔ ملک فتح اللہ خاں عرف فتح خاں پسر نہم بہادر ناہر خاں جاگیردار مقام کلینجر پرگنہ نوح ضلع گوڑگانوہ

ملک صاحب نے اپنی سکونت مقام کلینجر پرگنہ نوح میں اختیار کی تھی۔

ان کے یا ان کی اولاد کے سیاسی حالات کے متعلق سوائے ایک تاریخ کے دوسری کسی تاریخ میں ہم نے کوئی ذکر نہیں پڑھا۔ البتہ منشی خداداد خاں صاحب عظیم آبادی نے اپنی تاریخ خانان میوات میں ان کے بیٹے کا نام حمید خاں لکھا ہے محمد شاہ بادشاہ کے وقت میں جو سید خضر خاں کا پوتا تھا بادشاہ مذکور کا وزیر اعظم تھا جس نے بہلول لودھی کے ساتھ محمد شاہ کی طرف سے بہت معرکہ آرائیاں کی تھیں چونکہ دوسری تاریخیں اس ذکر سے خالی ہیں لہٰذا ہم بھی صرف ایک تاریخ کے حوالہ کی سند پر اس کے ذکر کو نظر انداز کرتے ہیں اگر تحقیق ہوگیا تو اگلے ایڈیشن میں ضرور درج کر دیں گے۔

۱۰۔ شجرۂ نسب شرف الدین احمد مؤلف تاریخ ہٰذا مع مختصر حالات

آجکل موضع سانتھاواڑی جہاں کا باشندہ مؤلف ہے ضلع گوڑگانوہ تحصیل فیروز

پور جہرکا ضلع گوڑگانوہ میں ہے ۔

اس موضع کا مورث اعلیٰ مسمی شہاب خاں عرف صاحب خاں قلعہ اندور سے سمت ۱۲۵۱ بکرمی مطابق سنہ ۱۱۴۸ھ میں آکر یہاں آباد ہوا تھا اس وقت اس موضع میں مسمی محمد خاں خوش کیلا پٹھان کی بسوہ داری تھی اور وہی یہاں کا واحد مالک تھا محمد خاں مذکور نے اپنی لڑکی کی شادی صاحب خاں کے بیٹے سے کی تھی۔ کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر خانزادوں کے رشتے ناطے اکثر پٹھانوں میں ہوتے رہتے تھے چنانچہ اسی تعلق کی وجہ سے صاحب خاں معہ اہل و عیال قلعہ اندور سے سانتھاواڑی میں آکر آباد ہو گیا۔

چونکہ محمد خاں مذکور سے اپنی تمام اراضی کی کاشت کا انتظام نہ ہو سکتا تھا اس وجہ سے اس نے صاحب خاں کو بلا کر اپنے پاس آباد کیا تھا صاحب خاں نے اس موضع میں قاضی محمد یوسف جس کو اب سوختہ سید بھی کہتے ہیں۔ ٹھاکر بہار الدین۔ سلیم خاں۔ اسلام خاں۔ شیر خاں۔ داؤ کھرت۔ بیرم خاں۔ بوہا۔ سوندھو۔ ڈیمروت میوان کو آباد کیا۔ جن کی اولادیں آج تک یہاں آباد ہیں۔ کچھ ان میں سے تاؤگل مبارکپور میں جاکر آباد ہو گئے صاحب خاں خانزادے کی آبادی کے وقت موضع سانتھاواڑی تحصیل یا پرگنہ کہلاتا تھا اور پرگنہ کے حاکم کو عامل بولتے تھے۔ فیروزپور جھرکا۔ ساکرس۔ پنگواں۔ اؤمرا۔ جھمراوٹ اوجینہ اندور۔ خانپور کرمڑہ مواضعات بھی اس زمانہ میں پرگنے تھے کتاب آئین اکبری میں ابوالفضل نے سانتھاواڑی کو تحصیل یا پرگنہ لکھا ہے جس کی نقل شیخ محمد مخدوم صاحب نے بھی اپنی کتاب مرقع الور اور ارژنگ تجارہ میں کی ہے سانتھاواڑی کی تحصیل سرکار تجارہ کے ماتحت تھی۔

صاحب خاں کے بیٹے فیروز خاں نے سمت ۱۵۱۳ ہجری میں رنلیا و بلیا خاکروب۔ حیاتا ڈوہرا دوبھالی قوم تیلی کرم چند چمار۔ ہرکشن برہمن راجو کمہار۔ اور سکھوا حجام کو اپنے کاروبار اور خدمت گزاری کے لئے یہاں پر آباد کیا تھا جن کی اولادیں اب یہاں پر آباد ہیں۔

موجودہ وقت میں نمبرداری اور بسوہ داری خانزادوں اور میوؤں کی ہے ایک نمبرداری مولف تاریخ ہذا کے خاندان میں ہے اور دوسری میوؤں کی ہے۔"

خوش قسمتی سے ان دونو ہمسایہ قوموں کے باہمی تعلقات مخلصانہ اور دوستانہ ہیں ہر ایک خوشی یا رنج کی تقریب میں ایک دوسرے کے ہاں برابر شامل ہوتے ہیں اور موجودہ زمانہ کی لہر بھری ہوا نے ابھی تک یہاں کے باشندوں میں کوئی تعفن پیدا نہیں کیا ہے۔"

اس اتحاد کے بانی مبانی ہمارے خیال میں صوبہ دار پنشنر محمد عمر خاں صاحب ہیں۔

اگرچہ خانزادوں کے اندر بعض دفعہ باہم بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ آج تک ہمارے اندر کبھی مقدمہ بازی کی نوبت نہیں آئی بلکہ صرف زبانی شکوہ و شکایت پر ہی معاملہ کو رفع دفع کر دیتے ہیں خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اندر اس خصوصیت کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین ثم آمین۔

خانزادوں کا شجرہ نسب بہت سی کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے جس کا حال ہم پہلے بھی تمام خانزادوں کے شجرہ نسب میں لکھ چکے ہیں۔ جن میں سے پنڈت جوالا سہائے صاحب عدالتی راج بھرت پور نے بحوالہ پنڈت بلدیو سنگھ صاحب حکیم وحید اللہ صاحب بدایونی اپنی تاریخ وقائع راجپوتانہ کے صفحہ ۲۳ میں اور منشی خداداد خاں صاحب عظیم آبادی نے اپنی تاریخ خانان میوات کے صفحہ ۱۱ میں کرشن جی سے ساپر پال عرف بہادر ناہر خاں تک جا سی ۹۰ پشتیں درج فرمائی ہیں لیکن مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری نے اپنی تاریخ کارنامہ راجپوتان ہند کے صفحہ ۳۲۵ میں کرشن جی سے ساپر پال تک صرف اٹھارہ پشتیں لکھی ہیں ہم ان دونوں صاحبان کے شجرہ کو بہادر ناہر خاں تک نقل کرنے کے بعد پھر اس سے آگے پوتھی جاگہہ و یادداشت راتایان خانزادگان میوات و شجرہ نسب خانزادگان مرتب کردہ پیرزادگان قصبہ مہرولی و چراغ دہلی وغیرہ سے مطابق کر کے ڈاکٹر صدیق احمد پسر مولف تاریخ ہذا تک درج کرتے ہیں یہ شجرہ بڑی محنت سے نہایت صفائی اور صحت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے اور جس کے مستند اور معتبر ہونے میں کوئی کلام نہیں

مندرجہ بالا دونوں شجروں میں جو فرق ہے غالباً اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی نجم الغنی صاحب نے اس شجرہ کو نقل کیا ہوگا جس میں صرف مشہور آدمیوں کے نام ہی لکھے گئے ہیں لیکن پنڈت جوالا سہائے صاحب نے تمام مشہور اور غیر مشہور آدمیوں کے نام درج کر دیئے ہیں اپنے اس بیان کی تصدیق و تائید کے لئے ہم سر سید احمد خاں صاحب وغیرہ کی تحریر کا حوالہ لکھتے ہیں وہ یہ ہے۔

> بعض مشرقی تاریخوں میں جو سلسلہ انساب کے اندر ناموں کی بہت کمی پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرقی مورخوں نے سلسلہ انساب کو شعروں سے اخذ کیا ہے اور شاعروں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنے اشعار میں انہیں لوگوں کا ذکر کرتے تھے جنہوں نے کسی بڑے کام کی وجہ سے شہرت پائی ہو غیر مشہور آدمیوں کے نام شعروں میں عام

روایتوں میں نہیں پائے جاتے تھے یہی سبب ہے کہ شرقی مورخوں نے جو سلسلۂ انساب قائم کیا ہے اس میں سے غیر مشہور کمیوں کے نام چھوٹ گئے ہیں (۱)

کتاب الخطبات الاحمدیہ صفحہ ۹۴۔

سر سید صاحب نے اس کتاب کے صفحہ ۲۰۴ میں ایک مفصل بحث نسب ناموں پر لکھی ہے (۱) لکھتے ہیں کہ:۔

ہمارے پیغمبر کے نسب نامہ میں بھی مورخوں کا بڑا اختلاف ہے جس کی چند وجہ ہیں اول یہ کہ عرب میں شجرۂ نسب زبانی یاد رکھتے تھے لیکن تمام پشتوں کا زبانی یاد رکھنا نا ممکن تھا دوم یہ کہ ایک ہی نام کے کئی کئی آدمی شجرہ میں ہونے سے مورخ دھوکے میں پڑ گئے سوم کہ مشہور آدمیوں کے نام مورخوں نے لکھے ہیں اور غیر مشہور کا نام چھوڑ دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

قاضی محمد سلیمان صاحب نے اپنی کتاب رحمت للعالمین میں حضرت آدمؑ سے رسول اللہﷺ تک اسّی پشتیں لکھی ہیں۔ ایک اور صاحب نے صرف باون ہی پشتیں درج کی ہیں سر سید صاحب نے حضرت ابراہیمؑ سے رسول اللہﷺ تک اکتھر پشتیں درج فرمائی ہیں غرض ہر ایک مورخ کے شجرہ میں اختلاف پایا جاتا ہے

بالکل یہی حال راجپوتوں کے اندر بھی رہا ہے ان کے قومی کبیشروں نے بھی زیادہ تر وہی نام اپنی روایتوں میں لکھے ہیں جو اپنے کاموں کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوئے ہیں اور باقیوں کے نام چھوڑ دیئے ہیں۔ نیز راجپوتوں میں بھی ایک نام کے کئی کئی آدمی گزرے ہیں۔

شجرہ نسب مولوی نجم الغنی والا

کرشن یا کنہیا اوتار۔ پردوامن۔ انرودھ۔ چترسین۔ اگر سین۔ دھرم سین

پچھہ پال برہم پال۔ چندر پال۔ سہن پال۔ بجے پال۔ تہن پال والئی تہن گڑھ علاقہ بیانہ بانند پال۔ اننت پال۔ اودہان پال۔ اسراج۔ لکھن پال۔ سانبر پال عرف بہادر ناہر خاں سورث اعلےٰ خانزادگان۔ بہادر خاں والئی میوات۔ فیروز خاں والئی میوات۔ راجہ جلال خاں والئی میوات۔ شہاب خان عرف صاحب خاں۔ فیروز خاں کمال خاں۔ منیر خاں۔ لال خاں شادی خاں بلوچ خاں۔ مرزا خاں۔ حاجی خان سبکتین خاں شجاعت خاں صاحب خاں۔ اکبر خاں۔

نور خاں - شرف الدین احمد مولف تاریخ ہذا - ڈاکٹر صدیق احمد - است خاں

پنڈت جوالا سہائے والا شجرہ

سری کرشن جی یا کنہیا اوتار - پردیومن - انرودھ - رودر - بجرناتھ - کیرت بھان - چترسین - روی سین - نرمل دیو - مترسین - لکھن راج - سنگھ راج - دہندر راج - بدیو - ساونت رائے - ودیارتن ساولف بھوپ - سروپ جیت - لشن جیت - اندرسین - ہیمام - دیوانند - دھیراجیت - سمل رائے - بھدر اسنگھ دھیر کنور - کمند بھوج - بمن جیت - کنجھ کرن - بھدرسین - ساونت رودی - دہن سنگھ - کشن بھان - جودھا - چترسین - بدھ بیر - ساونت - اے - چندسین - مہاسین - اکھے سین - بھیم سین - اگرسین - مہر ... لشن کیرت - بھیم سین - بہوری باہ - کشن باہ - اوگرراج - انوکل راج - لکشر بیر - کشن بدھ - سوشن بدھ - سنگرام جیت - جدرہتہ - ہیم انگدھ - اگنی جیت - کشن بدھ - اکھے ساہ

راج روپ - مدھ سین - بھدرسین - نند رائے - بیر سین - سنت پال - جگت پال - اجھل پال سنگرام پال کیرت پال - بھوج پال - بچھ پال اچھ پال - برہم پال - چندر پال - موہن پال - نبجے پال تہن پال والئی تہن گڑھ علاقہ بیانہ باندپال - اننگ پال - ماں پال انترج ہکھن پال سانپر پال یا بہادر ناہر خاں مورث اعلیٰ خانزادگان - بہادر خاں والئی میوات - فیروز خاں والئی میوات - راجہ جلال خاں والئی میوات صاحب خاں - فیروز خاں - کمال خاں - منیر خاں - لال خاں - شادی خاں - بلوچ خاں - مرزا خاں - حاجی خاں - بھیکن خاں - شجاعت خاں - مصاحب خاں - اکبر خاں - است خاں - نور خاں - شرف الدین احمد مولف تاریخ ہذا - ڈاکٹر صدیق احمد -

میوات سے باہر رہنے والے چند خانزادوں کے مختصر حالات

چونکہ ماہ مارچ ١٥٢٧ء میں بابر بادشاہ نے فتحپور سیکری کی لڑائی میں رانا سانگا کے مددگار راجہ حسن خاں والئی میوات کو شکست دیکر قتل کردیا تھا اور باقی خانزادے سرداروں کو بھی میوات سے جلاوطن کردیا تھا جس کی وجہ سے خانزادے لوگ صوبہ بہار - صوبہ - یو - پی اور راجپوتانہ کی مختلف ریاستوں میں جاکر آباد ہو گئے اور اپنی اعلیٰ لیاقت کی بدولت وہاں بڑی بڑی جاگیریں

اور اعلیٰ اعلیٰ عہدوں کے مالک بن گئے تھے چنانچہ آج تک وہاں پر ان لوگوں کی اولاد وجاہت عزت و آبرو کے
ساتھ رہتی ہے۔ جب بابر بادشاہ مر گیا تو نواب بیرم خاں وزیر نے انتظام اکبری سفارش سے جالون اور اکبر
کے عہد میں خانزادوں کو دوبارہ میوات میں واپس آنے کی اجازت مل گئی تھی۔ جس کی وجہ سے بہت
سے خانزادے میوات میں واپس آگئے۔ لیکن بہت سے خانزادوں نے اپنی مستقل بود و باش وہیں اختیار
کرلی۔ نیز مختلف اوقات میں بھی تجارت اور ملازمت کی غرض سے اپنے سابقہ بہار کے عہدوں کی وجہ
سے اکثر خانزادے میوات سے جاتے رہتے ہیں چنانچہ ضلع پٹنہ، سلطان پور، پرتاب گڑھ، سیتاپور
لکھنؤ، شیخ آباد، بریلی اور ریاست ہائے جے پور، جودھپور، گوالیار، کوٹہ، بوندی وغیرہ میں ایک
معقول تعداد خانزادوں کی آباد ہوگئی ہے۔ لیکن افسوس صوبہ بہار، صوبہ یو۔پی وغیرہ کے خانزادوں
نے کبھی اپنے تاریخی حالات لکھنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی۔ اسی وجہ سے زمانہ حال کے مورخ یہ لکھنے
پر مجبور ہوتے ہیں کہ چونکہ میوات سے باہر رہنے والے خانزادوں کے حالات انہیں معلوم نہ ہوسکے اس
لئے لکھنے سے مجبور ہیں۔

خدا بھلا کرے منشی خداداد خاں صاحب مرحوم شاہ آبادی حال متوطن شہر عظیم آباد عرف پٹنہ
کا جنہوں نے وہاں کے بعض لوگوں کے کچھ مختصر سے حالات اپنی تاریخ خانان میوات میں درج
فرمائے ہیں جن کو ہم یہاں پر درج کرتے ہیں۔

ناہر خاں متوطن موضع سرائی محلہ تجارہ حال آباد شہر پٹنہ

یہ شخص محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں شہر پٹنہ محلہ عالم گنج میں آکر مقیم ہوا اور اپنی لیاقت
اور کارگزاری کی بدولت جلد ہی شہر کا کوتوال مقرر ہوگیا اور پھر کچھ عرصے بعد افسران کی مہربانی سے
اس علاقہ کا صوبیدار مقرر ہوگیا۔ اور بادشاہ مذکور کی نمایاں خدمت بجا لایا۔

یہ شخص ہر طرح سے امیری ٹھاٹ مثل فیل و نشان و ماہی مراتب وغیرہ اپنے ساتھ رکھتا تھا
رفتہ رفتہ ایک سند تحریر شدہ ۲ ماہ ربیع الاول سنہ ۲۲ جلوس والا کو تعدادی تین لاکھ دام جاگیری
پرگنہ ملی پور سرکار حاجی پور صوبہ بہار میں سیف الدین ولد محمد خاں کے مقابل سے حاصل کی۔

تاریخ سیر المتاخرین سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب ہیبت جنگ ناظم عظیم آباد اور مظفر خاں افغان
سالا پہ مہابت جنگ صوبہ دار بنگالہ کی لڑائی کے وقت نواب ہیبت جنگ کے مددگاروں میں سے

ناہر خاں مذکور اور ذوالفقار خاں خانزادگان میوات نے نہایت جانفشانی سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے چنانچہ انہیں کارگزاریوں کی بدولت نشان وعلم ونقارہ و جاگیر وغیرہ حاصل کرتے رہے۔

ناہر خاں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا صلابت خاں اپنے باپ کا جانشین مقرر ہوا لیکن افسوس اس نے تھوڑے ہی عرصے بعد ۱۲۲۶ھ میں وفات پائی۔ اس کی تاریخ وفات یہ ہے سے

صلابت خاں گزشت از دار فانی ... شدش آخر چو عہد زندگانی

بیت ہوشش دو و بعدش شش دو دو ... خرد گفت از نظم تاریخ ایں گو

اس میں مادہ تاریخ تمام چوتھا مصرع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ایک ہزار لکھو پھر دو لکھو اس کے بعد چھ اور دو لکھو۔ جن کے ملانے سے ۱۲۲۶ کا عدد بنتا ہے یہی سال وفات ہے۔

ثابت خاں متوطن موضع خیر پور پرگنہ تجارہ

یہ شخص نواب شجاع الدولہ والئ لکھنؤ کے عہد میں بمقام فیض آباد دار دھولہ نواب مذکور نے اس کی جوانمردی اور بہادری ملاحظہ فرما کر اس کو سترہ سو سواروں کی رسالداری مع خلعت فاخرہ اور نواب ثابت خاں بہادر کا خطاب عطا فرما کر معزز وممتاز فرمایا۔ اس شخص نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں سخاوت اور بخشش کا دروازہ کھول دیا تھا جب اس سخاوت کا آوازہ میوات میں پہونچا تو بہت سے میوات کے رہنے والے لوگ لکھنؤ اور فیض آباد میں آنے شروع ہوئے اور ثابت خاں مذکور کے وسیلے سے کامیاب ہو ہو کر اپنی دل کی مرادیں پانے لگے۔

اس زمانہ میں صوبہ اودھ کے اندر بہت سے میواتی خانزادے آباد ہو گئے۔

اسی زمانہ میں میوات سے خانزادوں کا ایک رانا یعنی کبیشر بھی ثابت خاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے یہ دوہا پڑھا سے

ثابت خاں جادو بلی تیری کیرت لیں بڑلیس ... ناہر کو ظاہر کیا کر تی کری ہمیش

اس دوہے کو سن کر ثابت خاں نے خوش ہو کر ایک تازی گھوڑا۔ ایک خلعت اور چند اشرفیاں انعام دیکر رخصت کیا۔

افسوس جن خانزادوں کے ساتھ اس نے احسان کر کے ملازمت وغیرہ دلائی تھیں انہیں کم بخت اور نالائق خانزادوں نے اس کے ساتھ سخت بے وفائی اور بد دیانتی کی اور اپنی کم ظرفی کا

ثبوت دیا اپنے محسن کے ساتھ دغا کی جس کی وجہ سے یہ بہادر خود دار اور باحمیت شخص نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں اپنا گلا اپنے ہاتھ سے کاٹ کر خود کشی کرنے پر مجبور ہو گیا۔

اس کا مقبرہ شہر لکھنؤ محلہ ارادت نگر میں دریائے گومتی کے کنارے آج تک موجود ہے

(۳) خداداد خاں ابن حبیب خاں متوطن مروٹی پرگنہ سنجارہ

یہ شخص ناہر خاں مذکور کا برادر زادہ تھا جو کہ نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں پانچ سو سوار و فوج کا رسالدار مقرر ہوا اس کے بعد آب و دانہ کی کشش سے اس نے بمقام عظیم آباد محلہ عالم گنج میں آکر سکونت اختیار کی۔ اور چند روز بعد مہاراجہ رام نرائن صوبہ دار پٹنہ کی سرکار میں رسالداری کے عہدے پر ممتاز ہو گیا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد موضع حمید پور داخلی و موضع لونی پرگنہ بہرہ واڑہ سرکار ترہت میں جو کہ اس کی زمینداری کا گاؤں تھا شیخ غلام فرید عامل سرکار ترہت کی دشمنی کی بدولت اس نے جام شہادت نوش کیا۔

۱۱۸۱ھ میں مسمی صلابت خاں پسر ناہر خاں مذکور نے جو خداداد خاں کا چچازاد بھائی تھا، خداداد خاں کے لڑکے صاحب داد خاں کی طرف سے وکیل بن کر مہاراجہ شتاب رائے ناظم پٹنہ کی عدالت میں شیخ غلام فرید عامل مذکور کے برخلاف خون کا استغاثہ دائر کیا۔ مگر ناظم مذکور نے شیخ غلام فرید سے تین ہزار روپیہ صلابت خاں کو دلوا کر راضی نامہ کرا دیا۔ جس کی وجہ سے صلابت خاں نے اپنے دعوے سے دست برداری داخل کر دی

(۴) رحیم خاں و زور آور خاں و امیر خاں وغیرہ

رحیم خاں و زور آور خاں و امیر خاں اور دوسرے نمائندگان میوات عظیم آباد میں آکر مقیم ہوئے اور ملازمت اور گھوڑوں کی سوداگری سے اپنی بسر اوقات کرتے رہے اور اسی طرح ایک عرصے تک اپنا کاروبار خوش اسلوبی سے چلاتے رہے ان میں سے رحیم خاں مذکور زمانہ کی بے رحمی سے تنگ آکر تلاش معاش عظیم آباد سے شرقی اضلاع کی طرف چلا گیا۔ لیکن حسب مرضی اچھا عہدہ نہ ملنے کی وجہ سے وہاں سے شکستہ ہو کر عظیم آباد کو واپس آگیا۔

رحیم خاں کے دو بیٹے تھے بڑا بیٹا دلاور علی خاں تھا اور چھوٹا سمیع اللہ خاں تھا۔
ان کے علاوہ محمد رضا خاں و نور اور خاں و امام خاں یہ تینوں رحیم خاں مذکور کے داماد تھے اور
امیر خاں رحیم خاں کا سالا تھا۔ جس کا مولد مرشدآباد اور مسکن عظیم آباد تھا۔

رحیم خاں مذکور کو اضلاع شرقی سے پٹنہ میں واپس آئے ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ کہ مسمی سردار خاں خانزادہ بعہدہ نظارت محکمہ افیون اضلاع پٹنہ و بہار و سارن ممتاز ہو کر عظیم آباد میں آیا۔ چونکہ رحیم خاں کی دوستی سردار خاں مذکور سے اضلاع شرقی کی سکونت کے ایام میں ہو گئی تھی اس لئے سردار خاں کے توسل سے پہلے تو رحیم خاں مذکور محکمہ افیون کے پیادے سپاہیوں کا جمعدار بن گیا اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا دلاور علی خاں مقام دیولی ضلع شاہ آباد میں داروغہ پرمٹ مقرر ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ نور اور خاں و امیر خاں وغیرہ بھی علی قدر مراتب سب کے سب محکمہ پرمٹ میں ملازم ہو گئے۔ پھر تو ضلع شاہ آباد سے ضلع راج محل تک ان لوگوں کی وہ ہوا بندھی کہ کیا مجال جو کوئی مغرب یا مشرق کیطرف جانے والی کشتی ان لوگوں کو بغیر اپنی تلاشی دیے ہوئے بچ کر نکل جائے۔ غرض ان لوگوں کے خوف سے اہل کشتی کچھ نہ کچھ نذرانہ دے دلا کر اپنا پیچھا چھڑانے لگے اس ذریعے سے ان لوگوں کو بڑی معقول آمدنی ہونے لگی۔ اس محکمہ میں علاوہ خانزادوں کے جو دوسرے لوگ ہندو اور مسلمان ملازم تھے انہوں نے بھی ایسی ہی دست درازی شروع کر دی لیکن یہ لوٹ مار کب تک جاری رہ سکتی تھی۔ آخر ایک شخص نے اس معاملہ کی شکایت صدر عالیہ کلکتہ میں بھیجدی۔ جسکا خلاصہ مضمون یہ تھا کہ اہالیان محکمہ پرمٹ آنے جانے والی کشتیوں کو روک کر ناجائز طور پر افیون رکھنے کی تہمت لگا کر ان سے بہت کچھ رشوت حاصل کرتے ہیں اور ناجائز طور پر اپنے گھروں میں بھی افیون رکھتے ہیں۔ اس درخواست پر کلکتہ سے حکام عظیم آباد کے پاس سخت تاکیدی حکم نامہ آیا چنانچہ تمام پرمٹ والوں کی خانہ تلاشیاں لی گئیں رحیم خاں کو سب سے زیادہ شک و شبہ تھا لیکن تو خدا خدا کر کے ہر ناگہانی تہمت سے بری ہو گیا البتہ گوبند سنگھ وغیرہ دوسرے ہندو اور مسلمان لوگ ماخوذ ہو کر قید خانہ بھیجے گئے۔ اور رحیم خاں بدستور سابق اپنے عہدہ پر بحال ہو کر کام کرنے لگا۔ لیکن اس کے بعد بھی تراب خاں وغیرہ مخبروں کے بہکانے اور مخبری کرنے سے ان کے مکانات کی بار بار تلاشیاں ہونے لگیں۔ اس وجہ سے رحیم خاں وغیرہ نے اس ملازمت سے تنگ آکر استعفا دیدیا کچھ دن گھر پر بیکار رہے اس کے بعد اضلاع ترہت میں مواضعات کے ٹھیکوں اور جتوں سے آرام و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے اور سمیع اللہ خاں پسر رحیم خاں انہیں ایام میں ضلع ترہت کے اندر داروغہ فوجداری مقرر

ہوگیا۔ اس کے بعد ۱۲۳۲ھ میں باہم مصالحت و مشورہ سے حبیب اللہ صاحب کی مخزن ساکن ... نے حشمت
داد خاں اور ... ساکن محلہ ناظر گنج شہر پٹنہ کی شراکت میں رحیم خاں اور ... کے دونو بیٹوں نے
تجارت چرم شروع کردی۔ کیونکہ ذات سے مال خرید کر جہاں خانزادہ حکیم شیر علی کی آڑھت میں ... فروخت کرتے تھے جب
مرگیا تو خاں جہاں ... سے میدان خالی پاکر پٹنے تشریف لائے ایک مکان کرایہ پر لیکر ۱۲۴۰ھ میں اپنی خاص آڑھت
کھولی اور پھر بتدریج ترقی پاکر لب سڑک متصل مسجد شیخ غلام علی ٹولہ ... بہت روپیہ شراکت میں لگا کر ۱۲۶۰ھ
میں ایک کوٹھی ... بڑی شان و شوکت کی تعمیر کرائی۔ پھر تو یہ تجارت بڑھتے بڑھتے اس عروج کو
پہونچی کہ شہر کلکتہ و اضلاع پٹنہ و بہار گلپور ... آڑھت و ساہوکاری اور کچھ ... بھی ...
ان کا کاروبار جاری ہوگیا۔ اور یہ لوگ رفتہ رفتہ شہر پٹنہ میں ملک التجار و صاحب اقتدار اور نامی
گرامی سوداگر مشہور ہوگئے۔ اور عرصہ دراز تک فارغ البالی اور نیک نامی کے ساتھ زندگی بسر
کرتے رہے لیکن نیرنگیٔ چرخ کج رفتار اور گردش روزِ ناہنجار سے کارخانۂ دنیا محض بے ثبات ہے
یہ دم بھر میں حالت دگرگوں کردیتی ہے بقول شخصے ؎

اے یاس انقلاب زمانہ کی کچھ نہ پوچھ — کردیتا ہے یہ خاک گھڑی بھر میں کاخ کو

غرض سب سے پہلے رحیم خاں و ولاور علی خاں دونوں باپ بیٹے یکے بعد دیگرے اس دنیا سے
چل بسے اس وجہ سے ان کے حصے کا کل سامان تجارت ان کے وارثوں نے باہم تقسیم کرلیا مگر کاروبار
زوراور خاں و امیر خاں و حشمت داد خاں کا بدستور سابق شراکت میں جاری رہا اس کے کچھ عرصے
بعد زوراور خاں بھی مرگیا۔ اور امیر خاں و حشمت داد خاں پر سرکار کی طرف سے مقدمات بغاوت
قائم ہوگئے اور تمام کارخانہ درہم برہم ہوگیا۔

(۴) جہان خاں سوداگر چرم

یہ شخص حشمت داد خاں و امیر خاں وغیرہ کے عروج کے زمانہ سے پہلے نہایت نامی، فیاض اور ملک التجار مشہور تھا
اس کی آڑھت چرم شہر کلکتہ کے تمام گرد و نواح کے اضلاع میں جاری تھی۔ اور اس کا یہ کام نہایت
رونق پر چل رہا تھا چنانچہ شروع میں تو امیر خاں و حشمت داد خاں وغیرہ بھی اسی جہان خاں کی
آڑھت میں کام کرتے اور دلالی کرتے رہے جب ۳۰ نومبر ۱۸۴۳ء کو جہان خاں نے اس جہان
فانی سے کوچ کیا۔ تو اس کا بیٹا امام علی خاں باپ کی جگہ کاروبار تجارت کرنے لگا۔ لیکن یہ
نوجوان اور ناتجربہ کار تھا۔ اس وجہ سے کاروبار کی طرف سے اس نے بے پروائی اختیار کرکے
عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ جس سے آڑھت کے کام میں بہت حرج واقع ہوگیا اس حالت

کو دیکھ کر حشمت داد خاں و امیر خاں نے میدان خالی پاکر کلکتہ میں خود اپنی آڑھت قائم کرلی اور کوٹھی اور گودام وغیرہ تعمیر کرا لئے۔

(۷) حشمت داد خاں بن نجف خاں متوطن قصبہ اندور پرگنہ تجارہ

یہ شخص راجہ جلال خاں والیٔ میوات کی اولاد میں سے تھا شروع میں اس نے ۱۲۵۰ھ میں حبیب اللہ خانزادہ ساکن محلہ سلطان گنج شہر پٹنہ کی شراکت میں تجارت چرم شروع کی اور مال خرید کر جہان خاں خانزادہ مقیم کلکتہ کی آڑھت میں بھیجتا رہا انہیں ایام میں اس نے جہان خاں کے ساتھ مل کر اور کافی روپیہ لگا کر محلہ عالم گنج شہر پٹنہ میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرادی۔ جو آج تک مسجد حشمت داد خاں کے نام سے موسوم ہے

جب ۱۸۴۲ء میں جہان خاں مذکور مر گیا اور اس کے بیٹے امام علی خاں نے اپنی ناتجربہ کاری سے اپنا کاروبار آڑھت برباد کرلیا تو میدان خالی پاکر حشمت داد خاں اور امیر خاں نے کلکتہ میں خود اپنی آڑھت چرم قائم کرلی اور پہلے تو ۱۲۶۰ھ میں ایک گودام کرایہ پر لیکر کام چلایا۔ لیکن اس کے بعد اپنا گودام کا مکان اور رہنے کے لئے ایک سہ منزلہ خوبصورت کوٹھی لب سڑک محلہ کولھو ٹولہ میں کثیر رقم خرچ کرکے ۱۲۶۷ھ میں تعمیر کرائی پھر تو کلکتہ کے گرد و نواح کے اضلاع میں یہ لوگ ملک التجار اور نامی گرامی سوداگر مشہور ہوگئے ایک عرصے تک فارغ البالی اور نیک نامی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے

جب ۱۲۷۰ھ میں حشمت داد خاں حج کرنے کے لئے گیا اور حج کرکے ۱۲۷۱ھ میں واپس آیا۔ تو اس نے اپنا ایک علیحدہ بھی کاروبار جاری کردیا اور ۱۲۷۸ھ میں کلکتہ سے عظیم آباد تک گرد و نواح کے اضلاع میں چمڑے کے گودامات سستے نرخ پر قائم کردئے اور کلکتہ میں بھی اپنی ایک علیحدہ آڑھت قائم کرکے کارخانہ جاری کردیا۔ اور امیر خاں و زور آور خاں کے ساتھ بھی شراکت بدستور قائم رکھی لیکن ۱۲۸۱ھ میں زور آور خاں کا انتقال ہوگیا اور امیر خاں و حشمت داد خاں کے برخلاف سرکار انگریزی کو انکی بغاوت کا اور مقام ستھانہ کے وہابیوں کی تائید و موافقت کرنے کا شبہ پیدا ہوگیا۔ چنانچہ ۱۰ر جولائی ۱۸۶۵ء کو بمقام کلکتہ محلہ کولھو ٹولہ میں کپتان برچ صاحب و ریلی صاحب نے دونوں کو ایک دوسرے کے بعد گرفتار

کر کے امیر خاں کو تو کلی پوسٹ کے جیل خانہ میں رکھا اور حشمت داد خاں کو پٹنہ کے جیل خانہ میں بھیجا اور لالہ ایشری پرشاد اسپکٹر پولیس کو اس مقدمہ کی پیروی کے لئے مقرر کیا۔

یہ مقدمہ ایک بڑا مشہور مقدمہ تھا جس کے حالات روزانہ انگریزی اور اردو اخبار میں بھی شائع ہوکر تمام ہندوستان میں جانے رہتے تھے۔

اس مقدمہ میں حشمت داد خاں کے لئے ۱۴ جولائی ۱۸۷۰ء کو پرنسپ صاحب شسن جج پٹنہ نے رہائی کا حکم سنا دیا۔ اور امیر خاں کے لئے ۱۷ جولائی ۱۸۷۱ء کو حبس دوام بعبور دریائے شور کا حکم دیا گیا۔ حشمت داد خاں نے بعد رہائی پھر اپنا سابقہ کاروبار جاری کر دیا۔ لیکن چند سال بعد ہی ۱۵ جمادی الاول ۱۲۹۰ھ کو اس جہان فانی سے آخرت کا سفر اختیار کیا۔

اس کی تاریخ وفات یہ ہے ؎

شکر آں منعمے کہ او بعباد | نور ایماں بداد حشمت داد
پس از آں وقت آخری چو رسید | بے ہمہ شہد و جاں شیریں داد
یک ہزار و دو صد نود بہ جہاں | سال تاریخ آں بہشت آباد

اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد ہی اس کا لڑکا عبداللہ خاں بھی بتاریخ ۲ شوال ۱۲۹۵ھ کو مر گیا۔ اس کی تاریخ وفات کا مادہ یغفرہٗ ہے جس کے اعداد ۱۲۹۵ ہوتے ہیں۔

امیر خاں مذکور کے وارثوں نے اس کی رہائی کے واسطے ہر چند کوشش و جاں فشانی کی چند درخواستیں بھی بہت سے امراء اور رئیسانِ دیارِ ہند کی شہادتوں اور سفارشوں کے ساتھ گورنر جنرل کی خدمت میں بامید عفو تقصیر گزرانی گئیں۔ لیکن سب نامنظور ہو گئیں۔ اس حادثۂ جانگاہ کی وجہ سے تمام تجارت کے کارخانے درہم برہم ہو گئے اور تمام خویش و اقرباء اور یار دوست جو اس کارخانہ کی بدولت خوش حال و فارغ البال تھے۔ سب بیکار و مفلس ہو گئے۔ لیکن دس سال کے بعد سرکار نے ازراہ رحم دلی و منصف مزاجی خود بخود امیر خاں مذکور کا قصور بہ سبب اس کی ضعیفی اور کبر سنی کے معاف کر کے قید سے رہائی بخش دی امیر خاں نے رہائی پاکر پھر کلکتہ میں اپنا سابقہ کاروبار تجارت جاری کردیا لیکن کام شروع کیا ہی تھا کہ ناگہانی قضا نے آن پکڑا۔ آخر چند ماہ بعد ہی دنیا کی قید خانہ سے رہا ہو کر عالم جاودانی کی طرف سفر اختیار کیا۔ اس کی تاریخ وفات جو مولوی واحد علی صاحب لکھنوی نے لکھی ہے وہ حسب ذیل ہے ؎

والی بنگلہ جہاں پیش آمد اعرنا گر بہر | گرچہ بہ اں در شہر بار رنگ بہ رو بحوال

ذیقعد۔ چوں شنبہ شد۔ ہم سیزدہ تاریخ او ۔۔ ایں واقعہ ایں حادثہ گردید واقعہ ناگہاں
یعنی امیر نامور۔ سید الٰہی نام او ۔۔ گر ضم کنی لفظ امیر اے مہرباں با لفظ خاں
بعد از ادای نماز بگرفت نزد مسجدے ۔۔ ہمراہ زاں مکاں ہنگام مغرب شد رواں
طے راہ مسجد سے شود۔ آہستہ آں عالی حشش ۔۔ در شاہرہ از اتفاق آمد یکے گردوں دواں
عزیبے چو بر سر شاں رسید، فتاد بر روئے زمیں ۔۔ برپا شد از ہر چار سو ہنگامۂ شور و فغاں
خویش و علازم نیز بہ صدا ہر سو شتاباں آمدند ۔۔ دیدند حالش ایں چنیں بردند باز اندر مکاں
تا نیم ساعت در غشی ماندند بے ہوش و حواس ۔۔ ہم دیدہ مے شد دمبدم خوں است از بینی رواں
ناگہ رسید آں وقت کو انساں مجبور است ازو ۔۔ ناچار رخت عمر شاں بربست شد سوئے جناں
کس گفت از احد بگو۔ تاریخ سال عیسوی ۔۔ تا یاد ماند بعد ازیں تاریخ سال فوت شاں
واحد بگفتا روح او۔ رفتہ سوئے خلد بریں ۔۔ زاں بعد شد از جان و دل مصروف در تحریر آں

١٨٧٨ ع

واوند چوں غسل و کفن بردند اندر مسجدش ۔۔ خواندہ نماز میتش خلق خدائے دو جہاں
خویش و عزیزاں ہم چناں در پٹنہ بردن خواستند ۔۔ تا آنکہ آخر نعش شاں بر ریل گردیدہ رواں
واحسرتا چوں ریل ہم اسٹیشن پٹنہ رسید ۔۔ پھر گرفتہ آمدند زاں نعش ہر پیر و جواں
ہمراہ نعش آں جا شدہ، مجمع ز خویش و اقربا ۔۔ زاں جا نہادہ بر پلنگ آوردہ اندر بوستاں
کردند ادا بار دگر ایں جا نماز نعش را ۔۔ پس دفن اندر بوستاں کردند با آہ و فغاں
تاریخ ہجری واحد از کرد و بیاں بر سید چوں ۔۔ گفتا بادہ رضواں جناں جنت مقامش شد بداں

١٢٩٥ ہجری

اس جگہ مادۂ تاریخ (جنت مقامش شد بداں) ہے جس کے ١٢٩٥ عدد ہوتے ہیں۔ یہی تاریخ وفات ہے اور سال عیسوی کا مادہ (روح او رفتہ سوئے خلد بریں) ہے جس کے عدد ١٨٧٨ ہوتے ہیں یہی عیسوی تاریخ وفات ہے (نوٹ: گردوں دواں سے مطلب گھوڑا گاڑی ہے۔

افسوس حشمت داد خاں اور امیر خاں کے وہ گھر تھے جن کی بدولت میوات کے علاوہ پٹنہ اور کلکتہ کے ہزاروں پریشان روزگار اشخاص پرورش پاتے تھے اور جو قسمت کے مارے ان کے ہاں آتے تھے۔ وہ ان کی فیاضی اور سخاوت کی بدولت آرام و آسائش سے زندگی گزارتے رہتے تھے۔

۸ - جیون خاں شاہ آبادی

جیون خاں بن عبداللہ خاں بن اعتقاد خاں بن سردار خاں بن لشکر خاں بن فیروز خاں نے گردش زمانہ سے تنگ آکر اپنا وطن مالوف چھوڑ کر بمقام عظیم آباد محلہ عالم گنج صوبہ بہار میں جاکر ناصر خاں خانزادہ متوطن سردلی پرگنہ تجارا کے مکان پر جس کا ذکر پہلے آچکا ہے جا کر بود و باش اختیار کی۔ ناصر خاں مذکور نے اپنی بھتیجی جیون خاں کو بیاہ دی۔ جیون خاں کے بیٹے مرتضیٰ خاں کلکتہ کالج میں عربی فارسی پڑھانے کے استاد تھے اور عباس علی خاں پسر مرتضیٰ خاں ہائیکورٹ کلکتہ میں وکیل تھے چالیس سال تک برابر وکالت کرتے رہے اور کلکتہ میں ہی اپنے مکانات اور باغات وغیرہ بنا کر مستقل سکونت اختیار کر لی۔ جب سرکاری دفتر انگریزی میں ہو گیا تو اس وجہ سے عباس علی خاں نے وکالت کا کام انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے ترک کر دیا۔ لیکن کیمبل صاحب لفٹننٹ گورنر بنگالہ نے ازراہ قدر دانی دیرینہ ورسی ماہ نومبر ۱۸۷۲ء میں ان کو سب رجسٹراری کا عہدہ دیکر مقام جہان آباد ضلع گیا میں مقرر فرمایا چنانچہ وہ وہیں یکم محرم سنہ ۱۳۰۰ھ میں فوت ہو گئے۔

ان کی تاریخ وفات یہ ہے ؎

وائے عباس علی مرد نکو — رفت از دنیا بفردوس جناں

بہر تاریخ وفاتش گفت دل — بے الف آور مکرر لفظ خاں

یعنی خاں کے لفظ کو بغیر الف کے دو دفعہ لاؤ۔ جن کے اعداد ۱۳۰۰ ہوتے ہیں یہی سال وفات ہے عباس علی خاں کا بیٹا احسان علی خاں تھا جو سب رجسٹراری کے عہدہ پر بمقام روسڑہ ضلع دربھنگہ مقیم رہا۔ وہ بھی ۲۰ شعبان سنہ ۱۳۱۰ھ کو وفات پا گیا۔ اس کا نانا مولوی عبدالرحیم خاں صفی پوری مصنف کتاب منتہی الارب فی لغات العرب مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ تھا اور اس کا ماموں مولوی محمد خاں بمقام میمن گنج صوبہ بنگالہ ڈپٹی مجسٹریٹ رہا۔ اور اس کا چھوٹا بھائی سبحان علی خاں بمقام نوابادہ ضلع گیا میں سب انسپکٹر رہا اور اس کا ہمشیرزادہ منشی اسمعیل خاں ولد محمد خاں جو کہ فن شعر گوئی میں اچھا کمال رکھتا تھا اور تخلص حکمت تھا۔ شہر پٹنہ میں فوجداری عدالت میں مختار رہا اور اس کا نواسا حمید الدین خاں جو کہ اسمعیل خاں کا برادرزادہ تھا۔ شہر پٹنہ تھانہ چوک کلاں میں سب انسپکٹر پولس رہا تھا اور اس کا بھائی مولوی فتح نصیب خاں پدر مؤلف تاریخ خاندان میوات متوطن عظیم آباد سنہ ۱۲۸۳ء میں بعہدہ اظہار نویسی عدالت محکمہ صدر امینی شہر پٹنہ مامور ہو کر نیک نامی کے ساتھ ایک عرصے تک سرکاری خدمات انجام دیتا رہا پھر اس سے استعفا دیکر حشمت داد خاں زمیندار کی شراکت میں تجارت چرم شروع کر دی اور ۵ شعبان سنہ ۱۲۸۳ء

کو وفات پا گیا۔

(۵) عبدالقدیر خاں صاحب متوطن شہر پٹنہ

عبدالقدیر خاں صاحب بمقام شہر پٹنہ مورخہ ۱۳ر جون ۱۸۸۵ء مطابق ۱۴ر رمضان ۱۳۰۲ھ
پرونہ تھے بڑے ناز و نعمت کے زمانہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد امیر خاں صاحب بھی بہت مشہور اور
متمول سوداگروں میں شمار ہوتے تھے جنہوں نے اپنے لخت جگر عبدالقدیر خاں کو پانچ سال کی عمر
میں تعلیم کے لئے بٹھایا۔ اور ایک ہوشیار اور ستودہ صفات اتالیق کے سپرد کیا گیا جس نے وہی
سابقہ دستور کے موافق عربی و فارسی وغیرہ مروجہ زبانوں کی معقول تعلیم دی ابھی آپ کی عمر دس سال
کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپکے جد امجد حشمت داد خاں صاحب اپنے اہل خاندان کو داغ مفارقت دے گئے اور اس حادثہ
جانکاہ کو صرف دس ماہ ہی گذرے تھے کہ آپ کے والد کا سایہ بھی آپکے سر سے اٹھ گیا اور اب آپ بالکل بے یار و مددگار رہ گئے
صرف آپکی والدہ ماجدہ ہی آپکی سرپرست رہ گئیں لیکن وہ عورت ذات اور پردہ کی بیٹھنے والی تھیں اس لئے انکی معاونت اور
دستگیری میں کماحقہ مدد و معاون نہیں ہو سکی تھیں غرض ان پے در پے صدمات سے آپ ہر قسم کی مالی اور اخلاقی مدد سے یک لخت
محروم رہ گئے اگرچہ آپ کے پھوپھا اور پھوپھی صاحبہ ان کے پاس پٹنہ ہی میں موجود تھیں اور اپنے بھتیجے کی دستگیری انکا خاص
اخلاقی فرض تھا لیکن یہ بھی آپ کی اس قابل رحم حالت پر بجائے محسن ثابت ہونیکے دشمن جان و مال ثابت ہوئے سے

بدبختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے ۔۔ کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انساں سے

آپ کے پھوپھا صاحب نے آپ پر ایک جھوٹا مقدمہ قائم کرا دیا جس میں تمام اثاث البیت فروخت ہو کر تنگدستی اور فاقہ مستی کی
نوبت پہونچ گئی۔ سے

مہرباں تجھ کو سمجھتے تھے ستمگر نکلا ۔۔ موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا

اسی اثنا میں آپکی والدہ ماجدہ نے غضب یہ کیا کہ اسی پریشانی کے عالم میں آپکی شادی خانہ آبادی کر دی۔ یک نشد دو شد
پہلے تو صرف اپنے ہی پیٹ پالنے کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ لیکن اب ایک اور ہستی گلے کا ہار بن
گئی اس کی ناز پروردہ حالت کو دیکھکر انہیں سخت شرم اور غیرت آئی۔ جس سے دفعتہً ان کے خیالات
نے پلٹا کھایا۔ آخر ہمت کی کمر باندھی۔ اور ادھر ادھر سے تین سو روپیہ قرض لیکر وہی اپنا آبائی
پیشہ یعنی تجارت چرم شروع کر دی اگرچہ تین سال تک کوئی منافع کی شکل نظر نہیں آئی۔ لیکن پھر
بھی آپ نے ہمت نہ ہاری۔ اور اپنا کام شوق اور تندہی سے کرتے رہے۔

اب اسے یا تو عادۂ تقدیر کہو یا معصوم اور ناز پروردہ بیوی کی خوش قسمتی سمجھو کہ اس کے کچھ

عرصے بعد ہی تجارت میں روز افزوں ترقی ہونے لگی اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ لاکھوں روپیوں کی تجارت کی بدولت حاصل کیے۔ مدتوں تجارت کا یہی سلسلہ جاری رہا اور کامیابی کے ساتھ تجارت چلتی رہی۔ لیکن انقلاب زمانہ سے کچھ عرصے بعد ایسی صورتیں پیدا ہو گئیں جسکی وجہ سے تجارت مذکورہ میں نقصان ہونے لگا دشمنوں نے بھی سررشتہ اندازی کی جس سے کچھ عرصے بعد اس کو مجبوراً بند کرنا پڑا۔

چونکہ آپ کے پاس ایک معقول زر خرید ہے اور ایک معقول رقم بنک میں جمع کی ہوئی ہے ان دو ذریعوں سے کافی آمدنی ہو جاتی ہے جس سے فارغ البالی کے ساتھ اپنی زندگی بسر فرما رہے ہیں پہلی بیوی کے انتقال ہو جانے کے بعد دوسری شادی قاضی سید عبدالرحمن صاحب عبدالحق متوطن ریاست چرکھاری واقعہ بندیل کھنڈ کی دختر نیک اختر سے ہوئی ہے جن کے والد قاضی عبدالمجید صاحب ریاست مذکور میں تعظیمی سردار تھے۔

موجودہ بیوی کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے جو زیر تعلیم ہیں۔ پہلی بیوی کی ایک لڑکی تھی کی شادی محمود حسن خاں صاحب رئیس اٹاوہ کے صاحبزادے عابد حسن خاں صاحب سے ہوئی تھی۔ لیکن وہ لڑکی انتقال کر گئی۔

اگرچہ آپ کے آبا و اجداد کو میوات سے گئے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن آپ کو ابھی تک میوات اور اہل میوات سے بہت محبت ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے ماہ اگست ۱۹۳۵ء میں ایک طویل سفر طے فرما کر میوات کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف و ممتاز فرمایا۔ اور یہاں کے خانصاحبان کے دلوں پر اپنے اخلاق کریمانہ کی یاد چھوڑ گئے۔

۱۰۔ محمود حسن خاں صاحب متوطن شہر اٹاوہ

آپ کے بزرگوں نے میوات سے اٹاوہ میں آکر بود و باش اختیار کی۔ خدا کے فضل اور اپنی قوت بازو سے اس وقت آپ رؤسائے شہر میں شمار ہوتے ہیں آپ نے سرکاری عمارات وغیرہ بنوانے کے کام کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے اسی وجہ سے شہر میں عموماً آپ ٹھیکہ دار کے نام سے مشہور ہیں شہر کے اندر آپ کی ملکیت میں متعدد دکانات اور مکانات ہیں جن سے معقول کرایہ آتا ہے آپ کی ملکیت میں قلمی آموں کے دو باغ بھی ہیں جو نہایت عمدہ حالت میں ہیں جن کو راقم الحروف نے بھی ماہ اپریل ۱۹۳۵ء میں دیکھا تھا آپ کی چار موٹریں بھی کرایہ پر چلتی ہیں۔ جن پر ملازم رکھے ہوئے

ہیں۔ جن سے معقول آمدنی ہوتی ہے آپ کے صاحبزادے عابد حسن خاں صاحب شہر کی میونسپل کمیٹی کے وائس چیرمین ہیں۔

ٹھیکہ دار صاحب بڑے خوش اخلاق اور ملنسار آدمی ہیں۔ اور نماز روزہ وغیرہ دینی کاموں کے سخت پابند ہیں۔

۱۱۔ خانصاحب مولوی غلام محی الدین خاں صاحب شہر اٹاوہ

چونکہ ہم کو خانصاحب موصوف کے خاندانی حالات سے کچھ واقفیت نہیں ہے اور باوجود ہماری مسروض کے بھی آپ نے اپنے حالات عنایت نہیں فرمائے۔ جس کا سبب ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے اس لئے ہمیں اس عدم واقفیت کا سخت افسوس ہے۔

سنا جاتا ہے آپ کے بزرگ قدیم زمانہ میں سیوان سے چل کر پہلے شہر لکھنؤ میں بسلسلہ ملازمت آباد ہوئے۔ لیکن ملازمت کو ایک غیر مستقل چیز سمجھکر کچھ عرصے بعد وہاں سے شہر اٹاوہ میں آکر بود و باش اختیار کرلی اور اب یہاں پر مستقل سکونت ہے آپ کے والد صاحب طبابت کا کام کرتے تھے اور اپنے اس فن میں حکیم حاذق مشہور تھے لیکن مولوی غلام محی الدین خاں صاحب نے اپنے آبائی پیشہ طبابت کے برخلاف ایک عرصے سے آزادی کی زندگی کو پسند فرماتے ہوئے شہر اٹاوہ سے ایک ہفتہ وار اخبار مولس نامی جاری کیا ہوا ہے اس اخبار کی پالیسی ملک و قوم کی بہتری و بہبودی کے علاوہ گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی و وفاداری خاص طور پر ہے جس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ شاہنشاہ معظم کی سلور جوبلی کے موقع پر از راہ قدر دانی گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو خان صاحب کا معزز خطاب عطا کیا گیا ہے جس کے آپ ہر طرح سے مستحق تھے خدا کرے یہ خطاب آپ کے لئے آئندہ ترقی درجات کا موجب ثابت ہو۔

افسوس آپ کے کوئی اولاد نرینہ اب تک نہیں ہے لیکن خدا کی ذات سے ناامید نہیں ہونا چاہئے

شعر

اسے فضل کرتے نہیں لگتی بار

نہ ہو اس سے مایوس امیدوار

فقط

تقاریظ و تاریخی قطعات

مرسلہ شعرائے خوش بیان و ادبائے فصیح البیان بہ تکمیل تاریخ مخرمہ میوات

ہر قسم کی تصانیف کے لئے تقریظ یا ریویو حاصل کرنا ایک عام دستور بن گیا ہے۔ اور بہترین تصنیف صرف اس لئے بھی مانی جا سکتی ہے جس پر چند او یبوں کی رائے حاصل کی گئی ہو حالانکہ یہ کل مصنف کے لئے ایک قسم کا دبنا ہوتا ہے کہ اس کے باکمال ہونے کا دارومدار صرف دوسروں کی آراء پر منحصر ہے چونکہ ہر شخص کا معیار مختلف ہوتا ہے جس کے مطابق وہ نقد و تبصرہ کر سکتا ہے۔ اس لئے بہت ممکن ہے ان مختلف معیاروں کے زیر اثر بعض بہترین تصانیف بھی اچھی رائیں حاصل نہ کر سکیں ظاہر ہے کہ بعض مبصر کا نقطۂ نظر مذہبی ہوتا ہے بعض کا دنیاوی اکثر قیاسانہ اور تعصبانہ انداز سے تبصرہ کرتے ہیں اور بعض قومی اور ملکی محبت کے جوش سے ملاحظہ فرماتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ آپ دیکھ پاتے ہیں جو مختلف تقاریظ تاریخ ہذا میں درج ہیں ان کے اندر بھی ایسی جھلک صاف نظر آ رہی ہے لہذا ہماری رائے میں بہترین تصنیف صرف وہی ہو سکتی ہے جس کو کسی سہارے کی اور بیرونی تعریف و توصیف کی مطلق ضرورت نہ ہو اور آفتاب آمد دلیل آفتاب کی مصداق ہو۔

اگرچہ ہم اپنے اس اصول کے مطابق تقاریظ کا اندراج کچھ ضروری اور لازمی نہیں سمجھتے ہیں لیکن ہمارے جن مہربان دوستوں نے تاریخ ہذا کا مطالعہ کرنے کے بعد از راہ خوش نودی و قدردانی اپنے مصلحانہ جذبات کے زیر اثر اسی پرانے طریقہ پر عمل فرماتے ہوئے تقریظات یا قطعات روانہ فرما کر ہمیں زیر بار احسان فرمایا ہے لہذا ان کے محبت بھرے جذبات کی قدر کرتے ہوئے بصد شکریہ انہیں درج کیا جاتا ہے تاکہ احسان فراموشی کا دھبہ ہم پر نہ لگنے پائے اور ہم اپنے اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔ (مؤلف)

رائے عالی از نتیجہ فکر عالی جناب فاضل ادیب

مسٹر محمد مجیب صاحب بی اے آکسن پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

جامعہ ملیہ دہلی

۵ر جنوری سنہ۳۵ء

محترمی ماسٹر صاحب

اسلام علیکم حسب الارشاد میں نے آپ کی تصنیف کا مطالعہ بغور کیا آپ نے واقعی اپنی قومی تاریخ موسوم بہ مرقع میوات کی تیاری پر بہت محنت کی ہے اور بیشتر ماخذوں سے استفادہ حاصل کر کے اس کو مستند اور معتبر بنایا ہے لہذا ناظرین کے لئے خانزادہ قوم کی یہ ایک بہترین تصنیف سمجھنی چاہیے۔ لیکن راجپوتوں کے حسب ونسب کے مسائل پر جو بحث کی گئی ہے اور کتاب میں اسے جو اہمیت دی گئی ہے میرے خیال میں اسلامی نقطہ نظر سے اس کی چنداں ضرورت نہ تھی آپ کی کتاب آج ہی بذریعہ رجسٹری روانہ کر دی ہے غالباً جلد ہی مل جائے گی امید ہے آپ بخیر ہونگے

والسلام فقط (احقر مجیب)

تقریظ و تاریخ عالم بےمثال شاعر شیریں مقال

ادیب نازک خیال فاضل و اکمل جناب خانصاحب رفیق محمد خاں رفیق متوطن قائم گنج

یو۔پی۔ تلمیذ حضرت نوح ناروی

(۱) تقریظ دوام مقبول	۲- تاریخ مجمل
۱۹۳۱- عیسوی	۱۳۴۴- ہجری

حامداً و مصلیاً و مسلماً

میرے محترم مکرم فرما جناب مولوی شرف الدین احمد خاں صاحب مسلم یادور راجپوت (خانزادہ) ہیڈماسٹر ریٹائرڈ متوطن موضع سانتھا واڑی تحصیل فیروزپور جھرکا ضلع گوڑگانوہ نے تاریخ مسلم قوم یادو راجپوت (خانزادہ) مرتب فرما کر اپنی قوم اور ملک پر بڑا احسان فرمایا ہے قوم خانزادہ اس کتاب کی جسقدر قدر کرے اور مولوی صاحب ممدوح کو ان کی محنت شاقہ دماغ کاہی و دماغ سوزی کی داد دے وہ کم ہے کیونکہ انہوں نے تمام ضروریات علائق دنیوی کو ترک کرکے انہماک کے ساتھ ایک شاندار اور قومی خدمت اور ایثار و ہمدردی کا ثبوت دیا ہے جو قابل تحسین و صد آفرین ہے تاریخ ہذا میری نظر سے گزری میں نے شروع سے آخر تک اس کا مطالعہ کیا اپنی نوعیت اور حیثیت کے اعتبار سے یہ بڑی دلچسپ اور کارآمد پائی گئی۔ بڑی بڑی اردو۔ فارسی اور انگریزی کی معتبر کتب تواریخ کے حوالوں سے قوم پر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ پہلے ہم کیا تھے۔ اس تاریخ کی خوبیاں مطالعہ سے تعلق رکھتی ہیں اگر اس کو قوم کے لئے تحفہ نادر العصر کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔ تاریخ ہذا پر ایک غائر نظر ڈالنے سے قوم کو بیاچھی طرح معلوم ہو جائیگا کہ ہمارا مستقبل کتنا شاندار رہا اور اب ہم کیا ہو گئے ہیں۔

میری رائے میں یہ تاریخ قوم خانزادہ کے لئے ایک سبق آموز کتاب ہے جو مستقبل میں آنے والی نسلوں کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر جناب مولوی صاحب موصوف کو اس محنت و جانفشانی کا صلہ عظیم عطا فرمائے اور یہ تاریخ مقبول خاطر ہو۔ آمین۔

چھپی تاریخ قوم حنفا نژادہ — اسی کی دید کے مشتاق سے ہم
چونکہ فاضل۔ ادیب و مولوی ہیں — وہ شرف الدین احمد خان اکرم
کیا ہے قوم پر احسان انہوں نے — لکھی تاریخ یہ مقبول عالم
کہا دل نے وفورِ خرمی سے — ہوئی فکر ہن ترتیب جس دم
جو پوچھے اسے رفیق اس سے یہ کہدو — ہے سالِ طبع۔ تاریخ مجسم

۱۳۵۴۔ ہجری

ولہ دوم

خوشا تالیف شرف الدین احمد — لکھی تاریخ۔ بہتر با دلائل
بجا ہے نازشِ اسلاف کہئیے — بیاں کوئی کرے کیا فخر فضائل
نہیں آگاہ و واقف قوم اب تک — عیاں سب پر ہوے سارے مسائل
رفیق اب فکر سالِ طبع بھی ہو — پریشانی ہے گو اس وقت حائل
چمک اٹھے۔ جو مثلِ مہرِ انور — رقم کر دو و د۔ تاریخ قبائل

۵۰۱ — ۱۳۵۴۔ ہجری

۱۹۳۵۔ عیسوی

بندہ ہیچ۔ رفیق محمد خاں کان اللہ لہ

۱۳۵۴۔ ہجری

تقریظ بے نظیر

خوش اسلوب جناب محمد ایوب خاں صاحب تجاری کوارٹر ماسٹر جمعدار کچھ

سٹیٹ فورس شہر بھج ریاست کچھ

ہمارے قبلہ سچے ہمدرد و محسن قوم خانزادہ جناب مولانا شرف الدین احمد خاں صاحب نے بکمال تحقیق تاریخ مسلم یادو راجپوت الملقب بہ خانزادہ تصنیف فرمائی ہے جس سے مردہ قوم تک روح پھونک کر مسیحائی دکھلائی ہے اس تاریخ میں قوم کے کارناموں کو پڑھنے سے قومی شجاعت و بہادری کا خون جوش زن ہوتا ہے اور ہر ایک طفل خانزادہ رستم و اسفندیار بننا چاہتا ہے غرض تاریخ کیا ہے حالات خانزادگان کا آئینہ حقیقت نما ہے جس میں ان کے ہر حسن و قبح کا خط و خال صاف نظر آتا ہے اور یہ ایک ایسا فوٹو ہے جس میں ان کی پوری مجسم تصویر دکھائی دیتی ہے

آئندہ نسل کے ہونہاروں سے امید ہے کہ وہ ہمیشہ اس بزرگ ہستی کو کمال ممنونی و شکوری کی آنکھوں سے دیکھتے رہیں گے جس نے ہماری بہبودی کے لئے اپنے تمام آرام و چین کو چھوڑ کر اور کل خانگی مشاغل سے منہ موڑ کر اس عالم ضعیفی میں شبانہ روز دماغ سوزی و محنت شاقہ برداشت کرکے ایسی تاریخ تحریر فرمائی ہے جو ہمارے طریق زندگی کے لئے چراغ ہدایت کا حکم رکھتی ہے اس کی خوبیوں کے متعلق زیادہ لکھنا فضول ہے کیونکہ (ع)

حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را ۔ اور قطعہ تاریخ ذیل پر ختم کلام ہے ۔ قطعہ تاریخ:

کیا خوب لکھی قبلہ نے خانی تاریخ — دلچسپ بھی ہے اور پر معانی تاریخ
ہیں داستان قوم کے اس میں قصے — اس جیسی کبھی دیکھی نہ ثانی تاریخ
دیتا نہیں گر اس کو کہو تم ایوب — یہ رتبے میں ہے سچا و کہانی تاریخ

۱۳۵۴ ہجری

تقریظ دل پذیر

از نتیجۂ طبع منشی عالی رقم جناب ماسٹر حرنجی لال صاحب وما بی اے

شاہجہاں پوری سابق ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول راولپنڈی

صادق ہوں اپنے قول کا غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

ماسٹر شرف الدین احمد صاحب نے اپنی قوم مسلم یادونبسی راجپوت رخانزادہ کی ایک تاریخ لکھ کر برائے مطالعہ میرے پاس روانہ کی جس کو میں نے اول سے آخر تک فرصت کے وقت میں نہایت غور کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اس قومی تاریخ میں جو بات مجھے سب سے بڑھکر قابل وقعت نظر آئی وہ یہ ہے کہ اس کے مضامین کے لئے کسی بے اصل حکایات یا فرضی قصے اور زبانی روایت سے مطلق کام نہیں لیا ہے بلکہ ہر بیان کی تشریح و توضیح کے لئے اردو۔ فارسی اور انگریزی تاریخوں سے صحیح اور معتبر حوالہ جات معہ نام کتاب ومصنف وصفحہ ومطبع وغیرہ دیکر ایسے معقول اور مستحکم ثبوت بہم پہونچائے ہیں۔ جن میں کسی بھی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی خصوصاً راجپوتوں کے اعلیٰ حسب ونسب پر محمد قاسم فرشتہ کے حملے کے برخلاف جو مدلل مضمون مختلف تاریخوں کے صحیح حوالوں سے دیا گیا ہے وہ نہایت اعلیٰ پایہ کا ہے اور بڑی محنت سے تیار کیا گیا ہے جس میں فرشتہ صاحب کی تاریخ دانی کا خوب پول کھولا گیا ہے۔ تاریخ ہذا کے دلائل و براہین کو دیکھنے سے یہ پتہ بھی بخوبی چلتا ہے کہ مصنف صاحب نے کتنی محنت اور جاں فشانی سے کام لیا ہے اور کتنے کتب خانوں اور لائبریریوں کے مطالعہ سے استفادہ حاصل کرنے کے لئے جابجا سفر کی صعوبتیں برداشت کی ہیں اور ہزاروں روپیہ پانی کی طرح بہادیا ہے ایک ایک بیان کی تشریح و توضیح کے لئے حوالے دئے گئے ہیں خصوصاً قومی مدافعت والے بیان میں جس عرق ریزی سے ہمدردانہ پیرایہ میں

یا غیر مہذبوں کے حملوں کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ آپ کا اور صرف آپ کا حصہ ہے۔
بیشک اس کام کی محنت شاقہ اور قدر و قیمت کا اندازہ صرف وہی شخص لگا سکتا ہے جس
کو اس کام سے کبھی واسطہ پڑا ہو۔
مجھے یقین ہے کہ جو شخص بہ نظر انصاف اور تعصب سے خالی الذہن ہو کر اس تاریخ کا مطالعہ
کرے گا وہ میرے اس صداقت آمیز ریویو کی حرف بحرف تائید و تصدیق کرنے پر مجبور ہو گا۔
آخر میں میری یہ دعا ہے کہ یہ گلدستہ لاجواب یعنی مرقع میوات نامی کتاب شائقین علم تاریخ کی
واقفیت و رہنمائی کے لئے ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے اور مصنف صاحب بھی خوش حال و بامراد
رہیں۔ فقط

تقریظ و تاریخ جناب جامعی دین میاں محمد حسام الدین صاحب سکنڈ ماسٹر مڈل سکول بوالا ضلع حصار

باشندگان علاقہ میوات کو خوشخبری ہو کہ ماسٹر شرف الدین احمد خان صاحب شرف نے انکی
واقفیت کے لئے بڑی محنت اور کوشش سے تاریخ مرقع میوات نامی تحریر فرمائی ہے اس
کتاب کو میں نے اول سے آخر تک مطالعہ کیا ہے میرے خیال میں یہ ایک پہلی تصنیف ہے
جس کے اندر علاقہ میوات کے مسلم یادو راجپوت (خانزادہ) قوم کے حالات پر شرح اور بسط
کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور آج جو قوم ایک گمنامی کی حالت میں زندگی بسر کر رہی ہے
اس کے حالات کو صفحات تاریخ پر لا کر دوبارہ زندہ کر دکھایا ہے۔
سب سے بڑی خوبی اس تاریخ میں یہ پائی جاتی ہے کہ اس کو صحیح اور معتبر حوالوں سے
رکھا گیا ہے اس لئے میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ معتبر تاریخی حوالوں کا جو التزام
اس تاریخ میں رکھا گیا ہے وہ آج کل کی دوسری تصنیف شدہ قومی تاریخوں میں بہت کم پایا
جاتا ہے۔
تیخ محمد مخدوم کی ناظم تحریر کو دیکھتے ہوئے کوئی شخص ان کی تعریف نہ کرے گا انکی
اس اشتغال انگیزی کے ماسٹر موصوف نے جس متانت اور صبر آزما طریق سے ان کے

جوابات تحریر فرمائے ہیں۔ ان کی تعریف پر ہر شخص مجبور ہوگا میرے خیال میں یہ تاریخ ہر لحاظ سے ایک بہترین تصنیف کہی جا سکتی ہے فقط۔

تقریظ و تاریخ جلیلہ قلم جادو رقم ناظم سحر البیان ناثر شعلہ بیاں

سخنور نامی مورخ گرامی جناب خان شرف احمد خان صاحب نعیمی کاسروفرید آباد واخانشلی

۱۔ تاریخ حبد جادو بنی

۱۳۵۴ ہجری

۲۔ بدمذاقی مردمان طین کی
خانزادوں کے لئے زخمی تھی مگر

مٹ گئی تاریخ مصر و چین کی
آج ہے تاریخ شرف الدین کی

۱۹۳۵ عیسوی

۳۔ خانزادہ قوم پر یہ ہو گیا احساں بڑا
نام ہے جس کے شرافت دین حق کی آشنا
مولوی و منشی و صوفی منش عالی نژاد
وہ معلم مبتدا و منتہائے علم و فن
قوم کی تدریس ہی کی پوری عمر بے ثبات
اب ضعیفی میں قویٰ جب دے گئے بالکل جواب
قوم عزت باختہ کا آگیا لیکن خیال
خانزادے اک صدی تک آج ہیں زیر زوال
نام کو ان کے سمجھ کر چرخ نے حرف غلط
چرخ کج رفتار کی یہ بے لگامی دیکھ کر
خانزادوں کی غلامی جن کو تھی حاصل کبھی
لیکن اس مرد خدا نے آخر اخیری عمر میں

راقم تاریخ شرف الدین احمد خاں کا
جس کی صورت سے عیاں حب جمال حبیب خدا
صاحب علم و عمل ہمدرد قوم و بے ریا
فیض یاب ہے جس کے دم سے قوم کا چھوٹا بڑا
ہو گیا تدریس میں سن یعنی پچپن سال کا
عمر تب تھا وقت گویا بس یہی آرام کا
اس ضعیفی میں ہوا ثابت وہ خادم قوم کا
نام تھا مشہور جن کا ملک میں کشور کشا
صفحۂ ہستی سے چاہا کج روی سے دے مٹا
بدکلامی کر رہی تھیں قوم پائے فتنہ زا
کر رہے تھے ان پہ وہ ناپاک حملے بے حیا
دانت کھٹے ہو گئے ان کو جواب ایسا دیا

خانزادے کون تھے کیا تھے یہاں سمجھ لیں / آئینہ اک روبرو ان کے نمایاں کر دیا
حکمرانِ ملک بالی ان کی لونڈی تھی کبھی / اور شجاعت ان کے در پر مجرا کرتی تھی ادا
اس میں شمہ بھر نہیں ہے افترا اور جھوٹ کچھ / صاحبِ موصوف نے سب کچھ مدلل ہے لکھا
ٹاڈ و ملا و فرشتہ - ہیکٹ و نجم الغنی / ہے نوکا ما لقد و حوالا شاہدان بے ریا
گوت جادو و نبس ہے اولاد ناہر خان ہیں / کانپتے تھے نام سے جن کے شہان فتنہ زا
رستم و سام و نریمان پہلتن سہراب زال / نامور فارس کا فردوسی نے ان کو ہے لکھا
شاعری کے استعارے اور تلمیحات پر / ہے شجاعت ان کی باقی کچھ نہیں ان کے سوا
خانزادوں کی شجاعت پاک ہے اس عیب سے / ان کا ہر اک حال تاریخوں سے ثابت ہو چکا
دیجئے کو داد فصاحت راقمِ تاریخ کو / فکر کچھ تاریخ کا لاحق مرے دل کو ہوا
بولا ہاتف فکر سال طبع زخمی کچھ نہ کر / شاہنامہ خانزادوں کا مسلّم ہو گیا

۱۳۵۴ - ہجری

تقریظ سعادت آثار

نیک کردار چودھری عبید اللہ خاں صاحب بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر

اینگلو ورنیکلر مڈل سکول قصبہ پلوہانہ ضلع گوڑگانوہ

مسلم جادو راجپوت (خانزادہ) قوم کشتریوں کے مشہور خاندان چندر بنسی سے متعلق ہے جس کے کارنامے فارسی اور اردو تواریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ مگر علیحدہ کوئی تاریخ موجود نہ تھی اس لئے عرصہ دراز سے یہ خیال دامنگیر تھا کہ کوئی ایسا ہونہار شخص اس قوم میں پیدا ہو جو اس قوم کی مفصل تاریخ مرتب کرے۔ اس رب دو عالم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس پس ماندہ اور گمنام قوم میں ...ہی پیدا ہوا جس نے مرقع میوات کے نام سے مسلم جادو راجپوت (خانزادہ) قوم کی ایک بسیط

مرتب کی۔ وہ مقتدر ہستی مولوی شرف الدین احمد صاحب شرف متوطن موضع ساٹھاواڑی ہے
نے تاریخ مذکور بالا کا پورے طور پر مطالعہ کیا ہے اور اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مولوی صاحب
موصوف نے تاریخ کے مرتب کرنے میں بیحد کاوش و جانفشانی کی ہے کل تاریخ میں شروع سے
تک کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں جس کے لئے کسی نہ کسی مستند تاریخ سے حوالہ نہ دیا گیا ہو یا جس کے لئے
دلائل عقلی و نقلی موجود نہ ہوں میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ تاریخ مرقع میوات نہ صرف مسلم جادو
جیوت (خانزادہ) قوم کے کارناموں کا ایک درخشاں و زریں مرقع ہے بلکہ میوات کے ہر اس واقعہ
کا مظہر ہے جو پٹھان بادشاہوں کے وقت میں ظہور پذیر ہوا۔

سب سے بڑی خوبی تاریخ میں یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں جو دوسری قوم کے
لئے دل شکنی کا باعث ہو۔ اگر کسی واقعہ میں کسی مصنف سے کوئی اختلاف رائے کیا ہے تو اس کی
ایسے پیرایہ میں کی ہے۔

جس سے مصنف کی فضیلت اور منصف مزاجی صاف مترشح ہوتی ہے مجھے امید ہے کہ افراد قوم کے
خصوصاً اور دوسرے صاحب دل اصحاب عموماً قدردانی فرمائیں گے۔

ریویو از نتیجہ فکر جناب چوہدری منیر الدین صاحب بی اے
قصبہ بھوسٹ ریاست کپورتھلہ

میں نے اپنے ایک محب کی ترغیب پر تاریخ مرقع میوات مصنفہ خانزادہ شرف الدین احمد شرف ساکن
ساٹھاواڑی ضلع گوڑگانوہ کا مطالعہ کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ اس خاموش اور پس ماندہ خطے میں بھی
ایسے ایسے وسیع المعلومات تاریخ دان موجود ہیں۔

منصف مزاج مصنف نے کسی واقعہ میں مبالغہ نہیں کیا ہر ایک واقعہ کو مستند تاریخی کتابوں کی
بنا پر لکھا ہے۔ یوں تو تاریخ ایک بہترین مجموعہ واقعات ہے اور اس کا کوئی باب بھی خالی از دلچسپی
نہیں ان سب سے زیادہ جن واقعات نے مجھے متاثر کیا۔ وہ قومی مدافعت اور خانزادوں کی پولٹیکل
شان و عظمت ہیں جن میں مصنف نے قومی خدمت کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ مجھے امید ہے کہ خطہ میوات کے
لوگ خصوصاً اور دیگر علاقہ جات کے شائقین تاریخ عموماً اس کتاب سے استفادہ حاصل کریں گے۔

تقریظ دل پذیر

از نتیجۂ فکر جناب حکیم محمد عمر صاحب فصیح دہلوی

سودگانِ ارض و خفتگانِ زمین خواہ وہ انبیا و اولیا و صوفیائے کرام ہوں خواہ سلاطین عظام اسلام
ں۔ ان سب کے مکمل حالات و واقعات حیات و ممات وغیرہ السنۂ مروجۂ مختلف کے ذریعہ کتب صفحات و کتا
نحہ ہائے عالیہ تواریخ و وقائع روزنامچوں۔ علمی بیاضوں رسالوں اور اخباروں وغیرہ تک کم و بیش
مسطور ہیں۔ چنانچہ میں جانتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ فی زمانا اقلیم ہند کے خطۂ راجپوتانہ واقعہ میا
یں ملک میوات کی دیرینہ رہنے والی مشہور و معروف نامور مسلم قوم خانزادہ کی کم تا
اکو حتی الوسع تلاش کر کے بنی نوع انسان کے روبرو رکھنے کی سعی فراواں ہو رہی ہے
یار نیکوکار۔ وفا شعار۔ سعادت قرین منشی شرف الدین احمد صاحب یادو سلمہ اللہ تعالیٰ
ڈ ماسٹر متوطن موضع ساکھٹا ڈاڑی ضلع گوڑگانوہ نے عالم کے تاریخی باغ و بوستان میں
ت کر کے نہایت محنت اور تجسس سے اپنے قومی اشجار بے اثمار کے صحیح و مخفی تاریخی اوراق کے ذریعہ
عمدہ۔ بہتر سے بہتر۔ برتر سے برتر۔ اچھے سے اچھے پھولوں کو چن کر تر و تازہ۔ سر سبز۔ لہلہاتا۔ رنگین خوشبودار
یاب۔ نادر گلدستۂ تاریخ یعنی مرقع میوات نامی تیار کر کے شائع کرا دی ہے جس کی اشاعت
ولت ایک تاریخی یار غار کی محنت ٹھکانے لگی۔

لہٰذا امید ہے کہ دوسرے یاران فن تاریخ و عام شائقین اس کی خوش کن نظارہ بازی مطالعہ
قت اس سے لذت یاب و بہرہ اندوز ہونگے۔ فقط۔

تقریظ و تاریخ ادیب و سخنور جناب منشی غلام محمد خاں صاحب سرور
منشی فاضل سکول ماسٹر قصبہ نگینہ ضلع گوڑگانوہ

باوجود
تھے برآمد بازار ترقی شکست گئے شگفتہ وہ ہائے غار آخر شد

منشی شرف الدین صاحب کی یہ تصنیف الموسوم بہ مرقع میواڑ لاجواب لاثانی نہیں جا سکتی ہے کہ ایسی جامع کتاب حالات میواڑ میں آج تک کسی دوسرے اہل میو سے ہوئی۔ اگرچہ پیشتر ازیں اس میدان میں چند دیگر مصنفوں نے جولانی طبع دکھلائی لیکن کسی کو کم علمی اور کسی کو حیلہ تراشی کے باعث فتح و ہزیمت کے سوا چارہ کار نظر نہ آیا موصوف نے لکھوائے ہے

زاد نسا دا اہل ہمت بہرے مردانہ است
تو حذف شہباز عیزا زچنگل

اس غرض کفایہ کو خوبی بجا دیا
جب کسی واقعہ کو اس تاریخ میں پیش کیا ہے
تو خود وقوعی سے آراستہ کر
تا المقدور ہر کینہ کسی دفتہ تو ز سے محفوظ رہ سکے

مجھے امید ہے کہ پبلک ان مختصر الفاظ کے ذریعہ صاحب تالیف فاضل موصوف اور عرق ریزی کی داد دے سکونگا

بعد از عرق ریزی دن رات
ہوگئے جمع قوم کے
قدر دانوں کے واسطے اک چیز
ہے یہ سر دور مرقع

یہ اخیر کا تمام شعر تاریخ کا مادہ ہے جس سے ۱۹۳۵ عیسوی سن برآمد ہوتا ہے۔

ولہ دوئم

محسن محب وطن کے دعوے دار
اس نے دی قوم کی ادا
عہد سابق کا لے جو افسانہ
سب سے بڑھ کر مرقع

اس میں بھی کا تمام شعر مادہ ہے جس سے ۱۹۳۵ سن عیسوی برآمد ہوتا ہے۔

ولہ سوئم

مرحبا قبلہ منشی شرف الدین
لا یزال آپ کے ہیں احسا
قدر دانوں کو تحفہ نایاب
دیج دو لے مرقع میوا

اس میں بھی آخر کا تمام شعر مادہ ہے جس سے وہی ۱۹۳۵ عیسوی سن بر